

رُویۃ ہلال

اختلافِ مطالع اور روئے عالم اسلام
کی رویتِ امیں

وحدت کے شرعی امکانات

تالیف

غازی عَزِیز

مکتبہ ترجمانِ دہلی

رُویّتِ ہلال

اختلافِ مطالع اور پورے عالمِ اسلام

کی رُویّت میں

وحدت کے شرعی امکانات

تالیف

غازی عزیز



مکتبہ ترجمانِ دہلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	”روایت ہلال، اختلاف مطالع اور پورے عالم اسلام کی روایت میں وحدت کے شرعی امکانات“
مؤلف	:	غازی عزیر
زہرا ہتمام	:	مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند
سن اشاعت	:	۲۰۰۴ء
تعداد اشاعت	:	۱۱۰۰
قیمت	:	

ملنے کا پتہ:

مکتبہ ترجمان

اہل حدیث منزل ۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی-۱۱۰۰۰۶
فون: ۲۳۴۰۷، ۲۳۴۰۸، ۲۳۴۰۹، ۲۳۴۱۰، ۲۳۴۱۱، ۲۳۴۱۲، ۲۳۴۱۳، فیکس: ۲۳۴۱۴، ۲۳۴۱۵

ویب سائٹ: www.ahlehadees.org

بسم الله الرحمن الرحيم

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمین والصلاة والسلام علی رسولہ الامین ، وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ، وبعد :

ہندوستان ہی نہیں دنیا کے متعدد ملکوں میں جہاں خالص اسلامی قوانین اور شرعی احکام کی بالادستی نہیں ہے۔ بہت سے چھوٹے چھوٹے مسائل بھی بسا اوقات بہت سنگین صورت اختیار کر لیتے ہیں اور امت کے اندر لافتنائی مسائل کو جنم دیتے ہیں، اور ایک طرح سے امت دیر تک الجھنوں کا شکار ہو جایا کرتی ہے۔

ان ہی سادہ مگر پیچیدہ مسائل میں سے رویت ہلال کا مسئلہ بھی ہے، گرچہ کتاب وسنت میں رویت ہلال کا مسئلہ بہت سہل انداز میں شارع حکیم نے بتا دیا ہے۔ مگر خارجی موثرات نے اس پر اس قدر اپنا اثر جمایا کہ یہ مسئلہ ہر سال ایک نیا موڑ لے لیتا ہے اور اس میں افراد امت، جماعات امت، جمعیات اور منظمات امت حتیٰ کہ عوام الناس اور خواص الخاص حضرات بھی اس نزاعی مسئلے کے فریق بنادئیے جاتے ہیں۔

رویت ہلال کا مسئلہ اب متعدد محاور پر گھوم رہا ہے۔ کچھ حضرات اس کو عولہ وگولہ بازی، عالجیریت و آفاقیت کا رنگ دینا چاہتے، کچھ اہل قلم ایسے بھی ہیں جو ”لکل بلد دوینہ“ کہہ کر اسے ہر شہر اور متغیر جغرافیائی حدود و قیود میں لگے بندھے ملکوں اور ریاستوں اور خطوں کی بنیاد پر اس کے حدود متعین فرماتے ہیں۔ اور بعض اسے مطالع و مغارب کی حد بندی کے ذریعہ محدود کرتے ہیں، بعض ماہرین فلکیات قدیم و جدید گردش لیل و نہار و حرکت شمس و قمر اور منازل و ابراج قمر کے حوالے سے اپنی مستقل رائیں رکھتے ہیں جب کہ بعض حضرات مزید گواہوں اور ان کے اوصاف و اطوار اور دیگر بے شمار شروط و عدم شروط کے ذریعہ اس کے شرعی حدود و اربعہ کے اظہار کی کوشش فرماتے ہیں۔ چنانچہ کبھی کبھی ایسا گمان ہونے لگتا ہے کہ جتنے منہ اتنی باتیں ہو رہی ہیں۔

چونکہ یہ مسئلہ حساس ہے اور شرعی بھی اور اس سے متعلق بے شمار آوازیں اور سوال اٹھائے جاتے ہیں۔ خاص طور پر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند جو ایک عظیم و قدیم تنظیم اور شرعی

وزاعی معاملات میں مرجع عظیم کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی طرف انحاء واکتاف ہند سے استفادات آتے رہتے ہیں۔ لہذا جمعیت نے اس سمت میں متعدد کوششیں شروع کر دی ہیں۔

چنانچہ قارئین کرام کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ مرکزی جمعیت کی ہی نگرانی میں صوبائی جمعیت اہل حدیث دہلی نے علماء و اعیان جماعت اور تمام ذیلی جمعیات پر مشتمل ایک رویت ہلال کمیٹی تشکیل دیدی ہے اور اس نے اپنا کام باضابطہ شروع بھی کر دیا ہے۔ امید کہ اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوں گے۔ اور اس میں برادران ملت و جماعت کا تعاون رہے گا نیز دیگر صوبائی جمعیات بھی اس جانب پیش قدمی کریں گی، مرکز اس سلسلہ میں ان کے ساتھ تعاون کے لیے ہمہ وقت تیار ہے۔

دیگر یہ کہ ۱۳-۱۵ مارچ کو ہونے والی آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس میں منجملہ اور مواضع کے اس عنوان پر بھی علماء کرام اور محققین و اہل قلم حضرات سے مقالات سپرد قلم کرنے کی درخواست کی گئی تھی اور علماء کرام و اصحاب قلم و قراط نے جمعیت کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے نہایت عرق ریزی سے اپنے اپنے مواقف کو اولہ کی روشنی میں واضح کرنے کی کوشش کی۔ اور جمعیت کے پاس اس سلسلہ میں ماشاء اللہ اچھے خاصے مقالے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ کتابیں جمع ہو گئیں۔ ہم ان تمام مقالہ نگار حضرات کے بے حد شکر گزار ہیں۔ اور ان مقالات کو دیگر اہم علمی و دعوتی و تبلیغی و تحقیقی مقالات و کتب و رسائل (جن کی طباعت و اشاعت کا جامع پروگرام جمعیت نے روز اول سے تیار کیا ہے) شائع کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔ و ما توفیقنا لا باللہ۔

لیکن سر دست ان گرانقدر متعدد و متنوع عناوین پر مشتمل پاکوڑ کانفرنس کے مقالات مثلاً دارالقضاء اہمیت و امکانات (متعدد مقالات) ”جدید طبی ایجادات شریعت کی نظر میں“ (متعدد مقالات) دارالقضاء کا قیام اہمیت و امکانات (متعدد مقالات) امن عالم اور اسلام (متعدد مقالات) شیر و بیہ انورس مسائل شرعی حیثیت (متعدد مقالات) اور رویت ہلال و اختلاف مطالع اور پورے عالم اسلام کی رویت میں وحدت و یگانگت کے شرعی امکانات کے متعدد مقالات میں سے ایک مقالہ ”رویت ہلال، اختلاف مطالع اور پورے عالم اسلام کی رویت میں وحدت کے شرعی امکانات“ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جسے جماعت کے ایک غیور و محترم اور محنتی و فاضل جوان شیخ غازی عزیز حفظہ اللہ بن مولانا امین اثری مبارک پوری رحمہ اللہ نے کانفرنس میں منعقدہ سیمینار کے لیے تحریر فرمایا ہے۔ آپ علمی حلقوں میں

اپنی جولانی قلم اور تحقیقات و تحقیقات حسن سے معروف و مشہور ہیں۔ اور حتی الامکان سنجیدگی و متانت اور بھرپور جدوجہد و محنت سے حاصل مطالعہ قارئین کے لیے پیش فرماتے ہیں۔ یہ کتاب اس سلسلہ مقالات کا پہلا سلسلہ ہے۔

ہماری خواہش تو یہ تھی کہ تمام مقالات جو اس موضوع سے متعلق تھے یکجا شائع کر دیے جاتے مگر اس سلسلہ میں فی الحال مالی رکاوٹ بڑی وجہ بن رہی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس سلسلہ کے اشاعت میں قدرے تاخیر ہوئی، پھر بھی عزم برقرار ہے کہ مستقبل میں بقیہ تمام مقالات شائع کئے جائیں گے۔ اور اس بنے ہوئے اختلافی مسئلہ کے تمام پہلو سامنے آجائیں۔

مرکزی جمعیت کی یہ تازہ پیشکش یہ مقالہ نقش اول اور سلسلہ اولیٰ کی حیثیت سے قارئین کی خدمت میں حاضر ہے۔ اور ہم بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ جماعت کے با بصیرت و مخلص علماء و اعیان و اشخاص نے کافر نس کے عظیم ثمرات و برکات مادی و معنوی، ظاہری و باطنی کا جو ذکر فرمایا ہے اس کا ایک ادنیٰ ثمرہ یہ بھی ہے۔ فالحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات۔ و تحصل البرکات و تجنی الثمرات۔

یہ کتاب مستطاب ان شاء اللہ محترم قارئین کے ہاتھوں میں ہے، لہذا نفس موضوع اور اس کے مشمولات پر کچھ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں محسوس کرتا بلکہ سب کچھ قارئین کرام کے حوالہ کرتے ہوئے اُمید کرتا ہوں کہ مکتبہ ترجمان کی یہ نئی پیشکش بھی اپنی دیگر سابقہ مطبوعات کی طرح پسند کی جائے گی۔

سپر دم جو مایہ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

خادم جماعت
اصغر علی امام مہدی سلفی
مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

دہلی
۱۸ ذوالقعدة ۱۴۲۵ھ
۳۱ دسمبر ۲۰۰۴ء

فہرست موضوعات

نمبر شمار	موضوع	صفحہ
۱۔	عرض ناشر	۱۳
۲۔	مقدمہ	۱۵
۳۔	ہلال اور رویت ہلال - اسلام، علوم فلکیات، ہیئت اور جغرافیہ کی روشنی میں	۱۹
	اجرام فلکی (Celestial Bodies) میں سورج اور چاند کی بنیادی حیثیت	۱۹
	چاند کی ساخت اور اس کی بعض اہم خصوصیات	۲۰
	چاند اور ہلال کے مابین فرق	۲۳
	منازلِ قمر	۲۹
	منازلِ قمر مقرر کئے جانے کا بنیادی مقصد	۳۱
	دن، مہینہ اور سال کی تعیین و حساب میں سورج اور چاند کا اہم کردار	۳۳
	ماہ اور سال کا آسمانی بُرج سے تعلق	۳۷
	قمری مہینوں کا فطری اور طبعی ہونا ہی ابتداءً آفرینش سے تقویم میں ان کے اعتبار کا باعث رہا ہے	۳۸
	چاند کا طلوع و غروب نیز اس کا اوسط دور	۴۰
	زمین سے چاند و سورج کا درمیانی فاصلہ	۴۱
	قمر نوکی ولادت کے بعد ہلال کب نظر آتا ہے؟	۴۱
	رویت ہلال میں چاند کی عمر کا کردار	۴۲
	کسی مقام سے چاند کی عمر کی ماہ میں کم، اور کسی ماہ میں زیادہ بھی ہو سکتی ہے	۴۳
	چاند و سورج کے اوقات غروب میں فرق، نیز اتفق پر قمر نوکی موجودگی کے وقفہ کا رویت ہلال میں کردار	۴۳

بعض موسموں کے دوران مخصوص جغرافیائی خطوں میں خلاف

معمول رویت ہلال

۴۴ رویت ہلال میں عروض البلاد کے اختلاف کا کردار

۴۵ رویت ہلال میں ”چاند۔ زمین۔ سورج“ کے زاویائی بُعد کا کردار

۴۷ رویت ہلال میں بعض دوسرے موافق عوامل کا کردار

۴۸ بہتر رویت ہلال کے لئے بعض موافق و مضر عوامل

۵۱ ہلال دیکھنے کا صحیح طریقہ

۵۲ قمری ماہ کی ابتداء و انتہاء میں ہلال نو سے حساب کی حکمت

۵۵ ماہ رمضان کے آغاز و اختتام میں رویت ہلال کا اعتبار، اور

تقدیم کی ممانعت

۵۶ ”فاقد روالہ“ کے معنی کی تعیین

۶۳ اس بارے میں وارد چند اور روایات

۷۱ بعض مقتدر علماء کی آراء

۷۲ نصاب رویت و شہادت

۷۸ ہلال رمضان کی شہادت کا نصاب

۷۸ ہلال رمضان کے متعلق اختلاف و اعتراضات کا جائزہ

۸۶ ہلال شوال کی شہادت کا نصاب

۸۸ ہلال شوال کے متعلق اختلاف و اعتراضات کا جائزہ

۹۱ نصاب ہلال شوال کے متعلق علامہ شوکانی وغیرہ کی منفر د رائے

۹۳ نصاب رویت کے متعلق ایک عمومی اعتراض

۹۶ رویت ہلال کے نصاب شہادت کے متعلق بعض مقتدر علماء کی آراء

۹۷ رمضان اور شوال کے ہلالوں کے نصاب رویت میں اختلاف کا سبب

۱۰۵ مشکوک (یعنی غبار یا ابر والے) دن میں روزہ کا حکم

۱۰۷

- ۱۰۷ یومِ شک کی تعریف
- ۱۰۸ یومِ شک میں روزہ کا حکم
- ۱۱۷ حدیثِ عمار کا مرتبہ اور اس کی صحت کے متعلق بعض شبہات کا ازالہ
- ۱۱۹ متابعات حدیثِ عمار
- ۱۳۳ وہ صحابہ وغیرہم جن سے یومِ شک میں روزہ رکھنا منقول ہے
- یومِ شک میں جن بزرگوں سے روزہ رکھنا منقول ہے، ان پر
- ۱۳۵ اعتراضات کا جواب
- ۱۳۶ یومِ شک میں احتیاطاً روزہ رکھنے کا جواز، لیکن نفلاً روزہ رکھنے کی ممانعت
- بعض وہ مسائل جن میں ابنِ عمر تشدد اختیار کرتے، اور ابنِ عباسؓ
- ۱۳۸ رخصت دیتے تھے
- ۱۳۹ یومِ شک میں صحابہ کے وجوباً روزہ نہ رکھنے کی دلیل
- ۸۔ ایک شہر میں اثباتِ رویت اور دوسرے میں عدمِ رویت، نیز بیرونِ شہر سے آنے والی رویتِ ہلال کی خبر کا حکم
- ۱۳۶ حدیثِ کریبؓ -- عہدِ صحابہ کی ایک نظیر
- ۱۶۰ محدث مبارکپوری کا امام ترمذیؒ پر نقد اور امام ابنِ حجرؒ کا اختلاف
- بین العلماء بیان کرنا
- ۱۶۳ حدیثِ کریبؓ پر امام ابنِ قدامہ المقدسیؒ کا تبصرہ
- ۱۶۴ حدیثِ کریبؓ پر امام شوکانیؒ کا بے لاگ تبصرہ
- ۱۶۵ بعدِ قرب کے معافی کی تعیین
- ۱۶۷ جدید ذرائعِ ابلاغ و مواصلات سے موصولہ ہلال کی خبروں کا حکم
- ۱۷۱ اُس شخص کا حکم جس نے تنہا ہلال دیکھا، مگر اس کی شہادت قبول نہ کی گئی ہو
- ۱۷۳ اُس شخص کا حکم جو کسی عادل سے رویتِ ہلال کی خبر سنے، مگر اس کی
- ۱۱۔

- شہادت قبول نہ کی گئی ہو ۱۸۵
- ۱۲۔ جب دو شخصوں کو رویت ہلال ہو، مگر وہ شہادت نہ دیں، یا حاکم ان کی شہادت رد کر دے ۱۸۶
- ۱۳۔ روزہ اور عید سوا دِ اعظم کے ساتھ ہی ہے ۱۸۷
- ۱۴۔ دن میں نظر آنے والے ہلال کا حکم ۱۹۱
- ۱۵۔ دن میں رویت ہلال ثابت ہو جانے کی صورت میں روزہ اور عیدین کا حکم ۱۹۸
- ۱۶۔ ہلال شعبان کی نگرانی، اور ایام شعبان کے شمار کا اہتمام ۲۰۵
- ۱۷۔ ہلال دیکھنے کا استحباب ۲۱۰
- ۱۸۔ اُس شخص کا حکم جسے ماہ رمضان کے بارے میں اشتباہ ہو جائے، یا جس کے لئے رویت کا چاہنا ممکن نہ ہو ۲۱۲
- ۱۹۔ اگر لوگوں کو رویت ہلال میں غلطی واقع ہو جائے ۲۱۷
- ۲۰۔ تیس روزے پورے ہونے پر بھی اگر رویت ثابت نہ ہو، تو کیا کریں؟ ۲۱۹
- ۲۱۔ اگر ہلال خلاف معمول بڑا نظر آئے، یا افق پر دیر تک موجود رہے، تو وہم میں پڑنا مناسب نہیں ہے ۲۲۱
- ۲۲۔ ہلال دیکھ کر پڑھنے کی دعاء ۲۲۶
- ۲۳۔ عید کے دنوں میں ناقص نہیں ہوتے ۲۲۸
- ۲۴۔ رویت و شہادت ہلال کے ضمن میں بعض متفرق مسائل ۲۳۶
- رویت ہلال کی شہادت کے لئے گواہ کا مسلمان ہونا ضروری ہے ۲۳۶
- ” رویت ہلال کے لئے گواہ کا صرف خبر دینا ہی کافی نہیں ہے ۲۳۸
- جب خبر مبلغ تو اترا تک پہنچ جائے تو شہادت کی ضرورت باقی نہیں رہتی ۲۳۸
- رویت ہلال کے اثبات میں حاکم بطریقہ اخبار فیصلہ نہ کرے ۲۳۸
- شہادت میں گواہوں کی عدالت، اور صداقت لہجہ کی چھان بین کی ضرورت ۲۳۹

بعض کے نزدیک غلام اور عورت کی گواہی بھی جائز، لیکن بعض

- ۲۴۰ کے نزدیک ناجائز ہے
- ۲۴۲۔ ۲۵۔ غیر معتدل علاقوں میں رویت ہلال کا مسئلہ
- ۲۴۶۔ ۲۶۔ سعودی عرب میں رویت ہلال کا اہتمام
- ۲۵۱۔ ۲۷۔ اختلاف مطالع
- ۲۶۱۔ اختلاف مطالع علم ہیئت و فلکیات کی روشنی میں
- ۲۶۹۔ ۲۸۔ ماہرین فلکیات کے حساب پر اعتماد کرنا عقل و شرع کی مخالفت ہے
- ۲۹۔ ۲۹۔ نئے چاند کی ولادت، اور اس کی رویت کے حساب کتاب میں غلطی
- ۲۷۶۔ ۲۷۔ کے امکانات
- ۳۰۔ ۳۰۔ علوم ہیئت و نجوم کی مدد سے ہلال کا حساب کتاب۔۔۔ شیخ الاسلام
- ۲۸۰۔ رحمہ اللہ کی نظر میں
- ۲۸۶۔ ۳۱۔ پورے عالم اسلام کی رویت میں وحدت و یگانگت کے امکانات
- ۳۰۳۔ ۳۲۔ رویت ہلال کے سلسلہ میں بعض اہم تجاویز
- ۳۰۵۔ ۳۳۔ خلاصہ مباحث
- ۳۱۵۔ ۳۴۔ رویت ہلال، اختلاف مطالع اور رویت میں عالمگیر وحدانیت کے متعلق بعض مطبوعہ رسائل و مقالات کا تعارف
- ۳۱۵۔ رسائل
- ۳۱۶۔ منعقدہ علمی مجالس
- ۳۱۹۔ جرائد و مجلات
- ۳۲۰۔ ۳۵۔ مسک الختام
- ۳۲۹۔ ۳۶۔ ضمیمہ
- ۳۳۹۔ ۳۷۔ مراجع و مصادر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمد لله الذى جعل الشمس ضياء، والقمر نورا، وقدره منازل
لتعلموا عدد السنين والحساب، وأشهد أن لا إله إلا الله، وحده لا شريك له،
شهادة مبرأة من الشكوك والإرتياب، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله،
أشرف نبى أنزل عليه أشرف كتاب، صلى الله عليه وسلم، وعلى آله وأصحابه
ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، وسلم تسليماً كثيراً، أما بعد:-

رویتِ ہلال، اختلافِ مطالع اور رویتِ ہلال میں عالمی وحدت کے امکانات کا
تعلق اُن چند مسائل سے ہے جن سے عامۃ المسلمین اکثر متاثر ہوتے ہیں، اور علم وافر نہ ہونے
کی بناء پر مستند اور ثقہ علماء کے متعلق مختلف النوع شبہات کے بہ آسانی شکار ہو جاتے ہیں، اور شرعی
اصول و قواعد سے انحراف کرتے ہوئے وقفہ وقفہ سے بزعم خویش نئی اصلاحی تجاویز پیش
کرتے ہیں۔ ان تجاویز کے سامنے آتے ہی بحث و مباحثہ کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا
ہے، لیکن سوا اعظم اپنے علمی و عملی انحطاط کے باوجود بیشتر ان تجاویز کو بالفعول رد کر دیتا ہے، اور یہ
چیز اس ضمن میں یقیناً ایک مستحسن پہلو ہے۔

رویتِ ہلال کا مسئلہ جہاں رویت و شہادت سے متعلق ہے وہیں قضاء سے بھی اس کا
گہرا تعلق ہے۔ مزید برآں اس مسئلہ میں مسلمانوں کی اجتماعیت کی واضح رعایت بھی موجود
ہے۔ مسلم عوام میں مسئلہ رویتِ ہلال پر توجہ دینے، اور اس شرعی امر کی اہمیت کے احساس کا شعور
بیدار کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ بطور شاہد اپنی ذمہ داری بحسن و خوبی انجام دے سکیں، اور
علمائین نیز جہت پسندوں کی نئی شرانگیزیوں سے محفوظ رہ سکیں۔

اگر بغور دیکھا جائے تو یہ کوئی نئے مسائل نہیں ہیں، بلکہ زمانہ قدیم سے آج تک بے
شمار محدثین، فقہاء اور علمائے سلف و خلف نے ان موضوعات پر بہت کچھ لکھا ہے جس کی کچھ

جھلکیاں ان شاء اللہ آگے اس کتاب کے مناسب مقامات پر پیش کی جائیں گی۔ اگر ہم اس ضمن میں دنیائے عرب اور برصغیر، پاک و ہند، میں علماء اور جمہور کی طرف سے کی جانے والی انفرادی اور اجتماعی مساعی پر نظر ڈالیں تو پائیں گے کہ ماضی قریب میں یہ موضوع خاصی گرما گرم بحث کا مرکز رہا ہے، اور وقتاً فوقتاً اس کی تفصیلات مختلف دینی جرائد و مجلات میں شائع بھی ہوتی رہی ہیں، مگر تنگی دامن کے سبب اس کتاب میں ان تمام مساعی کا حصر اور جائزہ لینا ممکن نہیں ہے۔

البتہ پیش نظر کتاب میں حتی الامکان یہ کوشش کی گئی ہے کہ مسئلہ رویت ہلال کے جملہ متعلقات پر تمام علوم، یعنی شریعت (Islam)، ہیئت (Cosmography)، فلکیات (Astronomy)، جغرافیہ (Geography) اور جدید سائنس (Modern Science) کی روشنی میں پوری شرح و بسط کے ساتھ سیر حاصل بحث کی جائے۔ اس کتاب کی ابتداء علم فلکیات، جغرافیہ اور جدید سائنس میں استعمال ہونے والی بعض مخصوص مصطلحات کے مختصر تعارفی نوٹ سے اس لئے کی جاتی ہے تاکہ آگے آنے والی تکنیکی بحثوں کو بہ آسانی سے سمجھا جاسکے، اور اس ضمن میں کی جانے والی سابقہ مساعی کے اس تشنہ پہلو کا خاطر خواہ مدادنی بھی ہو سکے۔ البتہ ”مراجع و مصادر“ کے زیر عنوان علم فلکیات و ہیئت کی مذکورہ جن دقیق کتب اور مطبوعہ مقالات سے استفادہ کیا گیا ہے ان کے طویل اور دشوار تکنیکی مباحث کو پیش کرنے کی بجائے قارئین کی سہولت کے پیش نظر اسی ضمن میں انٹرنیٹ کے مختلف مواقع پر موجود اور انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں مذکور عام فہم اور سہل تر معلومات پر اعتماد کیا گیا، اور ترجیحاً انہی کو پیش کیا گیا ہے۔ اگر کسی جگہ و مختلف مراجع کے مابین کوئی تناقض نظر آیا ہے تو اس کو بھی واضح کر دیا گیا ہے۔

کتاب کی ترتیب کے دوران حتی المقدور یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ قرآن کریم، احادیث صحیحہ اور مختلف مکاتب فقہ کی نمائندگی کرنے والے امت کے جلیل القدر ائمہ اور علمائے سلف و خلف کی آراء و اقوال اور فتاویٰ سے ہر مسئلہ کی حقیقت ریاضی کے معروف اصول و دود چار کی طرح بالکل واضح ہو جائے، بحث جامع ہو، اس کے کسی پہلو میں کمزوری باقی نہ رہے اور قارئین کرام اس موضوع پر جملہ ضروری اُمہات الکتاب کی تلاش اور ان کے تتبع سے بے نیاز

ہو جائیں۔ راقم ان تمام کوششوں میں کس حد تک کامیاب ہو سکا ہے اس کا فیصلہ تو قارئین گرامی ہی کریں گے۔

واضح رہے کہ جو احادیث کسی ایک مقام پر گزر چکی ہیں، پھر آگے بھی کسی مناسبت سے دوسرے مقامات پر ان کا تذکرہ آیا ہے، تو ان میں سے کسی ایک مناسب مقام پر ہی ان کے تراجم درج کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، اور بخوف طوالت مکرر ترجمہ سے حتی المقدور احتراز کیا گیا ہے۔ اسی طرح یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں ایک ہی امام یا عالم سے متعدد اقوال یا فتاویٰ منقول ہوں تو ان میں سے جامع تر قول یا فتویٰ کو نقل کر دیا جائے، الا یہ کہ کسی مخصوص پہلو کو اجاگر و مؤکد کرنا مقصود ہو۔ بعض مقامات پر ایک ہی عالم یا امام کی تصانیف سے ایک سے زائد اقتباسات بھی نقل کئے گئے ہیں، اور اس کی وجہ بھی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ ان میں مفید اضافی معلومات موجود ہیں، یا ان اقتباسات میں اس قدر دلکش انداز سے بحث کی گئی ہے کہ ان میں سے کسی کو ترجیحاً درج کرنا اور دوسرے کو ترک کر دینا بہت دشوار محسوس ہوا ہے۔

یہ کتاب دراصل ایک مقالہ ہے جو کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم عمومی گرامی قدر جناب شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ کی دعوت (بمطابق خطاب رقم: 04/343/A.A.C./، مورخہ ۷ نومبر ۲۰۰۳ء) پر پا کوڑ (جھارکھنڈ) میں منعقد ہونے والی جمعیت کی ”اٹھائیسویں کل ہند سالانہ کانفرنس نیز بین الاقوامی فقہی سیمینار“ منعقدہ ۱۳، ۱۴، ۱۵ مارچ ۲۰۰۴ء میں پیش کرنے کے لئے تیار کیا گیا تھا، مگر شدید خواہش کے باوجود بعض ناگزیر عوارض پیش آ جانے کے باعث مذکورہ فقہی سیمینار میں پیش نہ کیا جاسکا تھا، اور اب اس کتاب کی صورت میں آپ کے زیر مطالعہ ہے۔

اپنی شریک حیات سلفی پروین کا مسجد مشکور ہوں جنہوں نے نہ صرف یہ کہ اس کتاب کے لئے مراجع و مصادر کی تلاش میں تعاون فرمایا، اور پھر اس کتاب کے مسودہ کے مراجعہ کے لئے بھی اپنا قیمتی وقت صرف کیا، بلکہ اس کی ترتیب کے دوران جب جب بھی راقم کی ہمت نے جواب دیا وہ ہمت کی ایک ناقابلِ تخییر پہاڑ اور صبر دلانے کی لازوال پیکر ثابت ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے وقت، علم، عمل اور صحت میں برکت عطا کرے، اور انہیں اس تعاون علی الخیر کا بہتر صلہ عطا فرمائے، آمین۔

میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعاء کرتا ہوں کہ وہ ہمیں اپنے دین کی سمجھ عطاء فرمائے، ہمیں وہ چیز سکھائے جو ہمیں نفع پہنچا سکتی ہو، ہمیں اس علم سے نفع پہنچائے جو ہم نے حاصل کیا ہے، ہمیں بھلائی کا راستہ دکھائے اور ہمیں اپنے نفوس کے شر سے محفوظ رکھے، واللہ خیر حافظا، و ہو ارحم الراحمین۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد، و علی آلہ و صحبہ وسلم۔

و کتبہ

غازی عَزِیز

ہلال اور رویتِ ہلال - اسلام، علومِ فلکیات، ہیئت اور جغرافیہ کی روشنی میں

اجرامِ فلکی (Celestial Bodies) میں سورج اور چاند کی بنیادی حیثیت: علمِ ہیئت کی روئے بعض کواکب ایسے ہیں جو کہ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں، ایسے کواکب کو سیارے (Planets) کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں سورج اور چاند کو گردش کرنے والے سیاروں میں شمار کیا گیا ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾ [۱] (ترجمہ: وہی ہے جس نے رات اور دن، اور سورج اور چاند کو پیدا کیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں تیرتے پھرتے (یعنی رواں دواں ہیں)، بعض دوسری آیات میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾ [۲] (ترجمہ: نہ آفتاب کی یہ مجال ہے کہ چاند کو پکڑے، اور نہ رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے، اور سب کے سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں)، ﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلَّ يَجْعَرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ [۳] (ترجمہ: اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے، ہر ایک میعادِ معین تک گشت کر رہا ہے)، ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ذَاتَيْنِ﴾ [۴] (ترجمہ: اس نے تمہارے لئے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا ہے کہ برابر ہی چل رہے ہیں) اور ﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلَّ يَجْعَرِي إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ [۵] (ترجمہ: سورج اور چاند کو اس نے مسخر کر رکھا ہے کہ ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے)

ہمارے نظامِ شمسی (Solar System) سے تعلق رکھنے والی کہکشاں (Milkyway Galaxy) کے ستاروں کے جھرمٹ (Constellation) میں سات

[۱]- الانبیاء: ۳۳ [۲]- یس: ۴۰ [۳]- الزمر: ۵، فاطر: ۱۳

[۴]- ابراہیم: ۳۳ [۵]- لقمان: ۲۹

مشہور کواکب زحل (Saturn)، مشتری (Jupiter)، مریخ (Mars)، زہرہ (Venus)، عطارد (Mercury)، چاند (Moon) اور سورج (Sun) ہیں۔ ان کے علاوہ زمین (Earth)، Uranus، Neptune اور Pluto بھی سورج کے گرد مدار میں گردش کرنے والے اجرام سماوی شمار کئے جاتے ہیں، اور ان سب میں سورج مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ سورج اور چاند کے ماسو باقی کواکب کو عربی میں ”خُنُس“ کہا جاتا ہے، جس کے معنی پیچھے ہٹنا ہیں۔ یعنی یہ کواکب دن کے وقت نظروں سے اوجھل ہو جاتے یا منظر سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ بعض علماء نے ”خُنُس“ سے مراد یہ ساتوں کواکب بتائے ہیں، کیونکہ یہ سب ہی غائب ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ عزوجل ان کواکب کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿فَلَا أَفِئِسُ بِالْخُنُوسِ﴾ [۱] (ترجمہ: میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے، چلنے پھرنے والے ستاروں کی) اس آیت میں ”الْجَوَارِ“ سے مراد چلنے والے اور ”الْکُنُوسِ“ سے مراد چھپ جانے والے کواکب ہیں۔

چاند کی ساخت اور اس کی بعض اہم خصوصیات: قدیم زمانوں میں چاند کے مختلف مظاہر کو مذہبی اعتبار سے بہت اہمیت حاصل تھی۔ [۲] اس لئے اس کی حرکات اور گردش بیشمار مشاہدات اور خصوصی توجہ کا مرکز رہی ہے۔ بابلیوں (Babylonians) نے سورج اور چاند گہروں کو پیشگی معلوم کرنے کے لئے ایک عددی طریقہ ایجاد کیا تھا۔ یونانی ماہرین فلکیات دوسری صدی قبل مسیح میں چاند کے مدار کا پتہ لگایا تھا۔ [۳] ابتدائی معاشروں میں سے جو لوگ شکار پر گزر بسر کیا کرتے تھے وہ چاند کو عام طور پر مذکر تصور کرتے تھے، جب کہ ان کے بعد جو تہذیبیں آئیں، اور ان کا انحصار کاشتکاری پر تھا، وہ چاند کو مؤنث قرار دیتی تھیں۔ [۴]

برطانوی موسوعہ کے مرتب لکھتے ہیں کہ: ”کرہ ارض کا یہ تہاء قدرتی سیارہ ہے جو اس کے گرد مغرب سے مشرق کی جانب اوسطاً تقریباً ۳۸۴۴۰۰ کلومیٹر (یعنی ۲۳۹۹۰۰ میل) کی مسافت طے کرتا ہے۔ سائز کے اعتبار سے یہ کرہ ارض کے مقابلہ میں ایک تہائی سے بھی کم ہے۔ قمری استواء پر اس کا قطر تقریباً ۳۴۷۶ کلومیٹر (یعنی ۲۱۶۰ میل) ہے۔ زمین کے مقابلہ میں چاند

[۱] - التکویر: ۱۵-۱۶ [۲] - انظر انسا نکلویڈ یا رینیکا ۲۳/۲۴، ۳۰۰/۲۵۸

[۳] - انظر انسا نکلویڈ یا رینیکا ۲۷/۲۸، ۵۳۵ [۴] - انظر انسا نکلویڈ یا رینیکا ۲۴/۲۴، ۳۰۰

کا وزن ایک پٹہ ۸۱,۳۰۰ (یعنی ۰.۱۲۳۰۰)، اور اس کا ثقل ۳۳۴ گرام فی مکعب سینٹی میٹر ہے۔ [۱]

گلیلیو (Galileo) کے زمانہ، یعنی ۱۶۰۹ء سے ہی چاند مسلسل دور بینی مشاہدات کا موضوع بنا رہا ہے۔ ابتداء میں اس کے تاریک رقبہ کو سمندر تصور کیا جاتا تھا، لیکن بعد میں منکشف ہوا کہ چاند کی سطح پر پانی قطعاً معدوم ہے۔ چاند کی سطح پر سب سے زیادہ قابل ملاحظہ بناوٹ آتش فشانی کھائیوں (Craters) کی ہے، جو صمیمہ کی شکل (۳۲) میں دکھائی گئی ہیں۔ یہ مظاہر جو ۲۰۰ کلومیٹر کے قطر تک وسیع ہیں چاند کی سطح پر وافر تعداد میں جا بجا پھیلے ہوئے ہیں، اور کبھی کبھی تو یہ ایک دوسرے میں ضم بھی ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ چھوٹی کھائیاں ایک کلومیٹر کے قطر تک پھیلی ہوئی ہیں۔ گمان کیا جاتا ہے کہ تیز رفتار شہابی رجم (Meteorites) کے باعث یہ کھائیاں وجود میں آئی ہیں، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ آتش فشانی حرکات (Volcanic Activity) کے باعث یہ کھائیاں بنی ہوں۔ چاند کا سیاہ رقبہ میں جو Maria کہلاتا ہے، یہ کھائیاں نسبتاً کم پائی جاتی ہیں۔ گہری خندقیں (Rille) چاند کی سطح کی دوسری اہم جغرافیائی ساخت یا خصوصیت (Topographic Feature) کا منظر ہیں جو کئی سو کلومیٹر لمبائی تک پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ خندقیں Maria اور Craters کے گرد موجود پہاڑی سلسلوں میں گرد پ کی شکل میں موجود ہیں۔ [۲]

ان کھائیوں اور خندقوں کے متعلق برطانوی موسومہ کے مرتب لکھتے ہیں کہ: ”بعض قمری آتش فشانی کھائیاں قطر میں ۱۰۰ کلومیٹر پر محیط ہیں۔ اگر موسمی کوائف مناسب ہوں تو زمین سے ان کو دور مانی درجہ کی دوربینوں سے دیکھا جاسکتا ہے۔ بڑی کھائیوں کا سلسلہ ۱۰۰۰ کلومیٹر تک بھی طویل پایا گیا ہے۔ ان کھائیوں میں مختلف مظاہر قدرت موجود ہیں، مثلاً چٹانیں، تودے اور اونچے اونچے ڈھیر وغیرہ۔ ایک کھائی، جس کا نام Alphonus ہے، اس کا قطر ۱۱ کلومیٹر ہے۔ جو کھائیاں خندقوں کے اندر واقع ہیں ان کی اندرونی سطح سیاہ اور خالی ہے۔ کچھ قمری خندقوں کی لمبائی چند سو کلومیٹر تک، اور چوڑائی صرف چند کلومیٹر تک دیکھی گئی ہے۔“ [۳]

[۲]۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا ۲۳/۲۹۹

[۱]۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا ۲۳/۲۹۹

[۳]۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا ۲۳/۵۳۸

بعض دیگر مقامات پر یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ: ”سب سے بڑی خندق پانچ کلومیٹر چوڑی، چند سو کلومیٹر لمبی اور کئی سو میٹر گہری پائی گئی ہے۔“ [۱] اور ”چاند کے قریبی علاقہ میں بہت ساری بڑی بڑی کھائیاں موجود ہیں، جو جغرافیائی خصوصیات کے اعتبار سے پست ہیں۔ جب کہ چاند کا وہ علاقہ جو بعید ہے اس میں پہاڑوں کی کثرت ہے۔ یہ پہاڑ اپنی سطح سے ۴-۵ کلومیٹر تک بلند ہیں۔ جن پیالہ نما کھائیوں کا قطر ۲۰ کلومیٹر سے کم ہے، ان کی اندرونی سطح تاریک ہے۔ یہ کھائیاں زیادہ سے زیادہ ۳ کلومیٹر گہری ہیں، اور ان کا اندرونی نشیب ۵۰ درجات اور منہ کے قریب خارجی دائرہ ۲۰ درجات ہے۔“ [۲]

اسی طرح ایک مقام پر مزید یہ بھی مذکور ہے کہ: ”چاند کی سطح پر سورج کی روشنی کے انتشار (Scattering) و تنویر (Illumination) کی شدت نیز انعکاس کے مختلف زاویوں سے ثابت ہوتا ہے کہ چاند کی سطح بالکل ہموار نہیں ہے۔ چاند کی سطح پر موجود پہاڑ (Lunarite) اور کھائیوں اور خندقوں (Maria یا Lunabase) سے منتشر ہونے والی روشنی کی شدت میں جو فرق ہوتا ہے وہ بھی اس کی سطح کے غیر ہموار ہونے کی دلیل ہے۔“ [۳]

جہاں تک چاند کا تعلق ہے تو فی نفسہ یہ ایک بالکل تاریک اور ٹھوس کرہ (Sphere) کی مانند ہے۔ اس کی اپنی کوئی روشنی نہیں ہوتی، بلکہ یہ فقط سورج کی اس روشنی کو منعکس (Reflect) کرتا ہے جو کہ اس کی سطح پر پڑتی ہے۔ زمین کی سمت سے دیکھنے پر جب سورج چاند کی مخالف سمت میں ہوتا ہے تو چاند کا جو حصہ زمین کی طرف پڑتا ہے وہ بالکل تاریک ہوتا ہے۔ اس دوران سورج کی جو روشنی چاند کی سطح پر پڑتی ہے وہ سورج کی طرف ہی منعکس ہو جاتی ہے۔ اس طرح ہم ہر قمری ماہ میں تقریباً ۳۶ گھنٹے چاند نہیں دیکھ پاتے ہیں۔ اس کا سائناتی حقیقت کو ضمیمہ میں پیش کی گئی شکل (۴) کی مدد سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ زمین سے مختلف اوقات اور مختلف مقامات سے چاند کی مکمل سطح کا زاویہ از نصف (یعنی زیادہ سے زیادہ ۵۹ فیصد) حصہ ہی ہم دیکھ پاتے ہیں، جو کہ تقریباً اس کی ایک جہت ہی کے مساوی ہوتا ہے۔ [۴]

واضح رہے کہ برطانوی موسوعہ کے مرتب نے زمین سے چاند کی نظر آنے والی سطح کی

[۱]۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹیکا ۵۴۳/۲۷

[۲]۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹیکا ۵۴۳/۲۷

[۳]۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹیکا ۵۴۳/۲۷ [۴]۔ ماخذ: انٹرنیٹ

مقدار نسبتاً کم ذکر کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ: ”زمین کی سطح سے نہایت صبر کے ساتھ چاند کی سطح کا مشاہدہ کرنے والا شخص اس کا صرف تقریباً ۵۷ فیصد حصہ ہی دیکھ سکتا ہے۔“ [۱]

جہاں تک انعکاس کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں ماہرین فلکیات کا خیال یہ ہے کہ سورج کی جو روشنی چاند کی سطح پر پڑتی ہے اس کا صرف ایک جزء (۰.۰۷۳) ہی منعکس ہو پاتا ہے۔ اس کی چمک (Brightness) اس کے دور کی منازل میں بڑھتی گھٹتی رہتی ہے۔ [۲] نیز یہ کہ ”چاند کی سطح پر پائی جانے والی کھائیاں اور خندقیں پہاڑوں کے مقابلہ میں اوسطاً ۳۰ فیصد زیادہ روشنی منعکس کرتی ہیں۔“ [۳]

اور بقول مرتب برطانوی موسوعہ: ”چاند اپنی سطح پر پڑنے والی پوری روشنی کا دسویں سے بھی کم حصہ ہی منعکس کرتا ہے۔ مختلف منازل میں چاند کی ضوئی قوت اس کی سطح کے غیر ہموار ہونے کے باعث بدلتی رہتی ہے۔ چاند کے سطح غیر ہموار ہونے کی وجہ سے جو بیشمار عکس اس پر پڑتے ہیں وہ اس کی ضوئی قوت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ جب چاند مکمل ہو، یعنی سورج - زمین - چاند ایک ہی خط پر واقع ہوں، تو چاند کی چمک اس کے پہلے ہفتہ کی منزل کے مقابلہ میں دس گنا زیادہ ہوتی ہے۔“ [۴]

ضمیمہ میں پیش کی گئی شکل (۴) میں دکھایا گیا ہے کہ زمین اپنے محور (Axis) پر گھومنے کے ساتھ سورج کے گرد اپنے بیضوی مدار (Elliptical Orbit) میں گردش کرتی ہے۔ اور اسی طرح چاند بھی زمین کے گرد اپنے بیضوی مدار میں گردش کرتا ہے۔ نئے چاند کی ولادت اس وقت ہوتی ہے جب کہ سورج، چاند اور زمین ایک ہی خط پر آ جاتے ہیں۔ لہذا سورج کی جو روشنی چاند کی سطح پر پڑتی ہے وہ زمین تک نہیں پہنچ پاتی، نتیجہ اس وقت چاند غیر مرئی ہوتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ چاند اس خط سے دور ہوتا جاتا ہے، اور تقریباً ۱۸ تا ۲۳ گھنٹے بعد اس مخصوص مقام یا زاویہ پر پہنچ جاتا ہے جہاں سے وہ ہلالی شکل میں نظر آتا ہے۔ [۵]

میں کہتا ہوں کہ یہاں ”چاند کی ولادت“ سے مراد یہ نہیں ہے کہ ایک نیا چاند پیدا ہو جاتا ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہی چاند نئے ماہ کی ابتداء کے لئے اپنے نئے دور کو شروع [۱]۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹیکا ۵۳۲/۲۷ [۲]۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹیکا ۵۳۷/۲۷ [۳]۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹیکا ۵۳۲/۲۷ [۴]۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹیکا ۵۳۲/۲۷ [۵]۔ ماخذ: انٹرنیٹ

کرتا ہے۔ جہاں تک چاند کے اپنے بیضوی مدار میں ایک مخصوص اور معلوم ضابطہ کے تحت گردش کرنے کا تعلق ہے تو اس بارے میں پائی جانے والی بعض بے ضابطگیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے برطانوی موسومہ کے مرتب لکھتے ہیں کہ: ”چاند کی گردش میں تھوڑی سی بے ضابطگیاں (Irregularities) بھی دیکھی گئی ہے۔“ [۱]

ماہرین فن بتاتے ہیں کہ چاند اپنے بیضوی مدار میں ۵.۱۵ درجہ مائل (جھکا ہوا) ہے [۲]، جب کہ یہ مدار بذاتِ خود ۶.۷ درجہ مائل بتایا جاتا ہے، اور چاند کا استوائی خط اس کے بیضوی مدار میں ۱.۵ درجہ مائل مانا گیا ہے۔ [۳]

چاند اور زمین کے اپنے اپنے محوروں پر گھومنے کے متعلق یہ بات معروف ہے کہ ان دونوں کا محوری دوران (Axial Rotation) گھڑی کی سوئیوں کی معاکس جہت (Counter Clockwise) میں ہوتا ہے۔ زمین کے مغرب سے مشرق کی طرف گھومنے اور چاند کے اپنے مدار میں گردش کرنے کے باعث چاند ہر دن تقریباً ۵۰ منٹ تاخیر سے طلوع ہوتا ہے۔ [۴]

Perigee کے دوران، یعنی جب چاند اپنے مدار میں زمین سے قریب ہوتا ہے، تو اس کی رفتار تیز ہوتی ہے۔ اور Apogee کے دوران، یعنی جب وہ زمین سے دور ہوتا ہے، تو اس کی رفتار سست ہو جاتی ہے۔ اس دوران یہ تقریباً ۱.۰۲ کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے چلتا ہے۔ چاند کی رفتار میں واقع ہونے والی اس کمی و بیشی کی وجہ سے زمین سے اسے دیکھنے پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا چاند آگے پیچھے ہل جھول رہا (Oscillate کر رہا) ہے۔ چاند کے ان ظاہری Oscillations کو ہیئت کی مصطلح میں Optical Librations کہتے ہیں۔ اگر چاند کو مرکز میں رکھیں تو طول میں اس مرکز سے یہ ۸ درجہ اور عرض میں ۶.۸ درجہ زاویائی عزل (Angular Displacement) کرتا ہے۔ [۵]

چاند اور ہلال کے مابین فرق: ”ہلال“ (یا نیا قافلہ دید چاند یا Crescent) دراصل قمر کی

[۱]۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹیکا ۵۳۶/۲۷	[۲]۔ انظر انسائیکلو پیڈیا بریٹیکا ۵۳۴/۲۷	[۳]۔ انظر
انسائیکلو پیڈیا بریٹیکا ۵۳۸/۲۷	[۴]۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹیکا ۵۳۴/۲۷	[۵]۔ انظر
انسائیکلو پیڈیا بریٹیکا ۵۳۴/۲۷		

ایک مخصوص حالت ہے۔ ہلال ”اہلۃ“ کا واحد ہے۔ پہلی، دوسری اور تیسری شب کے چاند کو ”ہلال“ کہا جاتا ہے۔ ابو الہیثم کا قول ہے کہ مہینہ کی آخری دوراتوں میں نظر آنے والے چاند کو بھی ہلال کہا جاتا ہے۔ مہینہ کے باقی ایام میں جو چاند نظر آتا ہے وہ ہلال نہیں بلکہ ”قمر“ یا چاند کہلاتا ہے۔

مشہور لغوی علامہ ازہری کا قول ہے کہ: ”مہینہ کے شروع میں دوراتوں کے قمر کا نام ہلال ہے۔ اسی طرح چھبیسویں اور ستائیسویں راتوں کا قمر بھی ہلال کہلاتا ہے، اور ان کے مابین کا چاند قمر کہلاتا ہے“، جب کہ علامہ جوہری کا قول ہے کہ: ”مہینہ کے شروع کی تین راتوں کا چاند ہلال ہے، پھر اس کے بعد یہ قمر ہوتا ہے“۔ [۱]

”ہلال“ کو ہلال اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے نظر آنے پر لوگ بغرض اطلاع آوازیں بلند کرتے ہیں۔ لفظ ”ہلال“ یا ”استہلال“ کا لغوی معنی آواز بلند کرنا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: ”اِسْتَهَلَّ الصَّبِيُّ حِينَ يُولَدُ“ (ترجمہ: یعنی پیدائش کے وقت بچہ نے آواز بلند کی)۔ ساتھ الشیخ عبداللہ بن محمد بن حمید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”اہل عرب کے کلام میں کبھی ہلال کا لفظ مہینہ کے لئے بھی بولا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے اہل الهلال واستہل (ترجمہ: ہلال یا نیا چاند نظر آیا)، اور اہلناہ واستہلناہ“ (ترجمہ: ہم نے ہلال یا نیا چاند دیکھا)۔ عام اہل لغت کا یہی قول ہے۔ شمر نے کا قول ہے کہ استہل الهلال، بھی بولا جاتا ہے، اور شاعر کا یہ شعر بطور استدلال پیش کیا ہے: ”وشہر مستہل بعد شہر وحول بعده حول جدید“ (ترجمہ: نیا مہینہ مہینہ کے بعد آتا ہے، اور سال کے بعد نیا سال آتا ہے)۔ اور استہل، بمعنی تبیین (ترجمہ: روشن اور ظاہر) بھی آتا ہے، اور اہل نہیں بولا جاتا۔ اور اہلناہ عن لیلۃ کذا، بھی بولا جاتا ہے“۔ [۲]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے متعدد مقامات پر مختلف پیرایہ سے، اور متعدد مثالوں کے ساتھ، ہلال کی تعریف بیان کی ہے، چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ: ”ہلال کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ آیا اس اسم کا اطلاق محض آسمان میں اس (نئے چاند) کے طلوع

[۱]۔ کذا فی شرح الزرقانی علی الموطا ۱۵۳/۲ [۲]۔ کذا فی تبیان الأدلۃ فی اثبات الاہلۃ ص ۹۸ نقلًا عن البحر المحیط

ہونے پر ہوگا، خواہ اسے کسی نے دیکھا نہ ہو؟ یا اس وقت تک اسے ہلال نہیں کہا جاسکتا ہے جب تک کہ لوگ اس کا یہ آواز بلند اعلان نہ کریں، اور اس کا طلوع ہونا جان نہ لیں۔ اس بارے میں امام احمد وغیرہ کے مذہب میں دو قول ملتے ہیں۔ [۱]

آں رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ: ”ہلال ظہور اور رفع الصوت سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ اگر آسمان میں اس کا طلوع ہونا زمین پر ظاہر نہ ہو تو اس پر ہلال ہونے کا حکم لاگو نہ ہوگا، نہ ظاہری طور پر اور نہ ہی باطنی طور پر۔ ہلال وہ اسم ہے جو آدمیوں کے فعل سے مشتق ہے، کہا جاتا ہے: ”اہلنا الهلال و استہللناہ“ (ترجمہ: ہم نے ہلال یا نیا چاند دیکھا)۔ لہذا جب تک آواز بلند نہ کی جائے، وہ ہلال ہی نہیں ہے۔ اگر ایک یا دو لوگ آوازیں بلند کریں، مگر کسی کو اس کی خبر نہ ہو پائے، تو بھی یہ ہلال نہیں کہلائے گا، اور جب تک لوگوں کو اس کی خبر نہ ہو اس کا حکم ثابت نہ ہوگا۔ پس لوگوں کا اس سے باخبر ہونا ہی ’اہلال‘ ہے، یعنی یہ آواز بلند اس کی خبر دینا۔ کیونکہ شرعی احکام علم کے تابع ہیں، لہذا اگر اس کا علم نہ ہو پائے تو روزہ بھی واجب نہ ہوگا۔“ [۲]

شیخ الاسلام رحمہ اللہ آگے چل کر مزید فرماتے ہیں کہ: ”اہلۃ کے علم کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿هِيَ مَوَاقِيتٌ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ [۳] (ترجمہ: یہ لوگوں (کی عبادت) کے وقتوں، اور حج کے موسم (جاننے) کے لئے ہے)، یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اس سے مراد اس کا بصری یا سمعی علم ہے۔ اسی لئے امام شافعیؒ، اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ اس طرف گئے ہیں کہ: اگر آسمان صاف ہو، اور کسی فرد واحد کو بھی رویت حاصل نہ ہو، تو ہلال کے بارے میں شک کی نفی ہو جانے کے باعث یہ یوم شک نہیں ہے، اگرچہ اس کے طلوع کے بارے میں شک واقع ہی ہو۔ اس کی دو حیثیتیں ہیں۔ اول: ہلال ’فعال‘ کے وزن پر ہے۔ جب کوئی کام کیا جائے۔ اس کی مثالیں اہل عرب کے کلام میں معروف ہیں، جیسے کہ الا زار: لما يؤتزر به، الرداء: لما يرتدى به، الركاب: لما يركب به، الوعاء: لما يوعى فيه وبه، السداد: لما تسمد به الأرض، العصاب: لما يعصب به، اور السداد: لما يسد به۔ یہ چیز مختلف اسماء کے ساتھ بکثرت مستعمل ہے۔ پس ہلال اس فعل کا اسم ہے جب کہ اس کی

آواز بلند کی جائے، یا اس کے متعلق پکارا جائے، اور اس کا ادراک صرف بصارت اور سماعت کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے۔ ایک عرب شاعر کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے: 'یہل بالفرقد ركبناہا --- کما یہل الراكب المعتمر'، یعنی وہ بھی پتھروں کے ساتھ آوازیں نکالتے ہیں، چنانچہ شاعر نے ان کو 'مہلین' بہ، کہا ہے۔ اسی سے ہلال نام پڑا ہے۔ اور اسی سے یہ ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے: ﴿وَمَا أَهْلٌ بِهِ لَعِبٍ لِّلَّهِ﴾ [۱] (ترجمہ: اور ہر وہ چیز (حرام ہے) جس پر اللہ کے سوا دوسروں کا نام پکارا گیا ہو)، یعنی وہ غیر اللہ کا نام پکارتے ہیں، خواہ ان کا پکارنا بلند آواز کے ساتھ ہو، یا پست آواز کے ساتھ۔ پس جو وہ بولتے یا کہتے یا پکارتے ہیں، وہ غیر اللہ کے لئے ہوتا ہے۔ دوم: اس کو لوگوں کے موافقت (یعنی اوقات کو جاننے کا ذریعہ) بنایا ہے۔ یہ ان کے لئے اس وقت تک موافقت نہیں ہو سکتا جب تک کہ انہیں بصارت یا سماعت کے ذریعہ اس کا ادراک نہ ہو۔ اگر اس کے ادراک کی نفی ہو جائے تو توفیق کی بھی نفی ہوگی، اور یہ اہلۃ نہ ہوگا۔ جس کی جہت سے اس کا ضبط ممکن ہونا ہی اس کی غایت ہے۔ اگر حساب کی مدد سے اس کے طلوع کی جگہ منضبط کی جائے تو اصلانہ صحیح نہیں ہے۔ [۲]

ایک اور مقام پر امام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "ہلال امر مشہود ہے جو کہ نگاہوں سے دکھائی دیتا ہے، اور جو چیز نگاہوں سے دکھائی دے وہ معلومات میں سے صحیح تر ہوتی ہے۔ اسی لئے اس کا نام ہلال ہے، کیونکہ یہ مادہ ظہور اور بیان پر دلالت کرتا ہے، خواہ سعی طور پر ہو یا بصری طور پر، جیسے کہ عمرہ کی نیت پکارتے وقت کہا جاتا ہے: 'اہل بالعمرة'، قربانی کرتے وقت اگر غیر اللہ کا نام زور سے پکارا جائے تو کہتے ہیں: 'اہل بالذبیحة لغير الله'، زور دار آواز کے ساتھ ہونے والی بارش کو 'المطر الہلہل' کہا جاتا ہے، اگر پیدائش کے وقت اگر بچہ چلائے تو کہتے ہیں: 'استهل الجنین'، اسی طرح اگر کسی کا چہرہ پر نور اور روشن ہو تو اسے بھی 'تہلل وجہہ' کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ: اس لفظ کی اصل آواز بلند کرنا ہے۔ اس لئے جب اسے دیکھ کر لوگ اپنی آوازیں بلند کیا کرتے تھے تو اس کا نام ہلال پڑ گیا۔ اسی سے کسی شاعر کا یہ شعر بھی ہے: 'یہل بالفرقد ركبناہا کما یہل الراكب المعتمر' اور 'تہلل الوجہ'۔

ہلال کے پُر نور ہونے سے مأخوذ ہے۔“ [۱]

آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ: ”ہلال اس چیز کا اسم ہے جس کے لئے کہ آواز بلند کی جائے: یعنی جس کا اعلان کیا جائے، اور جس کے بارے میں بلند آواز سے پکارا جائے۔ پس اگر آسمان میں یہ طلوع ہو، مگر لوگ اسے نہ جان پائیں، اور نہ ہی زور زور سے اس کا اعلان کریں، تو یہ ہلال نہیں ہوگا۔ اسی طرح لفظ 'الشہر' (یعنی مہینہ) 'الشہرہ' (یعنی شہرت) سے مأخوذ ہے۔ پس اگر لوگوں کے درمیان اس کی شہرت نہ ہو، تو یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ مہینہ شروع ہو چکا ہے۔ اکثر لوگ ان جیسے مسائل میں اس گمان کی بناء پر غلطی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ جب یہ آسمان میں طلوع ہو جائے تو وہ رات مہینہ کی پہلی رات ہوتی ہے، خواہ اس کا طلوع ہونا لوگوں پر ظاہر ہو یا نہ ہو، یا وہ اس کا اعلان کریں یا نہ کریں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ لوگوں پر اس کا ظہور، اور ان کا اس بارے میں اعلان عام کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: 'صومکم یوم تصومون، وفطركم یوم تفطرون، وأضحاکم یوم تضحون'۔ (ترجمہ: تمہارا روزہ اسی دن ہے جب تم سب روزہ رکھتے ہو، تمہارا افطار (عید) اسی دن ہے جب تم سب افطار کرتے (عید مناتے) ہو، اور تمہاری قربانی اسی دن ہے جب تم سب قربانی کرتے ہو) یعنی وہ دن جس کے بارے میں تم جان لو کہ یہ روزہ رکھنے، عید منانے اور قربانی کرنے کے اوقات ہیں۔ اگر تم ان اوقات کو نہ جان سکو تو تم پر ان چیزوں کا حکم لاگو نہیں ہوتا ہے، الخ۔“ [۲]

اس بارے میں شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے بعض دوسرے اقوال کا تذکرہ ان شاء اللہ تعالیٰ طور پر آگے 'اُس شخص کا حکم جس نے تہاء ہلال دیکھا، مگر اس کی شہادت قبول نہ کی گئی ہو' کے زیر عنوان بھی آئے گا، وبالله التوفیق۔

اور علامہ عبدالرحمن محدث مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”چاند کا وہ ابتدائی مرحلہ جو پہلی، دوسری اور تیسری شب میں نظر آتا ہے ہلال کہلاتا ہے، پھر اسے قمر کہتے ہیں۔ ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ: ہمارے علماء میں سے بعض محققین کا قول ہے کہ: 'ہلال' میں اصل رفع الصوت،

یعنی آواز بلند کرنا ہے۔ اسی سے یہ لفظ رویتِ ہلال کی طرف منتقل ہوا ہے، کیونکہ جب لوگ نئے چاند کو دیکھتے تو اس کی خبر دینے کے لئے اپنی آوازیں بلند کرتے تھے، اسی وجہ سے ہلال ہلال کہلایا۔ [۱]

علامہ محمد زرقانی مؤطا امام مالک کے ترجمہ الباب ”العمل فی الاہلال“ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: ”هو رفع الصوت (بالتلبية)، وكل رافع صوته بشيء فهو بمنزلة به“۔ [۲]

آگے چل کر علامہ رحمہ اللہ ایک اور ترجمہ الباب ”رفع الصوت بالاہلال“ کی شرح میں مزید لکھتے ہیں: ”(أي التلبية، وهو قول عياض)، هو رفع الصوت (بالتلبية)، تعقب بأنه لا يلتزم حينئذ قوله: بالاہلال مع قوله: رفع الصوت، قال عياض: واستهل المولود رفع صوته، وكل شيء ارتفع صوته فقد استهل، وبه سمي الهلال لأن الناس يرفعون أصواتهم بالأخبار عنه، واستبعده ابن المنير لأن العرب ما كانت تعنى بالأهلة لأنها لا تؤرخ بها، والهلال يسمى بذلك قبل العناية بالتاريخ، وبأن جعل الاہلال مأخوذاً من الهلال أولى لقاعدة تصريفية، وهي أنه إذا تعارض الأمر في اللفظين أيهما أخذ من الآخر جعلت الألفاظ المتناولة للذات أصلاً للألفاظ المتناولة للمعاني، والهلال ذات فهو الأصل، والاہلال معنی يتعلق به فهو الفرع، انتهى“۔ [۳]

منازل قمر: چاند ہر دن بتدریج بڑا اور چھوٹا ہوتا رہتا ہے، اور یہی اس کی منازل (Phases) کہلاتی ہیں۔ ان منزلوں سے مراد چاند کی وہ مسافت ہے جو ایک دن اور ایک رات میں وہ اپنی مخصوص رفتار کے ساتھ مخصوص سمت میں طے کرتا ہے۔ چاند اپنی ان منازل کا ایک چکر (Cycle) ایک قمری ماہ (Lunar Month) میں پورا کرتا ہے، اور اس دوران یہ کل اٹھائیس منزلیں طے کرتا ہے۔ اس طرح ایک سال میں چاند اپنے بارہ چکر پورے کرتا ہے۔ مہینہ کی ابتدائی تاریخوں (یا ابتدائی منزلوں) میں چاند نسبتاً باریک اور چھوٹا ہوتا ہے، اور اس کی

[۱]۔ تحفة الأحوذی ۲۳۵/۳ [۲]۔ شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالک ۲۳۲/۲

[۳]۔ شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالک ۲۳۸/۲

روشنی بھی قدرے کم ہوتی ہے۔ پھر بتدریج عریض اور بڑا ہوتا جاتا ہے، اور اس کی روشنی میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے، حتیٰ کہ جب وہ اپنی چودھویں منزل پر پہنچتا ہے تو پورا ہو جاتا ہے۔ اس وقت اسے ”بدر“ یا چودھویں کا چاند (Full Moon) کہتے ہیں۔ ضمیمہ میں شکل (۱) چودھویں کے ایسے ہی چاند کی عکاسی کرتی ہے۔ اس کے بعد چاند پھر بتدریج گھٹنا شروع ہوتا ہے، حتیٰ کہ مہینہ کی آخری تاریخوں میں کھجور کی ایک پرانی ٹہنی کی طرح بالکل باریک اور چھوٹا ہو جاتا ہے۔ اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالْقَمَرَ قَدَرْنَا مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ﴾ [۱] (ترجمہ: اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کر رکھی ہیں، یہاں تک کہ وہ لوٹ کر (کھجور کی) پرانی ٹہنی جیسا ہو جاتا ہے)، پھر ایک دورا میں یہ نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔

ماہرین فلکیات بیان کرتے ہیں کہ: اس دوران چاند سورج کی شعاعوں کو زمین کی طرف منعکس کرنے کے لئے مطلوبہ کم از کم زاویائی بعد (Angular Separation) یا (Elongation) یا روشنی کے قوس (Arc of Light) پر نہیں ہوتا، اس لئے اس دوران چاند زمینی سطح سے نظر نہیں آتا۔ مہینہ کے باقی دنوں میں چاند سورج سے مختلف زاویائی درجات (Degrees) پر ہوتا ہے، اور انہی زاویائی درجات کے مطابق اس کے قابل دید حجم میں کمی و بیشی نظر آتی ہے، اور اس طرح ہم اس کی ان مختلف منزلوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ [۲]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ چاند کی منازل کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”کہا جاتا ہے کہ اگر چاند اٹھائیسویں شب کو نظر آجائے تو مہینہ پورا (یعنی تیس دن کا) ہوتا ہے، اور اگر اٹھائیسویں شب کو چاند نظر نہ آئے تو مہینہ ناقص (یعنی آنتیس دنوں کا) ہوتا ہے۔ اس قول کی بناء دو رات چاند کا مستور رہنا ہے، حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے۔ کبھی چاند صرف ایک رات ہی مستور رہتا ہے، اور کبھی تین راتیں بھی۔ علمائے فلکیات ایسا اس بناء پر کہتے ہیں کہ چاند ابتدائی چھ راتوں کی اپنی منازل میں بلا کم و بیش ایک گھنٹہ ہی رہتا یا نظر آتا ہے۔ پھر ساتویں رات کو نصف شب میں غائب ہو جاتا ہے۔ چودھویں شب میں چاند رات کی ابتداء سے آفتاب طلوع ہونے تک باقی رہتا ہے، اور اکیسویں رات کو یہ نصف شب میں طلوع ہوتا ہے۔ اگر

اٹھائیسویں شب میں چاند مستور رہے تو مہینہ ناقص، ورنہ مکمل ہوتا ہے۔ بیشتر حالات میں چاند کا پورا سفر یہی ہے۔ البتہ اپنی منزل کی طرف کبھی یہ تیز رفتار سے گامزن ہوتا ہے، تو کبھی سست رفتار سے۔“ [۱]

چاند کی ان منزلوں کے متعلق شیخ محمد بن صالح العثیمینؒ فرماتے ہیں کہ: ”چاند کی اٹھائیس منزلیں ہوتی ہیں، جن میں سے ہر رات چاند اپنی ایک منزل پوری کر لیتا ہے، اور ایک یا دو راتیں غائب یا چھپا رہتا ہے، اور نظر نہیں آتا۔ لہذا اٹھائیسویں اور انیسویں، یا انیسویں اور تیسویں راتوں کو لیلیٰ الاستسار کہتے ہیں، یعنی وہ راتیں جن میں چاند مستور رہتا ہے، اور نظر نہیں آتا۔“ [۲]

یہاں لائق ملاحظہ یہ امر ہے کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے لیلیٰ الاستسار کی تعداد کبھی ایک، کبھی دو اور کبھی تین راتیں بیان کی ہے [۳]، حالانکہ عوامیہ خیال کیا جاتا ہے کہ چاند دو راتیں ہی مستور رہتا ہے، جیسا کہ اوپر شیخ محمد صالح العثیمین رحمہ اللہ وغیرہ کے کلام میں گزر چکا ہے۔

منازل مقرر کر کے جانے کا بنیادی مقصد: چاند کی منازل اور رفتار سے مہینے اور سال بنتے ہیں جن سے لوگوں کو حساب اور تاریخیں معلوم کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں چاند کی ان منازل کو لوگوں کے لئے اوقات (اور تاریخیں) جاننے، اور حج کے موسم کی تعیین کا ذریعہ بتایا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهْلَةِ، قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ [۴] (ترجمہ: لوگ آپ سے ہلال کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ یہ لوگوں (کی عبادت) کے وقتوں، اور حج کے موسم کے لئے ہے)

ایک حدیث میں بھی ہلال کی ان منازل کو لوگوں کے لئے مواقیت بیان کیا گیا ہے، چنانچہ بطریق طلق بن علی مرفوعاً مروی ہے: ”ان الله عز وجل جعل هذه الأهلة مواقیت للناس، صوموا لرؤيته، وأفطروا لرؤيته، فإن غم عليكم، فأتوا العدة۔“ [۵]

[۱]۔ مجموع فتاویٰ ۱۸۳/۲۵ [۲]۔ الشرح الممتع علی زاد المستقنع ۳۳۷/۲

[۳]۔ مجموع فتاویٰ ۱۸۰/۲۵، ۱۸۳/۲۵ [۴]۔ البقرة: ۱۸۹ [۵]۔ أخرجه

أحمد ۲۳/۴ وابن عساکر فی "تاریخ دمشق" ۲۲/۱-۲۳ والدارقطنی ۱۲۳/۲، وقال: =

اس حدیث کی ایک قوی شاہد روایت بطریق عبدالعزیز بن ابی رواد عن نافع عن ابن عمر ان الفاظ کے ساتھ مرفوعاً مروی ہے: ”ان الله تبارك وتعالى جعل الأهله مواقیت، فاذا رأیتموه فصنموا، واذا رأیتموه فافطروا، فإن غم علیکم، فاقذروا له، وأتموه ثلاثین“۔ [۱] بعض دوسری روایات میں اس حدیث کے یہ الفاظ بھی ملتے ہیں: ”ان الله عز وجل جعل الأهله مواقیت للناس، فصوموا لرؤیته، وأفطروا لرؤیته، فإن غم علیکم، فعدوا ثلاثین“۔ [۲]

سورۃ البقرۃ کی مذکورہ بالا آیت کے شان نزول میں متعدد روایات ملتی ہیں، مثلاً ابن ابی حاتم نے العوفی عن ابن عباس کے طریق سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے ’اہلہ‘ کے بارے میں سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی تھی“۔ [۳]

ابن ابی حاتم ہی نے ابی العالیہ سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ: ”یہ خبر ہم تک پہنچی ہے کہ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا کہ ’اہلہ‘ کی تخلیق کیوں کی گئی ہے؟ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی“۔ [۴]

اور ابو نعیم نیز ابن عساکرؒ نے ”تاریخ دمشق“ میں بطریق السدی الصغیر عن الکسبی عن صالح عن ابن عباس روایت کی ہے کہ: ”دوانصاری صحابیوں، معاذ بن جبل اور ثعلبہ بن

= محمد بن جابر: سمعت هذا منه، وحديثين آخرين، محمد بن جابر ليس بالقوى، ضعيف؛ وقال الهيثمي في ”مجمع الزوائد“ ۱۳۵/۳: رواه أحمد والطبرانی في ”الكبير“ وفيه محمد بن جابر اليمامي، وهو صدوق، ولكنه ضاعت كتيبه، وقبل التلقين. وقال الألبانی فی الارواء ۷۳/۷: ورجاله موثقون الا محمد بن جابر، وهو الحنفی، كان قد ذهب كتيبه، فساه حفظه، وخلط كثيراً، وعمى فصار يلقي كما في ”التقريب“، والحديث عزاه السيوطی فی ”الجامع“ للطبرانی وحده فقصرنا ومن طريق الطبرانی أخرجه الدیلمی ۷۱۰/۲. وقلت: أورده الألبانی فی ”صحيح الجامع الصغير“ ۳۵۹/۱ (۱۷۳۹)، وسكت [۱]۔ رواه البيهقي والحاكم في ”مستدرکه“ ۳۲۳/۱، وقال: صحيح الاسناد، ولم يخبرناه؛ وأورده الألبانی فی ”الارواء“ ۹/۳، وسكت، ولكن قال: صحيح في ”صحيح الجامع الصغير“ ۵۹۴/۳ (۳۰۹۳) [۲]۔ رواه عبدالرزاق في ”مصنفه“ ۱۵۶/۳ [۳]۔ تفسير الطبري ۵۵۳/۳ واسباب النزول للسيوطي ص ۲۶ [۴]۔ تفسير ابن كثير ۲۲۵/۱ وتفسير القرطبي ۳۴۱/۲ واسباب النزول للسيوطي ص ۲۶-۲۷

عنمۃ، بنے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! جب ہلال نکلتا شروع ہوتا ہے تو دھاگے کی طرح بالکل باریک ہوتا ہے۔ پھر بڑھتا، بڑا ہوتا اور گول ہوتا جاتا ہے۔ پھر گھٹتا چلا جاتا ہے، حتیٰ کہ اپنی پہلی سی حالت پر لوٹ آتا ہے۔ (سورج کی طرح) ایک ہی حال پر (کیوں) قائم نہیں رہتا؟ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ [۱]

بلکہ ایک دوسری آیت میں تو یہ مقصد مزید صراحت کے ساتھ مذکور ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدْدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابِ﴾ [۲] (ترجمہ: وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا، اور چاند کو نورانی بنایا، اور اس کے لئے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو)

اس آیت کی شرح میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ”اس آیت میں آفتاب کو ضیاء اور مہینہ کو نور بتایا گیا ہے۔ مگر سال اور حساب کی معرفت میں نہ تو ضیاء کا کوئی عمل دخل ہے اور نہ نور کا۔ بلکہ اس بارے میں ان کا ایک برج سے دوسرے برج میں منتقل ہونا ہی مؤثر ہوتا ہے۔ ہمیں مہینہ اور سال کے حساب کے لئے سورج کے ساتھ نہیں، بلکہ ہلال کے ساتھ معلق کیا گیا ہے۔ اس امر پر یہ آیت دلالت کرتی ہے: ﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ [۳] (ترجمہ: اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد کتاب اللہ میں بارہ ہے، اسی دن سے جب سے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ ان میں سے چار مہینے حرمت کے ہیں)، اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں لامحالہ ہلالی مہینے ہی مراد ہیں، کیونکہ ان میں سے ہر مہینہ ہلالی نوے پچھانا جاسکتا ہے۔“ [۴]

سورۃ البقرۃ اور سورۃ یونس کی مذکورہ بالا آیتوں کے علاوہ ایک اور آیت میں دن اور رات کو سال اور حساب کی معرفت کا ذریعہ بتایا گیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحْوُودَ آيَةِ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنَ

[۱]۔ اسباب النزول للسيوطی ص ۲۷ و تسهيل الوصول الى معرفة اسباب النزول ص ۴۱

[۲]۔ یونس: ۵ [۳]۔ التوبة: ۳۶ [۴]۔ مجموع فتاویٰ ۲۵/۱۳۳-۱۳۵

رَبَّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السَّيِّئِ وَالْحَسَابِ ﴿۱﴾ (ترجمہ: ہم نے رات اور دن کو اپنی قدرت کی نشانیاں بنایا ہے۔ رات کی نشانی کو تو ہم نے بے نور کر دیا ہے، اور دن کی نشانی کو روشن بنایا ہے تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کر سکو۔ اور اس لئے بھی کہ برسوں کا شمار اور حساب معلوم کر سکو)۔ ظاہر ہے کہ راتوں اور دنوں سے ہی ہفتے بنتے ہیں، ہفتوں سے مہینے، اور مہینوں سے سال وجود میں آتے ہیں۔ اگر رات کے بعد دن، اور دن کے بعد رات نہ آتی، تو ہمیشہ رات ہی رات رہتی، یا پھر دن ہی دن ہوتا۔ پھر نہ ہفتوں کا شمار ممکن ہوتا، نہ مہینوں کا، اور نہ سالوں کا۔ گویا تاریخوں اور مہینوں یا سالوں کے حساب کے لئے دن اور رات اکائی کی حیثیت رکھتے ہیں، اور انہی مختلف اکائیوں میں چاند اپنے سفر کی ایک ایک منزل پوری کرتا جاتا ہے۔ چنانچہ سورۃ یونس کی مذکورہ بالا اور پیش نظر آیت کو نقل کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”اس سے واضح ہوا کہ تمام عدد السنین اور حساب چاند کی منازل کی تقدیر کے تابع ہیں۔“ [۲]

دن، مہینہ اور سال کی تعیین و حساب میں سورج اور چاند کا اہم کردار: اوپر یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ تاریخوں یعنی دنوں، ہفتوں، مہینوں اور سالوں کے حساب کے لئے دن اور رات اکائی کی حیثیت رکھتے ہیں، اور انہی راتوں اور دنوں سے ’یوم‘ بنتے ہیں۔ اہل عرب کے نزدیک ایک غروب آفتاب سے اگلے غروب آفتاب تک کا دورانیہ یوم کہلاتا ہے، جب کہ رومیوں اور ایرانیوں کے نزدیک ایک طلوع شمس سے اگلے طلوع شمس تک کا دورانیہ یوم ہوتا ہے۔ عربوں کے نزدیک رات پہلے اور دن بعد میں آتا ہے، لیکن رومیوں اور ایرانیوں کے نزدیک دن پہلے اور رات بعد میں آتی ہے۔ ایام سے ہفتے، ہفتوں سے مہینے اور مہینوں سے سال وجود میں آتے ہیں۔ جہاں تک ایک ہفتہ میں ایام کی تعداد کا تعلق ہے تو کبھی جانتے ہیں کہ یہ سات دن ہیں، خواہ قمری تقویم کے مطابق ہوں یا میلادی (شمسی) تقویم کے مطابق۔ البتہ قمری تقویم میں مہینہ حسب رویت کبھی تیس دن کا ہوتا ہے، تو کبھی انتیس دن کا، لیکن مشاہدہ بتاتا ہے کہ ۲۹ دن کے مہینے زیادہ ہوتے ہیں، جیسا کہ چند سطور آگے ابن مسعودؓ کے قول میں بھی مذکور ہے۔ میلادی تقویم میں ۷ مہینے ۳۱ دن کے، ۴ مہینے ۳۰ دن کے، اور ایک مہینہ تین سال تک مسلسل ۲۸ دن کا،

اور چوتھے سال ۲۹ دن کا ہوتا ہے۔ قمری مہینہ کے ایام کی تعداد کے متعلق ایک حدیث میں مذکور ہے: ”الشہر یکون تسعة وعشرين، ویکون ثلاثین“۔ [۱] (ترجمہ: مہینہ اسیس دن کا بھی ہوتا اور تیس دن کا بھی) بعض دوسری روایات میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں: ”الشہر ہکذا وھکذا وھکذا، وعقد الایہام فی الثالثہ، والشہر ہکذا وھکذا وھکذا، یعنی تمام ثلاثین“، ”الشہر ہکذا، وھکذا، وھکذا، وخمس ایہامہ فی الثالثہ“۔ [۲] ”الشہر ہکذا وھکذا، وخمس الایہام فی الثالثہ“۔ [۳] ”الشہر ہکذا وھکذا، یعنی مرۃ تسعة وعشرين، ومرۃ ثلاثین“۔ [۴] ”الشہر ثلاثون، والشہر تسعة وعشرون، فان غم علیکم، فعدوا ثلاثین“۔ [۵] ”اِنَّ الشَّہْرَ یَکُونُ تِسْعَةً وَعَشْرَیْنَ یَوْماً“۔ [۶] اور ”اِنَّ الشَّہْرَ یَکُونُ تِسْعاً وَعَشْرَیْنَ“۔ [۷] اس امر کی تائید بعض ان اقوال سے بھی ہوتی ہے جن کا تذکرہ ان شاء اللہ آگے ”عید کے دنوں مہینے ناقص نہیں ہوتے“ کے زیر عنوان آئے گا۔ ان اقوال میں سے ابن مسعود کا ایک قول یہاں مثال کے طور پر پیش ہے: ”قَالَ: لَمَّا ضُمْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ تِسْعاً وَعَشْرَیْنَ، أَكْثَرَ مِمَّا ضُمْنَا مَعَهُ ثَلَاثَیْنَ“۔ [۸]

سال کی تعیین کے لئے زمانہ قدیم سے دنیا بھر میں متعدد نظام رائج ہیں مگر ان سب میں عام طور پر شمسی اور قمری دو نظام ہی زیادہ مروج اور مقبول ہیں۔ ان میں سے قمری ایک سال ۳۵۴ دن کا، اور شمسی ایک سال ۳۶۵ دن کا ہوتا ہے۔ سالوں کے مختلف نظاموں کے متعلق برطانوی موسوعہ کے مرتب لکھتے ہیں: ”سال وہ دورانیہ ہے جس میں زمین سورج کے گرد اپنا سفر ایک بار پورا کرتی ہے، اور یہ تقریباً سوا ۳۶۵ دن کا ہوتا ہے۔ غیر یغوری (Gregorian) تقویم میں عموماً ۳۶۵ دن ہوتے ہیں، اور اس کا ہر چوتھا سال باستثناء معدودے ۳۶۶ دن کا ہوتا ہے۔ علم فلکیات و ہیئت میں متعدد قسم کے سال معروف ہیں جن کے دورانیے بھی مختلف طول کے

[۱]۔ رواہ البیہقی ۳۸۱/۷ [۲]۔ رواہ الدارقطنی مع التعلیق ۱۶۳/۲ [۳]۔ رواہ البخاری مع الفتح ۱۱۹/۴ [۴]۔ رواہ البخاری مع الفتح ۱۲۶/۳ و أبو داود مع العون ۲۶۶/۲ و البغوی فی ”شرح السنة“ ۲۶۶/۲ [۵]۔ أخرج مسلم فی ”صحیحہ“ (۱۰۸۰) (۱۵) [۶]۔ رواہ البخاری مع الفتح ۱۲۶/۳ [۷]۔ رواہ البخاری [۸]۔ رواہ ابو داود مع العون ۲۶۸/۲ و الترمذی مع التحفة ۳۳/۲

ہوتے ہیں۔ ایک شمسی سال (Solar Year) ۳۶۵ دن ۵ گھنٹے ۴۸ منٹ اور ۴۶ سیکنڈ کا ہوتا ہے۔ اسے مداری یا استوائی سال (Tropical Year) یا موسمی سال (Seasonal Year) بھی کہتے ہیں۔ یہ دو مسلسل ربیعی اعتدال (Vernal Equinox) کے وقوع کے درمیان کا وقفہ ہوتا ہے، یعنی وہ لمحہ جب کہ سورج بظاہر فلکی خط استواء (Celestial Equator) سے گزر کر شمال کی جانب جاتا ہے۔ زمین کی گردش میں ارتعاش (Wobble) کے باعث اعتدال الربیعی میں جو تقدیم (Precession) آتی ہے اس کے سبب ایک شمسی سال ایک منجمی سال (Sidereal Year)، جو کہ ۳۶۵ دن ۶ گھنٹے ۹ منٹ اور ۱۰ سیکنڈ کا ہوتا ہے، کی بہ نسبت چھوٹا ہوتا ہے۔ منجمی سال وہ وقت ہے جو کہ سورج کو اپنے بظاہر اجرام فلکی کے پس منظر (Stellar Background) کے مقابلہ میں سالانہ سفر کے بعد اسی مقام پر واپس آنے کے لئے درکار ہوتا ہے۔ کسی سیارہ کا زاویائی بعد جب کہ وہ سورج سے قریب تر مقام پر ہو Anomalistic Year کہلاتا ہے۔ یہ سال ۳۶۵ دن ۶ گھنٹے ۱۳ منٹ اور ۵۳ سیکنڈ کا ہوتا ہے۔ یہ وہ وقفہ ہے جو کہ حضیض الشمس (Perihelion)، جو کہ سیارہ کے مدار کا وہ قریب تر نقطہ ہے جو کہ سورج سے قریب تر ہوتا ہے، سے دوبار گزرنے، یعنی اس کے دوسروں، کے لئے درکار ہوتا ہے۔ قمری سال (Lunar Year) بارہ کلیسانی مہینوں، یعنی چاند کے بارہ قمری منازل طے کرنے، کا وقفہ ہوتا ہے، اور یہ ۳۵۴ دن کا ہوتا ہے۔ کوئی سال (Cosmic Year) وہ مدت ہے جو کہ نظام شمسی کو ایک بار کہکشاں کے مرکز کے گرد گھومنے کے لئے درکار ہوتی ہے۔ اس کی مدت ۲۲۵۰۰۰۰۰۰ سال طویل ہوتی ہے۔ [۱]

ان تمام تقویمی نظاموں میں سے معروف تر قمری اور شمسی سالوں کے دنوں کی تعداد کے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ”ایک قمری سال ۳۵۴ دن کا ہوتا ہے۔ کبھی یہ ۳۵۵ یا ۳۵۶ دن کا بھی ہو جاتا ہے۔ اس بارے میں ۳۶۰ دن جو کہا جاتا ہے تو یہ عربوں کی عادت کے مطابق کسر کو توڑنے کی وجہ سے ہے کہ وہ دن یا مہینہ یا سال میں تاریخ کی کمی کو پورا کر کے بولتے ہیں۔ شمسی سال ۳۶۵ دن کا ہوتا ہے، اور بعض سال اس سے ایک یا سوا دن زیادہ بھی ہوتا ہے۔

اس طرح دونوں سالوں کے مابین گیارہ دن کا فرق ہوتا ہے، لہٰذا یہ کہ کبھی کبھار اس سے کچھ کم و بیش ہو جائے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر ۳۳ اور ایک تہائی سالوں کے دوران ایک سال کا فرق واقع ہو جاتا ہے۔ [۱]

ظاہر ہے کہ سال کے ۳۵۴ یا ۳۶۵ دنوں کا حساب رکھنا ایک دشوار امر ہے، اور اس میں غلطی و نسیان کا احتمال بھی ہے، لہٰذا سال کے یہ دن بارہ مہینوں میں مقسوم ہیں۔ سال کے بارہ مہینے مقرر کئے جانے کے متعلق شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے نہایت نفیس بحث فرمائی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: ”جہاں تک سال کا تعلق ہے تو آسمان میں اس کی کوئی ظاہری حد نظر نہیں آتی ہے، چنانچہ اس بارے میں شمار اور حساب رکھنا ضروری ہے۔ اس کے لئے سورج کے سفر سے حساب کرنے کے مقابلہ میں ہلالی مہینوں سے اعداد و شمار کرنا زیادہ ظاہر، زیادہ آسان اور زیادہ عام ہے۔ ایک سال مخصوص مہینوں کے شمار کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر دنوں یا مہینوں کی بجائے سالوں کو جمع کیا جاتا تو لازم تھا کہ تمام امتوں میں اس کا شمار بھی عادتہ رائج ہوتا۔“ [۲]

جن قوموں نے جسی اور طبعی (یعنی قمری) مہینوں کی بجائے عددی مہینوں کو ترجیحاً اپنایا ہے ان کے متعلق ایک مقام پر شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”جن لوگوں نے شمسی سال کو طبعی، اور مہینوں کو عددی بنایا تو یہ رومیوں، سریانیوں، قبطیوں اور انہی کی طرح صابیوں اور مشرکوں وغیرہ کا حساب ہے۔ یہ لوگ رومی مہینہ قانون (کانون الاول بمطابق ماہ دسمبر اور کانون الثانی بمطابق ماہ جنوری) وغیرہ کو عدداً شمار کرتے ہیں، اور شمسی سال کے لئے سیر شمس کا اعتبار کرتے ہیں۔“ [۳]

ماہ اور سال کا آسمانی بروج سے تعلق: شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”چونکہ سالوں کے شمار کے لئے ایسی کوئی آسمانی حد موجود نہیں ہے کہ جس سے اس کی تعداد معلوم کی جاسکتی ہو، لہٰذا مہینوں کی تعداد بروج (Zodiac) کی تعداد کے مطابق مقرر ہوئی، اور انہی بروج کی تعداد کے مطابق ایک سال بارہ مہینوں کا بنایا گیا۔ ان بارہ بروج میں سورج اپنے شمسی سال کا ایک دور مکمل کرتا ہے۔ اگر چاند بھی ان بروج میں دورہ کرے تو اپنا سال پورا کر لیتا ہے۔“ [۴]

[۱]۔ مجموع فتاویٰ ۱۳۸/۲۵ [۲]۔ مجموع فتاویٰ ۱۳۹/۲۵ [۳]۔ مجموع فتاویٰ ۱۳۸/۲۵ [۴]۔ مجموع فتاویٰ ۱۳۹/۲۵

”بُرُوج“، ”بُرُج“ کی جمع ہے، جس کے معنی ظہور اور بلندی ہیں۔ ظاہر، بلند اور نمایاں ہونے کی وجہ سے انہیں بروج کہا جاتا ہے، اور اسی ”بُرُج“ ہے۔ سلف کی تفسیروں میں ان بروج سے مراد تمام بڑے کواکب ہیں۔ بعض نے ان سے آسمان کے دروازے، یا چاند کی منزلیں بھی مراد لی ہیں۔ یہ بروج ”اجرام فلکی (Celestial Bodies) میں سورج اور چاند کی بنیادی حیثیت“ کے زیر عنوان مذکورہ سات بڑے سیاروں کی منزلیں بتائی جاتی ہیں، جن میں وہ اس طرح اترتے ہیں گویا کہ یہ ان کے لئے مضبوط، عالی شان اور بلند وبالافصلیوں والے قلعے ہوں۔ لیکن متاخرین کی تفسیروں میں ان سے مراد علم نجوم میں مصطلح بروج ہی لئے گئے ہیں۔ ان بروج کی کل تعداد بارہ ہے جو اس طرح ہیں: الاسد (Leo)، الثور (Taurus)، الجدی (Capricornus)، الجوزاء (Gemini)، الحمل (Aries)، المحوت (Pisces)، الدلو (Aquarius)، السرطان (Cancer)، السبلہ (Virgo)، العقرب (Scorpio)، القوس (Sagittarius) اور المیزان (Libra)۔ بروج کے گوشوارہ (Horoscope Chart) میں آپ ان کے ناموں کی مناسبت سے ان کی تصویریں بھی بنی ہوئی پائیں گے۔

ان بروج کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿تَبَرَّكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا﴾ [۱] (ترجمہ: با برکت ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے)، ﴿وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ﴾ [۲] (ترجمہ: برجوں والے آسمان کی قسم)، ﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَرَازِقَهَا لِلنَّظِيرِينَ﴾ [۳] (ترجمہ: یقیناً ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں، اور دیکھنے والوں کے لئے اسے سجا دیا ہے) اور ﴿إِنِّي مَّا تَكُونُوا يُدْرِكُكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ﴾ [۴] (ترجمہ: تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمہیں آپکڑے گی، گو تم مضبوط قلعوں میں ہو)۔

قرنی مہینوں کا فطری اور طبعی ہونا ہی ابتدائے آفرینش سے تقویم میں ان کے اعتبار کا باعث رہا ہے۔ مہینوں اور سال کے حساب کو سورج کی بجائے ہلال کے ساتھ وابستہ کرنے کی

بنیادی وجہ یہ ہے کہ قمری مہینے طبعی اور فطری ہوتے ہیں، اور ان کی ابتداء و اختتام رویت ہلال پر موقوف ہوتی ہے۔ قمری مہینوں کا کبھی انتیس اور کبھی تیس دن کا ہونا بھی قطعاً طبعی اور فطری ہے۔ چاند چونکہ بذات خود تاریخوں، مہینوں اور سال جاننے کے لئے ایک حسی علامت ہے اس لئے ہر کس و ناکس اس کی مدد سے مہینوں، تاریخوں اور سال کا حساب بہ آسانی لگا سکتا ہے۔ اس کے برخلاف سورج ایک غیر حسی علامت ہے، چنانچہ اس سے تاریخوں، مہینوں اور سال کا حساب لگانا قدرے دشوار ہے۔

سورۃ التوبہ کی آیت: ۳۶، جو اوپر ”منازل قمر مقرر کئے جانے کا بنیادی مقصد“ کے زیر عنوان گزری ہے، اس میں قمری مہینوں کو ابتدائے آفرینش سے ہی تقویم کی بنیاد بتایا گیا ہے۔ قدیم تاریخ کا مطالعہ بھی یہی بتاتا ہے کہ ائم سابقہ میں لوگ اوقات اور تاریخوں کا حساب قمری نسبت ہی سے کیا کرتے تھے۔ چنانچہ برطانوی موسوعہ کے مرتب لکھتے ہیں: ”زمانہ کے شمار کا وہ نظم (Dating System)، جو سنودی یا کلیسائی (Synodic) مہینوں پر مبنی ہوتا ہے، اصلاً قمری تقویم (Lunar Calendar) ہے، اور یہ چاند کی منازل کے پورے ایک چکر پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک شمسی سال، جو کہ موسموں پر مبنی ہوتا ہے، میں تقریباً ۱۲.۳۷ سنودی مہینے ہوتے ہیں۔ اس لئے ایک قمری سال کو موسموں کے مطابق بنانے کے لئے وقفہ وقفہ سے چند دنوں کا اضافہ کرنا (Intercalation) ضروری ہوتا ہے۔ غالباً سومریوں (Sumerians) نے پہلی بار اس تقویم کو مرتب کیا تھا، اور یہ چاند کی مکرر واقع ہونے والی منازل پر منحصر تھا۔ لہذا ہر سومری-بابلی (Sumero-Babylonian) مہینہ نئے چاند کی رویت کے پہلے دن سے شروع ہوتا تھا۔..... ۳۸۰ قبل مسیح میں رائج تقویم کے اندر دنوں کے اضافہ کے لئے باقاعدہ اصول وضع کئے گئے تھے، اور ۱۹ سالوں کے دوران سات متعین کردہ مہینوں کو مضاف الیہ مہینے قرار دیا گیا تھا۔ یونانی ماہرین فلکیات (Greek Astronomers) نے بھی تقویم میں دنوں کے اضافوں کے لئے قانون وضع کئے تھے۔ بہت حد تک اس کا امکان بھی ہے کہ رومیوں (Romans) کی تقویم یونان کے قمری نظام پر ہی مبنی ہو۔ قمری تقویم کا استعمال آج بھی بعض مذہبی حلقوں میں باقی ہے۔ یہودی تقویم

(Jewish Calendar)، جو کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے ۳۷۶۰ سال اور تین ماہ پرانی مانی جاتی ہے، اس کی ایک مثال ہے۔ یہودیوں کے مذہبی سال میں، جو بارہ مہینوں کا ہوتا ہے اور موسم خزاں (Autumn) میں شروع ہوتا ہے، ایک ماہ ۲۹ دن کا اور اگلا مہینہ ۳۰ دن کا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی ہجری تقویم بھی قمری نظام پر مبنی ہے جو ۱۵ جولائی ۶۲۲ء کو ہونے والی نبی ﷺ کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت سے شروع ہوتی ہے۔ اس میں موسموں کو تقویم کے مطابق بنانے کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی ہے۔“ [۱]

اس بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ ہم سے پہلے کی تمام شریعتوں کے احکام بھی ہلال کے ساتھ وابستہ تھے۔ ان کے متبعین میں سے جنہوں نے ان شریعتوں میں تحریف کی ہے، انہی لوگوں نے اس کو بھی بدل ڈالا ہے۔ جیسے کہ یہودیوں نے اجتماع قرصین کو اپنایا، اور اپنی بعض عیدیں شمسی سال کے حساب سے بنالی ہیں۔ اسی طرح عیسائیوں نے اپنے روزوں میں شمسی سال کی ابتداء کے قریبی اجتماع کا لحاظ کیا ہے۔ انہوں نے بھی مسیح کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کے اعتبار سے اپنی عیدیں مقرر کر لی ہیں، جو شمسی سال کے ارد گرد ہی گھومتی ہیں۔ اسی طرح مشرکین میں سے صابئین اور مجوسیوں وغیرہ نے بھی اپنی اصطلاحات میں کر رکھا ہے۔ ان میں سے بعض ایسے لوگ ہیں جو فقط شمسی سال کا ہی اعتبار کرتے ہیں۔ ان کے مہینوں کے اعداد و شمار کے لئے ان کی اپنی مخصوص اصطلاحات ہیں، جو اگرچہ طبعی ہیں، لیکن ان کے مہینے عددی اور وضعی (یعنی بناوٹی) ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو قمری مہینوں کو معتبر تو سمجھتے ہیں، لیکن ان کے اعتبار کا معیار بھی اجتماع قرصین ہے۔ ان سب کے برخلاف جو چیز شریعت میں آئی ہے وہ مکمل تر، زیادہ بہتر، واضح تر، صحیح تر، اور اضطراب سے بعید تر ہے۔“ [۲]

چاند کا طلوع و غروب نیز اس کا اوسط دور: زمین اپنے محور پر گردش کرتی ہے اور چاند کا طلوع و غروب دراصل زمین کی خمیدگی (Curvature) کے باعث ہی وجود میں آتا ہے۔ نئے چاند کی ولادت نہ ہونے کی صورت میں چاند اکثر غروب آفتاب سے ۲۵ تا ۲۵ منٹ بعد غروب ہوتا

ہے۔ اسے اس کی منفی عمر (Negative Age) کہتے ہیں۔ چاند کی ولادت سے ۱۰ گھنٹے قبل بھی چاند غروب آفتاب کے متعدد منٹ بعد غروب ہو سکتا ہے۔ کرہ ارض (Globe) پر مختلف مقامات پر مختلف مہینوں میں ایسا ہوتا ہے۔ چاند ہر سمت میں غروب ہوتا ہے۔ اس کا اوسط دور (Average Cycle) ۲۹.۵۳۰۵۸۸ دن ہوتا ہے۔ پہلی بار جس ہلال کی رویت ہوتی ہے وہ ہمیشہ مغربی سمت ہی میں غروب ہوتا ہے، لیکن جنوب مغرب سے شمال مغرب میں تفاوت پایا جاتا ہے۔ چاند جنوب مشرقی سمت میں بھی غروب ہو سکتا ہے۔ [۱]

یہ ایک حقیقت ہے کہ چاند ہر سمت سے طلوع ہوتا ہے، اور افق کے پورے دائرہ کا احاطہ کرتا ہے۔ اگر اس کی طرف رخ کیا جائے تو ہر دن یہ دائی جانب ۱۲ فیصد بلند ہوتا جاتا ہے، اور اس طرح ایک ماہ میں افق کے گرد اپنا چکر پورا کر لیتا ہے۔ ایک فلکیاتی قری مہینہ کسی نئے چاند کی ولادت سے دوسرے نئے چاند کی ولادت کے دوران کا وقفہ ہے جو کہ ہر مہینہ بدلتا رہتا ہے۔ اس کی مقدار کی حد تقریباً ۲۹ دن ۵ گھنٹے سے ۲۹ دن ۲۰ گھنٹے تک ہو سکتی ہے، اور اس کا ایک اوسط دورہ ۲۹ دن ۱۲ گھنٹے ۴۴ منٹ اور ۳ سیکنڈ ہوتا ہے۔ [۲]

زمین سے چاند و سورج کا درمیانی فاصلہ: مدار میں زمین سے سورج اور چاند کا فاصلہ اس کی جگہ کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے۔ سورج کا اوسط فاصلہ تقریباً زمین سے روشنی کی سرعت کے اعتبار سے ۸.۴ منٹ (Light Minutes) ہوتا ہے، جب کہ چاند کا زمین سے اوسط فاصلہ روشنی کی سرعت کے اعتبار سے ۱.۳۸ سیکنڈ یا ۰.۰۲۳ منٹ ہوتا ہے۔ [۳]

برطانوی موسوعہ کے مرتب لکھتے ہیں کہ: ”چاند اور زمین کے درمیان اوسط فاصلہ ۳۸۴۴۰۰ کلومیٹر ہے، لیکن چونکہ اس کا مدار بیضوی ہے اس لئے اصل فاصلہ تقریباً ۱۱ فیصد، یعنی ۳۶۳۳۰۰ سے ۴۰۶۰۰۰ کلومیٹر، کے مابین بدلتا رہتا ہے۔“ [۴]

قرنوں کی ولادت کے بعد ہلال کب نظر آتا ہے؟: زمین پر کسی مخصوص مقام سے نیا چاند تقریباً ۳۶ تا ۳۷ گھنٹے ناقابل دید رہتا ہے۔ یعنی نئے چاند کی ولادت سے تقریباً ۱۲ تا ۱۸ گھنٹے قبل، اور چاند کی ولادت کے تخمیناً اتنے ہی عرصہ بعد تک یہ نظر نہیں آتا ہے۔ مختلف موسموں میں یہ مدت [۱]۔ ماخذ: انٹرنیٹ [۲]۔ ماخذ: انٹرنیٹ [۳]۔ ماخذ: انٹرنیٹ [۴]۔ انسائیکلو پیڈیا

مختلف ہو سکتی ہے، بلکہ بعض مہینوں میں کچھ مقامات پر یہ مدت ۵۰ گھنٹے تک بھی ہو سکتی ہے۔ یہ مدت اوقات ہر مہینہ میں بدلتی رہتی ہے، اور اس کا انحصار کرۂ ارض کے گرد چاند کی رفتار پر ہوتا ہے، جو کہ اس کے بیضوی مدار میں بدلتی رہتی ہے۔ [۱]

واضح رہے کہ جب ہلال دنیا کے کسی خطہ میں پہلی بار نظر آتا ہے تو اس وقت سے عموماً ۲۴ گھنٹوں کے اندر، یعنی دو مختلف دنوں میں، اسواء قطبین کے خطوں (Polar Reigons) کے، پوری دنیا میں نظر آ جاتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی یہ وقفہ تین مختلف دنوں تک بھی بڑھ جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر جب کسی مقام پر رؤیت ہلال کسی مخصوص عالمی وقت (Universal Time) پر ہوتی ہے تو اسی لمحہ دنیا میں بین الاقوامی خط تاریخ (International Date Line) کے ہر دو طرف دو شمسی تاریخیں (Gregorian Dates) چل رہی ہوتی ہیں، اور یہ کرۂ ارض کے مختلف خطوں میں اسلامی تقویم (Islamic Calendar) کے مطابق تین قمری تاریخوں کے موافق ہوتی ہیں۔ [۲]

رؤیت ہلال میں چاند کی عمر کا کردار: نئے چاند کی ولادت کے بعد سے جو وقفہ گزرتا ہے وہ اس کی عمر (Positive Age) کہلاتا ہے۔ بعض لوگ چاند کی عمر سے ہلال کی رؤیت پر قیاس کرتے ہیں، لیکن اس سے کوئی قطعی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا ہے، کیونکہ مختلف مہینوں میں مختلف عمر پر ہلال کی رؤیت ممکن ہوتی ہے۔ اس لئے چاند کی عمر اس کے مرئی (Visible) یا غیر مرئی (Invisible) ہونے کا کوئی قابل اعتماد معیار (Reliable Criterion) نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قمری مدار بیضوی شکل کا ہے۔ جب چاند اپنے مدار میں کرۂ ارض سے قریب ہوتا ہے تو تیزی کے ساتھ چلتا ہے، اور جب یہ کرۂ ارض سے دور ہوتا ہے تو سست رفتار سے چلتا ہے۔ جب چاند تیز رفتاری سے گامزن ہو تو کم عمر، مثلاً ۱۷ گھنٹے، میں بھی مرئی ہوتا ہے، لیکن جب سست رفتار ہو تو اس کے قابل دید ہونے کے لئے زیادہ عمر، مثلاً ۲۳ گھنٹے، درکار ہوتی ہے۔ [۳]

قابل وثوق ذرائع سے پچھتم سردیکھے جانے والے ہلال کی کم سے کم عمر ۱۷.۲ گھنٹے، اور غیر موثوقہ ذرائع کے مطابق ۱۵.۴ گھنٹے ہے۔ فلکی مماثلات اور رصد گاہوں

(Observatories اور Planetariums) کی دوربینوں (Telescopes) کے

ذریعہ دیکھے جانے والے ہلال کی عمر کم سے کم ۱۵.۵ گھنٹے، اور غیر موثوثہ ذرائع کے مطابق ۱۳.۴ گھنٹے ہے۔ بعض موسموں میں ہلال کی رویت ۲۳ تا ۲۴ گھنٹے سے پہلے ممکن نہیں ہوتی۔ اس لئے چاند کی ولادت کے ۱۷ گھنٹے گزر جانے سے یہ نتیجہ اخذ کرنا قطعاً غلط ہے کہ اب رویت ہلال ممکن ہے، یا ۲۳ یا ۲۴ گھنٹے پُرانا چاند ہمیشہ کرۂ ارض پر ہر جگہ سے قابل دید ہی ہوگا۔ [۱]

کسی مقام سے چاند کی عمر کسی ماہ میں کم، اور کسی ماہ میں زیادہ بھی ہو سکتی ہے: کرۂ ارض کے کسی مخصوص مقام پر قمر نو کچھ مہینوں میں اپنی کم ترین عمر میں نظر آ سکتا ہے، کچھ مہینوں میں اس کی عمر نسبتاً زیادہ ہو سکتی ہے، اور کچھ مہینوں میں اس کی عمر عین قابل دید عمر سے بھی کم ہو سکتی ہے، مثلاً ۱۲ گھنٹے۔ لہذا اگلے دن جب وہ نظر آتا ہے تو اس کی عمر پہلے دن کے مقابلہ میں ۲۴ گھنٹے زیادہ (یعنی ۳۶ گھنٹے) ہو چکی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ۳۶ گھنٹے پُرانا ہلال اتنا بڑا اور عریض نظر آئے گا کہ دیکھنے والے یقینی طور پر اسے دوسرے دن کا ہلال کہیں گے، حالانکہ حقیقتاً اس مخصوص مقام کے لئے وہ پہلے ہی دن کا ہلال ہوتا ہے۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ اس پہلے مقام کے مقابلہ میں بعض دوسرے مقامات پر ہلال ایک دن قبل ہی نظر آ گیا ہو، یعنی جب کہ اس کی عمر ۱۷ گھنٹے پہنچی ہو۔ لہذا ان کے لئے یقینی طور پر یہ دوسرے دن کا ہلال ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس پہلے مقام کے لئے ۳۶ گھنٹے پُرانا نظر آنے والا ان کا پہلے دن کا ہلال تقریباً اتنا ہی عریض ہوگا جتنا کہ دوسرے مقام کے لئے ۴۱ گھنٹے پُرانا نظر آنے والا ان کا دوسرے دن کا ہلال۔ کیونکہ ۳۶ اور ۴۱ گھنٹوں میں صرف ۵ گھنٹوں کا ہی فرق ہوتا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ ۳۶ گھنٹہ پُرانا نظر آنے والا ہلال پہلے مقام والوں کے لئے پہلے دن کا ہو، اور ۴۱ گھنٹہ پُرانا نظر آنے والا ہلال دوسرے مقام والوں کے لئے دوسرے دن کا ہلال ہو۔ [۲]

چاند و سورج کے اوقات غروب میں فرق، نیز افق برقمر نو کی موجودگی کے وقفہ کا رویت ہلال میں کردار: بعض لوگ سورج اور چاند کے اوقات غروب کے درمیانی فرق اور افق (Horizon) پر اس کی موجودگی کے وقفہ سے ہلال کی رویت پر قیاس کرتے ہیں، لیکن

درحقیقت ان میں سے کسی بھی چیز سے کوئی قطعی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ غروب آفتاب کے بعد نیا چاند مختلف مہینوں میں مختلف مقامات پر مختلف وقفہ تک باقی رہتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کبھی افق پر نیا چاند ایک گھنٹہ سے بھی زیادہ باقی رہے لیکن نظر نہ آئے، کیونکہ اس کی اپنی کوئی روشنی تو ہوتی نہیں ہے۔ یہ تو محض سورج کی شعاعوں کو منعکس کرتا ہے، اور یہ انعکاس صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ چاند سورج سے کم از کم ایک مخصوص زاویہ پر ہو۔ بعض حالات میں اگر یہ کم از کم مطلوبہ زاویائی حاجت پوری ہوتی ہو تو بھی ہلال نظر نہیں آتا ہے، کیونکہ افق پر پس منظر میں غروب ہونے والے سورج کی روشنی ہلال کی روشنی سے زیادہ خیرہ گن ہوتی ہے۔ [۱]

اگر چاند غروب آفتاب کے ۳۷ منٹ بعد غروب ہو تو اس کا مطلب بھی ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ وہ ۳۷ منٹ تک قابل دید تھا، جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ اس کا مطلب فقط یہ ہوتا ہے کہ چاند افق پر ۳۷ منٹ تک موجود تھا۔ اگر چاند سورج سے ۷۰ درجہ سے کم زاویہ پر واقع ہو تو نظر نہیں آتا ہے، کیونکہ ہلال کا نظر آنا سورج سے چاند کے زاویائی فرق پر منحصر ہے۔ صرف افق پر اس کی موجودگی، یا اس کی عمر اُسے دیکھے جانے کے لئے کافی نہیں ہے۔ عموماً ۱۳ گھنٹے والے چاند کا زاویائی فرق اس قدر نہیں ہوتا کہ وہ نظر آ سکے۔ مزید یہ کہ سورج کو افق سے اس قدر نیچے جانے کے لئے کہ پس منظر میں سورج کی چمک (Glare) اس حد تک دھندلا جائے کہ ہلال نظر آنے لگے تقریباً ۲۵ تا ۳۰ منٹ درکار ہوتے ہیں، اور کوئی باریک سے باریک ہلال بھی غروب آفتاب کے بعد ۳۸ منٹ گزر جانے سے قبل نظر نہیں آتا ہے۔ [۲]

بعض موسموں کے دوران مخصوص جغرافیائی خطوں میں خلاف معمول رویت ہلال: دنیا کے بعض خطے جغرافیائی اعتبار سے ایسے ہیں کہ وہاں بعض موسموں میں رویت ہلال ۴۸ گھنٹے سے قبل ممکن نہیں ہوتی، جب کہ دنیا کے باقی خطوں میں رویت زیادہ سے زیادہ ۳۰ گھنٹوں، یا اس سے قبل ہی ہو جاتی ہے۔ ایسے خلاف معمول خطے کی ایک مثال ہالینڈ (Holland) ہے، جہاں ۲۲ ستمبر سے ۲۱ مارچ کے دوران ایسا ہوتا ہے، جب کہ چاند جنوبی نصف کرۂ ارض (South Hemisphere) میں ہوتا ہے۔ پھر ۲۲ مارچ سے ۲۱ ستمبر تک چاند شمالی نصف کرۂ ارض

میں آجاتا ہے، چنانچہ اس دوران جنوبی نصف کرہ ارض کے لوگ ۴۸ گھنٹوں سے زیادہ پرانے چاند کو ہی دیکھ پاتے ہیں۔ [۱]

رویتِ ہلال میں عروض البلاد کے اختلاف کا کردار: سورج کے گرد زمین کے محور کے اپنے مدار میں ۲۳.۵ درجہ جھکاؤ کے باعث ماہ مارچ میں شمالی عروض البلاد، مثلاً الاسکا (Alaska) اور منگولیا (Mongolia) وغیرہ، کے آس پاس علاقوں میں ہلال کی رویت سب سے پہلے ہوتی ہے۔ جب کہ ماہ ستمبر میں جنوبی عروض البلاد، مثلاً مدغاسکر (Madagaskar) اور نیوزی لینڈ (Newzeland) وغیرہ، میں رویت سب سے پہلے ہوتی ہے۔ لیکن محور کے اس جھکاؤ کا روشنی کے قوس یا زاویائی بُعد پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ بالائی عروض البلاد، یعنی ۵۵ درجہ شمال اور ۵۵ درجہ جنوب، میں جھٹ پنے (Dawn) کا وقت بھی موسموں کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے، اور یہ چیز بالائی عروض البلاد میں رویتِ ہلال پر اثر انداز ہوتی ہے، کیونکہ دیر تک باقی رہنے والی پس منظر کی روشنی ہلال کی رویت کو متاثر کرتی ہے۔ سورج افق سے کبھی اس قدر نیچے نہیں جاتا کہ رویتِ ہلال میں مدد ہو سکے۔ [۲]

رویتِ ہلال میں ”چاند-زمین-سورج“ کے زاویائی بُعد کا کردار: رویتِ ہلال کے لئے بعض دوسرے مشترکہ عوامل (Common Factors) کے علاوہ اس بارے میں ایک مستقل سائنسی بنیاد یہ ہے کہ ہلال کی رویت کا اصل عامل چاند-زمین-سورج کا درمیانی زاویہ ہے۔ ضمیمہ میں پیش کی گئی شکل (۴) میں اس زاویہ کو بآسانی دیکھا جاسکتا ہے، اور رویتِ ہلال میں اس کے کردار کو بھی بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ جب یہ زاویہ تقریباً ۹۰ درجہ ہوتا ہے تو ہلال نظر آنا شروع ہوتا ہے۔ یہ زاویہ قائم ہونے کے لئے کتنا وقت درکار ہوتا ہے، اس کا انحصار چاند کی اپنے مدار میں رفتار پر ہوتا ہے۔ عموماً ۱۳ گھنٹوں میں چاند کا سورج سے زاویائی بُعد ۲.۵ تا ۸.۵ درجہ ہوتا ہے۔ ۷۰ درجہ کے زاویہ پر چاند سے منعکس ہونے والی سورج کی کوئی روشنی زمین تک نہیں پہنچ پاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہلال ہی نہیں بنتا ہے جو کہ زمین سے نظر آ سکے۔ اس کی وجہ چاند کی سطح پر موجود وہ پہاڑ ہیں جو کہ سورج کی روشنی کو زمین تک پہنچنے سے روکتے ہیں۔ اس کو فلکیاتی

اصطلاح میں Danjon Effect کہتے ہیں۔ ۲۔۷ اور ۸۔۵ درجات کے مابین ہلال آنکھوں کے لئے غیر مرئی ہوتا ہے، کیونکہ اس باریک ہلال کی چمک افق پر موجود آسمانی چمک سے نسبتاً کم ہوتی ہے۔ اگر زاویائی بُعد ۷۔۵ درجہ سے کم ہو تو ہلال دور بینوں کی مدد سے بھی دکھائی نہیں دیتا ہے۔ چشم سر سے، یعنی کسی آلہ کی مدد کے بغیر، رویت کے لئے تقریباً ۱۰۔۵ تا ۱۱۔۰ درجہ کا زاویائی بُعد، اور طاق تور دور بینوں کی مدد سے رویت کے لئے ۷۔۵ تا ۸۔۰ درجہ کا زاویہ قائم ہونا ضروری ہے۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ یہ زاویائی فرق مکمل طور پر موافق فضائی کوانٹف کی صورت ہی میں موثر ہوتا ہے، جو کہ عموماً ہر وقت اور ہر جگہ موجود نہیں ہوتے ہیں۔ جب چاند سورج سے ۷۰ درجہ کا زاویہ حاصل کر چکا ہو، یعنی ولادت کے بعد سے اس کی عمر ۱۱ تا ۱۲ گھنٹے گزر چکی ہو، تو اس کے ۲۔۵ گھنٹے بعد طاق تور دور بینوں کی مدد سے ہلال کو دیکھا جاسکتا ہے۔ لیکن بلا کسی مدد کے مجرد چشم سر (Naked Eyes) سے اس کے نظر آنے کے لئے مزید پانچ گھنٹے درکار ہوتے ہیں، یعنی جب کہ نئے چاند کی عمر ۱۶ تا ۲۳ گھنٹے ہو جاتی ہے۔ نئے چاند کی عمر کے اعتبار سے چشم سر کے لئے محتاط حد تقریباً ۱۵ گھنٹے، اور طاق تور دور بینوں کی مدد سے یہی حد تقریباً ۱۲ گھنٹے ہے۔ لیکن یہ مدت بھی صرف تجربہ کار مشاہدین ہی کے لئے ہے کہ جنہیں رویت ہلال کا خاصہ تجربہ حاصل ہو۔ کبھی کبھار یہی حد ان ہلال دیکھنے والوں کے لئے جو آسمان میں بغیر کسی تیاری کے ہلال تلاش کرتے ہیں، چشم سر سے دیکھنے والوں کے لئے ۷ گھنٹے، اور طاق تور دور بینوں کی مدد سے دیکھنے والوں کے لئے ۱۳۔۵ گھنٹے ہوتی ہے۔ محتاط حد سے مراد یہ ہے کہ رویت ہلال کا کوئی بھی دعویٰ جو اس محتاط حد سے کم ہو اس کی نہایت تنقیدی جانچ پرکھ کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس محتاط حد کے بعد کا ہر دعویٰ بہر طور قبول ہی کر لیا جائے گا۔ [۱]

موجودہ وقت میں جو ہلال مجرد آنکھوں سے دیکھا گیا ہے اس کا زاویہ ۱۰۔۵ درجہ تھا جو چاند کی عمر کے مطابق تقریباً ۱۷ تا ۲۱ گھنٹے ہوتا ہے۔..... افق پر بننے والا یہ زاویائی بُعد دراصل کرۂ ارض کی خمیدگی کا Function ہوتا ہے۔ زمین پر سے ہلال کے قابل دید ہونے کے لئے اس کا سورج کی روشنی منعکس کرنا ضروری ہے، اور اس انعکاس کے لئے

سورج اور چاند کے مابین کم از کم ۱۰ درجہ کا زاویائی فرق ہونا لازمی ہے۔ [۱]

اس زاویائی بُعد کی پیمائش یا حساب لگانا (Calculation) کچھ آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لئے ریاضی کی بہت ساری مصطلحات و معادلات (Mathematical Terms & Equations) کے استعمال کی ضرورت پڑتی ہے، جن کی مدد سے کسی مقام کے افق پر سورج اور چاند کے مواقع (Positions) کو معلوم کیا جاتا ہے۔ پھر ان کے مابین انفصالی زاویہ (Separation Angle) کو مددِ علم مثلث (Spherical Trigonometry) کی مدد سے نکالا (Calculate) کیا جاتا ہے۔ قمری نظریہ (Lunar Theory) جتنا صحیح ہو، اور حساب کا طریقہ جس قدر درست استعمال کیا جائے اتنا ہی بہتر نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔ [۲]

چاند کو سورج سے ۷ درجہ دور ہونے کے لئے تقریباً کم از کم ۸.۵ سے ۱۵.۵ گھنٹے درکار ہوتے ہیں۔ ۸.۵ گھنٹے اس صورت میں درکار ہوتے ہیں جب کہ چاند زمین سے قریب تر، اور بوقتِ ولادت گروہنی سطح سے ۵ درجہ پر واقع ہو، جیسا کہ ۱۲ دسمبر ۱۹۵۵ء کو ہوا تھا۔ ۱۵.۵ گھنٹے اس صورت میں درکار ہوتے ہیں جب کہ چاند زمین سے بعید تر، اور بوقتِ ولادت گروہنی سطح سے ۰.۰ درجہ پر واقع ہو، جیسا کہ ۱۰ دسمبر ۱۹۵۵ء کو ہوا تھا۔ [۳]

اس زاویائی بُعد کے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تحقیق ضمنی طور پر ان شاء اللہ آگے ”علوم ہیئت و نجوم کی مدد سے ہلال کا حساب کتاب۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی نظر میں“ کے زیر عنوان بیان کی جائے گی، و باللہ التوفیق۔

رُقبہ ہلال میں بعض دوسرے موافق عوامل کا کردار: یہ ضروری نہیں ہے کہ ولادت کے ۱۹ گھنٹہ بعد چاند نظر ہی آجائے، بلکہ بعض مہینوں میں تو ۳۲ گھنٹہ پُرانا چاند بھی قابلِ دید نہیں ہوتا۔ بعض مقامات پر سورج غروب ہونے کے آدھے گھنٹہ بعد بھی ہلال نظر آسکتا ہے، لیکن اس کے لئے کم از کم موافق موسمی ظروف، مثلاً مغرب کی جانب شہروں کی روشنی کا موجود نہ ہونا، مناسب تناسبِ رطوبت (Humidity Percentage)، مناسب درجہ حرارت

(Ambient Temperature) اور مناسب ہوا کا دباؤ (Air) یا Atmospheric Pressure) وغیرہ، کا موجود ہونا لازمی ہے۔ سطحی تنویر (Surface Illumination) بھی ہلال کے لئے ایک اہم عامل کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن اسے ہلال نظر آنے کے لئے تہاء عامل قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔ اگر آسمان کے پس منظر میں موجود تنویر چاند کی سطح پر موجود تنویر کے مقابلہ میں زیادہ ہو تو ہلال نظر نہیں آئے گا۔ آسمان کے پس منظر کی تنویر عموماً متعدد عوامل پر منحصر ہوتی ہے، مثلاً ہوا کا دباؤ، درجہ حرارت، تناسب رطوبت، فضاء میں معلق ذرات کی کثافت، چاند سے منعکس ہونے والی شعاعوں کی مسافت جو وہ فضاء کے مختلف طبقات میں طے کرتی ہیں، چاند اور زمین نیز سورج و زمین کے مابین فاصلے، وغیرہ۔ [۱]

بہتر رویت ہلال کے لئے بعض موافق و مضمر عوامل: کسی مقام سے سمندر کے اوپر ہلال کو دیکھنا آبادی والے شہر کی طرف اُسے دیکھنے کے مقابلہ میں نسبتاً زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ ہوا میں معلق غبار کے ذرات اور سالمات (Molecules) کے باعث ہوا کا کم یا غیر شفاف ہونا رویت کے لئے مضمر ہوتا ہے۔ بالائی علاقوں، مثلاً پہاڑ کی چوٹیوں پر میدانی علاقوں کے مقابلہ میں ہوا زیادہ شفاف ہوتی ہے، اس لئے یہ چیز وہاں رویت ہلال میں مدد ہوتی ہے۔ شہروں اور صنعتی علاقوں کی ہوا گاؤں اور ریگستانی علاقوں کے مقابلہ میں نسبتاً کم یا غیر شفاف ہوتی ہے، اس لئے گاؤں اور ریگستانی علاقوں میں رویت کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ [۲]

نیم گرم سیر خطوں (Sub-Tropic Regions) اور موسمی اعتبار سے پست معتدل علاقوں (Lower Temperate Zone) کے مقابلہ میں بالائی عرض البلد (Higher Latitudes) اور خط استواء (Equator) کے آس پاس بادل اوسطاً زیادہ چھائے رہتے ہیں۔ بادل اور دُھند لاہٹ (Haze Effect)، جسے Light Extinction بھی کہا جاتا ہے، رویت ہلال کو بہت حد تک دُھندلا دیتے ہیں۔ [۳]

نچلے مقامات پر، جہاں بہت Marginal ہلال دیکھا جاتا ہے، ہلال کی (تقریباً) صرف ۵ فیصد روشنی ہی ہوا میں بیوسط ہو پاتی ہے، اور انتہائی صاف فضاء ہونے کے باوجود اس کی تقریباً ۹۵ فیصد روشنی دوسری سمتوں میں بکھر کر ضائع ہو جاتی ہے۔ پُر رطوبت یا گھنی آبادی [۱]۔ ماخذ: انٹرنیٹ [۲]۔ ماخذ: انٹرنیٹ [۳]۔ ماخذ: انٹرنیٹ

والے علاقوں میں کسی باریک ہلال کی افیصد سے بھی بہت کم روشنی ہی زمین تک آپاتی ہے۔ آسمان کے پس منظر میں باقی روشنی اگر باریک ہلال کی روشنی کے مقابلہ میں زیادہ تیز اور خیرہ گن ہو تو یہ روشنی بھی ہلال کو ناقابل دید بنا دیتی ہے۔ [۱]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اپنے فتاویٰ میں روایت ہلال میں اہم کردار ادا کرنے والے بعض اسباب و عوامل کا تذکرہ کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: ”(۱) حدت نظر: یہ سبب مختلف لوگوں میں مختلف ہوتا ہے۔ چونکہ روایت حدت بصر (Sharp Sightedness) اور تیز بینائی یا اس کے ضعف کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، اس لئے اگر ہلال بہت باریک ہو تو صاحب بصر الحدید اسے دیکھ لیتا ہے، مگر کمزور بینائی والا اسے نہیں دیکھ پاتا ہے۔ اگر ہلال متوسط سائز کا ہو تو اکثر لوگ اسے دیکھ لیتے ہیں۔ لوگوں کی بصارتیں کسی محدود دائرہ میں محصور نہیں ہوتی ہیں، اس لئے یہ کہنا ممکن نہیں ہوتا کہ اسے بیشتر لوگوں نے دیکھ لیا ہے، یا بیشتر لوگ اسے نہیں دیکھ پائے ہیں۔ چنانچہ اگر دو لوگ بھی اسے دیکھ لیں تو شارع نے بالا جماع اس کے حکم کو ان دونوں کی روایت کے ساتھ معلق کیا ہے، خواہ جمہور اسے نہ دیکھ پائے ہوں۔ پس اگر اس بناء پر کوئی یہ کہے کہ ہلال نظر نہیں آیا ہے، تو وہ حکم شریعت کے مطابق غلطی ہے۔ لیکن اگر یہ کہے کہ ہلال نظر آ گیا ہے، تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ صاحب بصر الحدید نے اسے دیکھا ہے۔ (۲) ہلال دیکھنے والوں کی قلت و کثرت: ہلال دیکھنے کی کوشش کرنے والوں کی کثرت اور قلت سے بھی روایت میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ اگر ہلال دیکھنے والے بکثرت ہوں تو یہ بات زیادہ اقرب ہے کہ ان میں سے کوئی فرد ایسا ہو جو اپنی حدت بصر، یا طلوع ہلال کے مقام کے بارے میں اپنے تجربہ، یا مطلع کے ارد گرد حدت بصر (گھور کر دیکھنے) کے باعث اسے دیکھ لے۔ اگر ہلال دیکھنے کی کوشش کرنے والے قلیل ہوں تو ایسا اتفاق ہونا کم یا ممکن نہیں ہوتا ہے۔ پس اگر کوئی یہ گمان کرنے کہ ہلال نظر آیا ہے، مگر ہلال دیکھنے والے قلیل ہوں تو یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اسے دیکھ ہی لیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ہلال نظر نہیں آیا ہے، مگر اسے دیکھنے والے بکثرت ہوں تو ممکن ہے کہ ان میں کوئی قوت اور اک والا شخص بھی موجود ہو، اور وہ

اس کا ادراک کر لے جس کے ادراک سے دوسرے قاصر رہے ہوں۔ (۳) ہلال دیکھنے کی جگہ: ہلال دیکھنے کی جگہ کے اختلاف سے بھی رویت میں اختلاف واقع ہوتا ہے۔ اگر وہ جگہ بلند ہو، مثلاً منارہ یا کوئی اونچی سطح یا پہاڑ کی چوٹی، تو اس کی حیثیت پست ہموار زمین یا وادی کے کٹن سے مختلف ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر ہلال دیکھنے والوں میں سے کسی کے سامنے کوئی اونچی عمارت یا پہاڑ وغیرہ حائل ہو تو بیشتر حالات میں ممکن ہے کہ وہ اسے دیکھ لے، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ کبھی یہ چیزیں اس کی رویت میں رکاوٹ بن جائیں۔ کبھی ہلال دیکھنے والوں کے سامنے کوئی چیز نہیں ہوتی، پس اگر کوئی یہ کہے کہ ہلال مطلقاً نظر آیا ہے، تو ممکن ہے کہ کسی پست علاقہ سے دیکھنے والوں کو وہ نظر نہ آیا ہو۔ اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ ہلال نظر نہیں آیا ہے تو ممکن ہے کہ بلندی سے دیکھنے والوں نے اسے دیکھا ہو۔ پس رویت اس ظاہری اختلاف کے باعث بھی مختلف ہوتی ہے۔ (۴) ہلال دیکھنے کا وقت: ہلال دیکھنے کے وقت کے اختلاف سے بھی رویت مختلف ہوتی ہے۔ حساب داں غروب آفتاب کے وقت اس کے بعد کی خبر دیتے ہیں کہ کس وقت وہ سورج کے قریب ہوگا، نتیجہً اس کا نور کم ہوگا۔ بعض اوقات سورج کے شعاع کی سرخی بھی اس کی رویت میں مانع ہوتی ہے۔ جب افق پر سورج سے اس کا بعد کم ہو تو رویت کی دشواری اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، اور یہ مانع رویت باقی رہتا ہے۔ پھر اس کا نور زیادہ ہو جاتا ہے، اور وہ سورج کی شعاعوں سے دور ہو جاتا ہے۔..... (۵) فضاء کا صاف یا مکدر ہونا: اس سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ مانع رویت علل حائل ہوں، مثلاً بادل یا غبار یا دھواں اور بخارات۔ اگر فضاء ایسی ہو کہ جس میں ہلال کی رویت ممکن ہوتی ہے، یعنی جب کہ فضاء آلودگی سے پاک صاف ہو۔ مثال کے طور پر موسم سرما میں بارش کے بعد زمین سے بخارات نہ نکلتے ہوں، تو بعض افراد کو اس کا نظر آ جانا ممکن ہے، برخلاف اس فضاء کے جو کہ بخارات سے اس قدر آلودہ ہو کہ اس میں رویت ممکن نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر موسم گرما میں بخارات اور دھوئیں کے باعث فضاء میں کدورت پیدا ہو جاتی ہے تو ایسے ماحول میں ہلال کی رویت ممکن نہیں ہوتی، جس طرح کہ صاف ستھری فضاء میں ممکن ہوتی ہے۔

ان عوامل کے علاوہ درست طریقہ پر مطلع ہلال کے سامنے کھڑا ہونا، ٹھیک طرح سے

اس کے مطلع کی معرفت اور اچھی طرح سے اسے تلاش کرنا وغیرہ ایسے امور ہیں کہ جن کی تعلیم ہلال دیکھنے والوں کو دی جاسکتی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مغرب کی سمت میں سورج کے پیچھے خوب گھور گھور کر دیکھنا رویت کے لئے شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر ہم نے ان چیزوں کا تذکرہ اختلاف رویت کے اسباب کے ضمن میں نہیں کیا ہے، بلکہ اوپر صرف انہی چیزوں کا ذکر کیا ہے کہ جن کا احاطہ ہلال دیکھنے والوں کی قدرت سے باہر ہے، مثلاً آنکھوں سے دیکھنے کی صفت، اس کی تیاری، ہلال دیکھنے کی جگہ، ہلال دیکھنے کا زمانہ اور فضاء کا صاف یا مکدر ہونا۔“ [۱]

ہلال دیکھنے کا صحیح طریقہ: غروب آفتاب کے ۱۵ منٹ بعد جس جگہ سورج غروب ہوا ہو، ٹھیک اسی سمت میں، اور اسی جگہ سے ذرا اوپر ہلال کو تلاش کریں۔ اگر ٹھیک اسی جگہ ہلال نظر نہ آئے تو اس کے دونوں جانب، یعنی دائیں اور بائیں، تقریباً ۳۰ درجہ (ڈگری) تک اسے دیکھیں۔ غروب آفتاب سے غروب ہلال کے وقت تک اسے دیکھتے رہیں۔ غروب آفتاب اور غروب ہلال کے اوقات مقامی اخبارات میں یا انٹرنیٹ کے مختلف مواقع پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ نا تجربہ کار لوگ ہلال دیکھنے کے لئے شروع میں عدسات (Binoculars) کی مدد بھی لے سکتے ہیں۔ [۲]

اوپر ”بہتر رویت ہلال کے لئے بعض موافق و مضمر عوامل“ کے زیر عنوان شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے منقولہ اقتباس میں بھی اس ضمن میں چند چیزیں بیان ہوئی ہیں۔ اگرچہ صرف یہ چیزیں ہی کافی نہیں ہیں، لیکن ان کا اہتمام بھی بہر حال ضروری ہے، فرماتے ہیں کہ: ”درست طریقہ پر مطلع ہلال کے سامنے کھڑا ہونا، ٹھیک طرح سے اس کے مطلع کی معرفت، اور اچھی طرح سے اسے تلاش کرنا وغیرہ ایسے امور ہیں کہ جن کی تعلیم ہلال دیکھنے والوں کو دی جاسکتی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مغرب کی سمت میں سورج کے پیچھے خوب گھور گھور کر دیکھنا رویت کے لئے شرط کی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے“۔ [۳]

قمری ماہ کی ابتداء و انتہاء میں ہلالِ نو سے حساب کی حکمت

شریعت نے عبادات کے لئے جن اوقات یا ایام یا مہینوں کو خاص کیا ہے ان کی تعیین میں اس بات کا خصوصی لحاظ رکھا ہے کہ ان اوقات یا ایام یا مہینوں کا علم کسی فن، حساب کتاب، فلسفہ یا آلہ کے استعمال پر موقوف نہ ہو، بلکہ ان اوقات و ایام کو سکونت پذیر اور مسافر، آزاد اور غلام، مرد اور عورتیں، بچے، جوان اور بوڑھے، پڑھے لکھے اور عامی، حتیٰ کہ اُن پڑھ اور دیہاتی، سبھی محض اپنے مشاہدہ سے جان سکیں۔ مثال کے طور پر نماز کے اوقات سورج کے طلوع، چڑھاؤ، زوال اور غروب پر منحصر ہیں۔ اسی طرح روزہ میں سحری اور افطار کے اوقات بھی سورج کے طلوع و غروب سے وابستہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان اوقات کو جاننے کے لئے کسی علم فن یا حساب و ریاضی یا فلسفہ اور آلہ کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ ہر شخص ان اوقات کو اپنے مشاہدہ سے بہ آسانی جان جاتا ہے۔ اسی طرح جن عبادات کا تعلق کسی مخصوص دن یا مہینہ یا سال سے ہے، مثلاً یومِ عرفہ یا عاشورہ یا ایامِ بیض یا شوال کے روزے، موسمِ حج میں یومِ عرفہ، یومِ النحر، یومِ الترویہ اور منیٰ میں ایامِ تشریق کی تعیین، قربانی کے مخصوص ایام، ماہِ رمضان کے روزے، ایامِ اعتکاف، زکوٰۃ کے وجوب کا وقت، عدت، ایلاء، غلامی سے آزادی، قرض کی ادائیگی اور سزا میں تغریب وغیرہ کی مدتوں کا پورا ہونا، تو ان سب احکام کے لئے شریعت نے چاند کو معیار بنایا ہے، اور ان کے زمانوں کی تعیین میں ششی مہینوں کی بجائے قمری مہینوں کا اعتبار کیا ہے۔

چونکہ قمری مہینہ کا آغاز ہلال کی رویت سے اور اس کا اختتام چاند کے مستور ہونے سے ہوتا ہے، اس لئے ان حسی اور طبعی علامات کو دیکھ کر مقیم و مسافر، عوام و خواص، آزاد و غلام، مرد و عورتیں، جوان و بوڑھے، پڑھے لکھے اور اُن پڑھ سبھی جان جاتے ہیں کہ پچھلا مہینہ کب ختم ہوا، اور نیا مہینہ کب شروع ہوا ہے۔ اس کے برخلاف ششی مہینوں کے آغاز یا اختتام پر زمین یا آسمان

میں ایسی کوئی جتنی اور طبعی علامت ظاہر نہیں ہوتی ہے کہ جسے دیکھ کر ہر شخص مہینہ کے آغاز اور اختتام کو جان سکے۔ اس کے علاوہ اس کی ایک حکمت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ قمری مہینوں میں موسموں کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا ہے۔ قمری مہینے کبھی گرمیوں میں پڑتے ہیں تو کبھی سردیوں میں، کبھی خزاں میں تو کبھی بہار میں۔ اس وجہ سے ہر مسلمان کو بلا لحاظ موسم عبادت کرنے کا موقع ملتا ہے، اور اس کے پاس یہ عذر باقی نہیں رہتا گرمی یا سردی کی شدت یا دن کے بڑے اور چھوٹے ہونے کی بناء پر وہ شریعت کے کسی مخصوص حکم پر عمل کرنے سے قاصر رہا ہے۔ ان چیزوں سے اسلام کے عین دین فطرت ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شریعت اسلامیہ نے عبادات کے سلسلہ میں اوقات، ایام، مہینوں اور سال کی تعیین میں سورج اور چاند کے مختلف مراحل کا جو اعتبار کیا ہے تو اس میں ایک خاص حکمت اور عوام کی سہولت پوشیدہ ہے، واللہ اعلم۔

والدی و مرشدی شیخ محمد امین اثری رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ اس کی مبلغ حکمت پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ اس ضمن میں فرماتے ہیں: ”اسلامی احکام کا تعلق چاند کے مہینوں سے، اور اس کے طلوع ہونے سے رکھنے میں بڑی عظیم مصلحت اور حکمت ہے۔ اسلام چونکہ ایک عالمگیر مذہب ہے اس لئے اسے اپنے احکام میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری تھا کہ کم علم و عقل والا انسان بھی احکام کے مفہوم کو وضاحت سے سمجھ جائے، اور کسی الجھاوے میں نہ پھنس کر رہ جائے۔ ایک شہری اور ایک دیہاتی، ایک پڑھا لکھا اور ایک اُن پڑھ دونوں برابر کی آسانی اور سہولت کے ساتھ شریعت کی پابندی کر سکیں۔ چاند سے تاریخوں کا پتہ چلانا بہت آسان ہے۔ نہ اس میں نجوم و ریاضی کے جاننے کی ضرورت ہے، نہ حساب و کتاب کی حاجت، اس کا جاننا جتنا ایک تعلیم یافتہ آدمی کے لئے آسان ہے، اتنا ہی ایک بے پڑھے لکھے سیدھے سادھے انسان کے لئے بھی آسان ہے۔ اس میں نہ کلینڈر کی ضرورت ہے نہ ڈائری کی، آدمی بستی میں ہو یا جنگل میں، خشکی میں ہو یا سمندر میں، ہر جگہ بڑی سہولت سے مہینوں اور تاریخوں کا پتہ چلا سکتا ہے، بخلاف اور طریقوں کے جن میں اس طرح کی عام و ہنہ گیر آسانی ہرگز نہیں پائی جاتی ہے۔ اس لئے اسلام نے سال و ماہ کے حساب کے لئے اسی سادہ اور فطری طریقے کو اختیار

فرمایا ہے۔“ [۱]

بلکہ میں کہتا ہوں کہ ایک حدیث میں اس امر کی صراحت بھی وارد ہے، چنانچہ سعید بن عمرو، یعنی ابن سعید بن العاص، نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ، لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسِبُ، الشَّهْرُ هَكَذَا وَهَكَذَا، يَعْنِي مَرَّةً تَسْعَةً وَعِشْرِينَ، وَمَرَّةً ثَلَاثِينَ“۔ [۱] ”ترجمہ: ہم عرب اُمّی قوم ہیں، نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب کرتے ہیں۔ مہینہ اس طرح اور اس طرح ہوتا ہے، یعنی (انگلیوں کے اشارہ سے) ایک بار آپ نے ۲۹، اور ایک بار ۳۰ دن بتایا۔“

اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ: ”اس حدیث میں اہل عرب کو اُمّی اس لئے کہا گیا ہے کہ ان میں پڑھنا لکھنا اور حساب کتاب کرنا اگرچہ پایا جاتا تھا مگر نادرا الوجود تھا۔ یہاں حساب سے مراد نجوم کی رفتار وغیرہ کا حساب ہے، جسے کہ صرف خال خال لوگ ہی جانتے تھے۔ اس لئے روزہ وغیرہ کے حکم کو رؤیت ہلال کے ساتھ معلق کیا گیا ہے تاکہ ان پر سے علم نجوم کی واقفیت کے حرج کو دور کیا جاسکے۔ اور روزہ کا یہ حکم برابر جاری و ساری رہے، اگرچہ ان کے بعد اس علم کے جاننے والے پیدا بھی ہو جائیں۔ بلکہ ظاہر سیاق تو اصلاً حکم صوم وغیرہ کو نجومی حساب کے ساتھ معلق کرنے کی نفی کا شعور بھی دلاتا ہے۔ اس قول کی وضاحت سابقہ حدیث میں گزری ہے جس میں مذکور ہے کہ: ’فان غم عليكم، فاكملوا العدة ثلاثين‘۔ اس حدیث میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ: ابرا یا غبار چھائے ہونے کی صورت میں اہل حساب (ماہرین علم نجوم و فلکیات) سے جا کر پوچھ لو۔..... ایک جماعت علم نجوم کے جاننے والوں کی طرف رجوع کرنے کے حق میں گئی ہے۔ یہ لوگ روانہ ہیں۔ بعض فقہاء سے بھی ان کی موافقت میں اقوال منقول ہیں، لیکن علامہ عبدالوہید الباجی فرماتے ہیں کہ: سلف صالح کا اجماع ان پر جنت ہے۔ علامہ ابن بزیہ کا قول ہے کہ: وہ مذہب باطل ہے، کیونکہ شریعت نے علم نجوم میں غور و خوض کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ وہ محض قیاس و تخمینہ ہی ہوتا ہے، نہ اس میں قطعیت پائی جاتی ہے، اور نہ اس سے ظن غالب ہی حاصل ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ اگر معاملہ کو اس علم کے ساتھ مربوط کیا جائے تو یہ محض ضیق و تنگی کا باعث ہی ہوگا، کیونکہ اس علم کے

[۱]۔ رواہ البخاری مع الفتح ۱۲۶/۳ و مسلم (۱۰۸۰) (۱۵) و أبو داود مع العون ۲۶۶/۲۔ ۲۶۷

والبغوی فی ”شرح السنة“ ۲۶۷/۲۔ ۲۶۸

جاننے والے بہت ہی کم لوگ ہوتے ہیں، الخ“۔ [۱]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث مستفیضہ کی شرح میں نہایت طویل، مفید اور لائق مراجعہ بحث درج فرمائی ہے، لیکن عدم طوالت کے پیش نظر ہم یہاں اس سے صرف نظر کرتے ہیں۔ [۲]

[۱]۔ فتح الباری ۱۲۷/۳ باختصار یسیر، وکذا فی عون المعبود ۲۶۷/۲ مختصراً

[۲]۔ مجموع فتاویٰ ۱۶۴/۲۵۔ ۱۷۷

ماہ رمضان کے آغاز و اختتام میں رویتِ ہلال کا اعتبار، اور تقدیم کی ممانعت

احادیث نبوی میں یہ ضابطہ نہایت واضح ہے کہ روزہ شروع کرنے اور اسے موقوف کرنے کا انحصار کسی حساب یا قرینہ و قیاس کی بناء پر نہیں، بلکہ صرف رویتِ ہلال (یعنی نیا چاند دکھائی دینے) پر ہے۔ یعنی ہلال دیکھے بغیر نہ روزہ رکھا جائے گا، اور نہ ہی ہلال دیکھے بغیر افطار (یعنی روزہ موقوف) کیا جائے گا، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ہم نے ذکر کیا ہے کہ شرعی احکام، مثلاً ماہ رمضان کے روزے وغیرہ، کا تعلق بلاشبہ ہلال سے ہے۔ لیکن ہلال طلوع ہونے کی معرفت کا تہاء ذریعہ اس کی رویت ہے۔ اس کے سواء اس کا کوئی دوسرا اسمعی اور عقلی ذریعہ نہیں ہے۔“ [۱]

محمد بن زیاد کے طریق سے آنے والی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے: ”صُومُوا لِرُؤْيَيْهِ وَأَفْطَرُوا لِرُؤْيَيْهِ، فَإِنْ غُبِيَ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ“ [۲] (ترجمہ: ہلال دیکھ کر روزہ رکھو، اور ہلال دیکھ کر روزہ افطار کرو) (یعنی چھوڑ دو)۔ اگر (بدلی وغیرہ کی وجہ سے) ہلال پوشیدہ ہو جائے تو شعبان کی گنتی تیس دن پوری کر لو)

اس حدیث کی شرح میں علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ: ”یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے خود ہلال کا مشاہدہ نہ کیا ہو، اور نہ ہی اسے ہلال کا مشاہدہ کرنے والے کسی شخص نے اس کی خبر دی ہو تو اس پر شعبان کے تیس دن کی مدت پوری کرنا واجب ہے، پھر وہ

[۱]۔ مجموع فتاویٰ ۱۳۶/۲۵ [۲]۔ أخرجه البخاری مع الفتح ۱۱۹/۳ و مسلم ۱۲۳/۳ والنسائی ۳۰۱/۱ والدارمی ۳۲۸/۱ والطحاوی فی ”مشکل الآثار“ ۲۰۹/۱ والدارقطنی مع التعلیق ۱۶۲/۲ والبیہقی ۲۰۵/۴، ۲۰۶ والطیالسی فی ”مسندہ“ (۳۳۸۱) وابن الجوزی فی ”التحقیق“ ۷۳/۲ وأحمد ۳۱۵/۲، ۳۳۰، ۳۵۳، ۳۵۶، ۳۶۹

روزے رکھے گا۔ جو لوگ یومِ شک کو روزہ رکھنے کے قائل ہیں ان کے برخلاف اس کے لئے شعبان کے تیسویں دن روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔..... پھر وہ اسی طرح رمضان کے تیس دن کی مدت پوری کرے گا، اور پھر روزے موقوف کرے گا۔ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

[۱]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث سعید بن المسیب کے طریق سے بھی آئی ہے، اور اس میں یہ الفاظ مروی ہیں: ”إِذَا رَأَيْتُمُ الْهَلَالَ فَصُومُوا، وَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَأَفْطَرُوا، فَإِنْ غَمَ عَلَيْكُمْ فَصُومُوا ثَلَاثِينَ يَوْمًا“۔ [۲]

اسے أعرج نے بھی سعید بن المسیب کی طرح ہی روایت کیا ہے، لیکن اس میں ”فَعِدُوا ثَلَاثِينَ“ مروی ہے۔ [۳]، یہ حدیث ابی سلمہ، عطاء اور سعد بن ابراہیم عن ابی ہریرۃ کے طرق سے بھی مروی ہے۔

ابی سلمہ عن ابی ہریرۃ کی مرفوع روایت، جس کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے، کے الفاظ ”جامع الترمذی“ میں اس طرح مروی ہیں: ”لَا تَقْدُمُوا الشَّهْرَ بِیَوْمٍ، وَلَا بِیَوْمَیْنِ، إِلَّا أَنْ يُوَافِقَ ذَلِكَ صَوْمًا كَانَ يَصُومُهُ أَحَدُكُمْ، صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ، وَأَفْطَرُوا لِرُؤْيَتِهِ، فَإِنْ غَمَ عَلَيْكُمْ فَعِدُّوا ثَلَاثِينَ ثُمَّ افْطَرُوا“۔ [۴]

اور ”سنن ابی داود“ میں ابی سلمہ عن ابی ہریرۃ کی اسی مرفوع حدیث کے الفاظ اس طرح مروی ہیں: ”قَالَ: لَا تَقْدُمُوا صَوْمَ رَمَضَانَ بِیَوْمٍ، وَلَا بِیَوْمَیْنِ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ صَوْمٌ يَصُومُهُ رَجُلٌ، فَلْيَصُمْ ذَلِكَ الصَّوْمَ“۔ [۵]

[۱]۔ نیل الأوطار ۱۱۳/۳ [۲]۔ أخرجه مسلم والنسائي وابن الجارود في "المنقذ" (۳۹۵) والدارقطني في "سننه" مع التعليق ۱۶۰/۲ والبيهقي وأحمد ۲۶۳/۲، وكذا الطيالسي (۲۳۰۶) من طرق عن الزهري عنه، وقال ابن الجارود والدارقطني: عنه وأبى سلمة أو أحدهما، وهو رواية لأحمد ۲۸۱/۲ [۳]۔ أخرجه مسلم والنسائي والبيهقي وأحمد ۲۸۷/۲ [۴]۔ أخرجه الترمذی مع التحفة ۳۲/۲، وقال: حديث أبي هريرة حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند أهل العلم، وكبرهوا أن يتعجل الرجل صيام قبل دخول شهر رمضان لمعنى رمضان، ورواه البغوي أيضاً في "شرح السنة" ۲۳۷/۲ والدارقطني مع التعليق ۱۵۹/۲-۱۶۰، وقال: كلهم ثقات

[۵]۔ سنن ابی داود مع العون ۲۷۲/۲

امام بخاریؒ نے اپنی ”صحیح“ میں ایک باب کو اس طرح معنون کیا ہے: ”لا يتقدم رمضان بصوم يوم ولا يومين“، اور اس کے تحت اپنے شیخ مسلم بن ابراہیم سے بطریق ہشام حدثنا یحییٰ بن ابی کثیر عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ یہ روایت لائے ہیں: ”قال: لا يتقدمن أحدكم رمضان بصيام يوم أو يومين، إلا أن يكون رجلاً كان يصوم صومه، فليصم ذلك اليوم“۔ [۱] (ترجمہ: تم میں سے کوئی آدمی رمضان کے ایک دو دن پہلے سے روزے نہ رکھے، الا یہ کہ اگر (اتفاقاً) وہ دن پڑ جائے جس میں کسی آدمی کا روزہ رکھنے کا معمول ہو، تو وہ (اپنے معمول کے مطابق) اس دن روزہ رکھے)

اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اس سے مراد یہ ہے کہ بقصد احتیاط ایک دن کا روزہ ماہ رمضان میں شمار کرتے ہوئے رکھ کر اس ماہ کی تقدیم نہ کی جائے، کیونکہ اس ماہ کا روزہ روایت کے ساتھ مرتبط ہے، لہذا اس تکلف کی کوئی حاجت نہیں ہے۔..... اس حدیث کے معنی میں علماء کا قول یہ ہے کہ احتیاطاً رمضان کی نیت سے روزے رکھ کر ماہ رمضان کو پہلے شروع نہ کیا جائے (پھر امام ترمذی رحمہ اللہ کا مذکورہ بالا قول نقل کرتے ہیں)۔“ [۲]

اور امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ”قوت المغتدی“ میں فرماتے ہیں: ”اس فعل سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس احتمال کی بناء پر احتیاطاً روزہ نہ رکھا جائے کہ یہ رمضان کا روزہ ہو سکتا ہے۔ امام ترمذیؒ کے قول: ”لمعنی رمضان“ کا معنی یہی ہو سکتا ہے۔ اور دونوں کا ذکر اس لئے ہوا ہے کہ اگر دو یا تین مہینوں میں بدلی یا اندھیرا چھایا ہو تو دونوں کے بارے میں شک پیدا ہو سکتا ہے، لہذا ایک دن کے بعد دونوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اور اس ممانعت کی حکمت میں یہ خدشہ پوشیدہ ہے کہ فرض روزہ کے ساتھ کوئی نفل روزہ نہ مل پائے۔ نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد، جس طرح کہ نصاریٰ نے اپنی فاسد رائے سے اپنے اوپر فرض کی گئی شریعت میں زیادتی کرتے ہوئے کیا تھا، انتہی“۔ [۳]

لیکن میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس ممانعت کی متعدد

[۲]۔ صحیح البخاری مع الفتح ۱۲۷/۳ [۳]۔ فتح الباری ۱۲۷/۳، و کذا فی نیل الأوطار ۲۱۴/۳ [۳]۔ کذا فی تحفة الأحوذی ۳۲/۲

حکمتیں نقل کی ہیں، اور ان پر نقد کے ضمن میں امام سیوطی رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا حکمت پر بھی بہت عمدہ نقد کی ہے، فرماتے ہیں: ”(کہا جاتا ہے کہ) اس میں تقویٰ کی حکمت ہے تاکہ انسان رمضان کے لئے مقطر رہے، اور پوری قوت اور نشاط کے ساتھ اس ماہ کی شروعات کرے۔ لیکن یہ قول محل نظر ہے، کیونکہ حدیث کا متقاضی یہ ہے کہ اگر وہ تین یا چار دن کی تقدیم کرتا ہے تو یہ فعل جائز ہوگا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نفل روزہ کے ساتھ فرض روزوں کے اختلاط کی خشیت اس ممانعت کی حکمت ہے۔ لیکن یہ قول بھی محل نظر ہے، کیونکہ جو شخص اس طرح روزے رکھنے کا عادی ہو اس کے حق میں اس امر کی اجازت ہے، جیسا کہ حدیث میں مروی ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ چونکہ حکم رؤیت کے ساتھ معلق ہے، لہذا جو ایک یا دو دن کی تقدیم کرتا ہے تو گویا وہ اس حکم پر طعن کرتا ہے۔ اور یہ قول ہی معتد ہے۔..... اس حدیث میں ان لوگوں کی تردید ہے جو رؤیت پر روزہ کی تقدیم کے قائل ہیں، مثلاً رافضہ، اور ان کی تردید بھی ہے جو مطلقاً نفلی روزہ کے جواز کے قائل ہیں، اتنی۔“ [۱]

مذکورہ بالا حدیث کی ایک شاہد مرفوع روایت عن سماک بن حرب عن عکرمۃ عن ابن عباس اس طرح مروی ہے: ”لا تقدموا الشهر بضيام يوم ولا يومين، إلا أن يكون شيء يصومه أحدكم، ولا تصوموا حتى تروه، ثم صوموا حتى تروه، فإن حال دونہ غمامة، فاتموا العدة ثلاثين، ثم أفطروا، والشهر تسع وعشرون“۔ [۲]، لیکن امام ترمذی کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں: ”لا تصوموا قبل رمضان، صوموا لرؤيته، وأفطروا لرؤيته، فإن حال دونہ غيابة، فأكملوا ثلاثين يوماً“۔

بطریق سماک بن حرب عن عکرمۃ عن ابن عباس عن النبی ﷺ سے مروی ایک اور حدیث میں ہے: ”قال: صوموا لرؤيته، وأفطروا لرؤيته، فإن حال بينكم وبينه

سحاب أو ظلمة أو هوبة، فأكملوا العدة، ولا تستقبلوا الشهر استقبالا، ولا

[۱]۔ فتح الباری ۱۲۷/۳ وکذا فی تحفة الأحوذی ۳۲/۲ وعون المعبود ۲۷۰/۲

[۲]۔ أخرجه ابوداود مع العون ۲۶۹/۲ والنسائی ۳۰۲/۱ والترمذی مع التحفة

۳۳/۲، وقال: حديث حسن صحيح، وكذا الدارمی ۲/۱ وابن حبان (۸۷۳)

والطيالسی (۲۶۷۱) وأحمد ۲۲۶/۱ وأبو عبيد في ”غريب الحديث“ (من ۱/۵۹-۲)

والحاكم ۳۲۵/۱، وقال: صحيح الإسناد، ووافقه الذهبي

تصلوا رمضان بیوم من شعبان“۔ [۱]

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سفیان بن عمرو بن دینار عن محمد بن حنین عنہ کے طریق سے مروی حدیث میں ہے: ”قال: عجت ممن يتقدم الشهر، وقد قال رسول الله ﷺ: إذا رأيتم الهلال فصوموا، وإذا رأيتموه فأفطروا، فإن غم عليكم، فأكملوا العدة ثلاثين“۔ [۲]

اس بارے میں مزید تفصیلات کے لئے ”سنن الدارقطنی مع التعليق المغنی“ [۳]، ”التحقیق فی احادیث الخلاف“ لابن الجوزی [۴] اور ”إرواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل“ للألبانی [۵] وغیرہ کا مراجعہ مفید ہوگا۔
اور ابی البشری سے مروی ہے کہ: ”قال: أهللنا رمضان، ونحن بذات عرق، فأرسلنا رجلاً إلى ابن عباس رضي الله عنهما يسأله، فقال ابن عباس: قال رسول الله ﷺ: إن الله قد أمد له رؤيته، فإن أغمى عليكم فأكملوا العدة“۔ [۶]

[۱]۔ أخرجه أحمد (۱۹۸۵) والنسائي ۱۵۳/۴، ۱۵۴، والبيهقي ۲۰۷/۴ والطائسي ۱۸۲/۱ وابن حبان (۳۵۹۰) وابن خزيمة (۱۹۱۲) والحاكم في ”المستدرک“ ۲۲۲/۱ والبخاری في ”شرح السنة“ ۲۳۲/۶، وقلت: رواية سماك بن حرب عن عكرمة مضطربة، وقد روى عنه من غير وجه، فصححه الشوكاني في النيل ۱۱۵/۳، فقال: وهو من صحيح حديث سماك بن حرب، لم يدلس فيه؛ ولم يلحق أيضاً؛ فإنه من رواية شعبة عنه؛ وكان شعبة لا يأخذ عن شيوخه ما دلسوا فيه ولا لقنوا، والهبة: الغبرة، يقال لدقاق التراب إذا ارتفع: قد هبا يهبوا هبوا، فهو هاب [۲]۔ أخرجه النسائي ۳۰۱/۱ وأحمد ۲۲۱/۱ والدارمي ۲۲۸/۱، وقال: محمد بن جبير بدل ابن حنين، وهو الأرجح، لأن الإمام أحمد قد أخرجه ۳۶۷/۱ من طريق ابن جريج أخبرني عمرو بن دينار أنه سمع محمد بن جبير يقول: كان ابن عباس ينكر أن يتقدم في صيام رمضان إذا لم ير هلال شهر رمضان، ويقول: قال النبي ﷺ: إذا لم تروا الهلال، فاستكملوا ثلاثين ليلة [۳]۔
سنن الدارقطنی مع التعليق المغنی ۱۶۰/۲ [۴]۔ التحقیق فی احادیث الخلاف لابن الجوزی ۷۶، ۷۷ [۵]۔ إرواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل للألبانی ۳۳۳ [۶]۔ أخرجه مسلم ۱۲۷/۳ والدارقطنی مع التعليق ۱۷۱/۲، وقال: وهذا صحيح، ورواه البيهقي ۲۰۶/۴ والطائسي في ”مسنده“ (۲۷۲۱) وأحمد ۳۲۷/۱، ۳۳۳، ۳۷۱

اور عن مالک عن ثور بن زید اللہی عن عبد اللہ بن عباس مروی ہے: ”أن رسول الله ﷺ ذكر رمضان، فقال: لا تصوموا حتى تروا الهلال، ولا تفطروا حتى تروه، فإن غم عليكم فأكملوا العدة ثلاثين“۔ [۱]، میں یہ کہتا ہوں کہ یہ روایت اگرچہ منقطع ہے، مگر یہی روح بن عبادہ عن مالک عن ثور عن عکرمہ عنہ سے متصل بھی مروی ہے۔ اس بارے میں ایک مرفوع شاہد روایت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح مروی ہے: ”إذا رأيتم الهلال فصوموا الحديث مثل حديث ابن حنبل إلا أنه قال: ”فعدوا ثلاثين يوماً“۔ [۲]

اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں: ”كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَتَحَفَّظُ مِنْ شَعْبَانَ مَا لَا يَتَحَفَّظُ مِنْ غَيْرِهِ، ثُمَّ يَصُومُ لِرُؤْيَا رَمَضَانَ، فَإِنْ غَمَّ عَلَيْهِ، عَدَّ ثَلَاثِينَ يَوْمًا ثُمَّ صَامَ“۔ [۳]، لیکن میں کہتا ہوں کہ ابن ابی صالح اور ابی القیس سے شیخین نے نہیں، بلکہ صرف امام مسلم نے احتجاج کیا ہے۔

اور ربیع بن حراش عن حذیفہ بن الیمان سے مرفوعاً مروی ہے: ”لَا تَقْدُمُوا الشَّهْرَ، حَتَّى تَرَوْا الْهَيْلَالَ، أَوْ تَكْمِلُوا الْعِدَّةَ، ثُمَّ صُومُوا حَتَّى تَرَوْا الْهَيْلَالَ، أَوْ تَكْمِلُوا الْعِدَّةَ“۔ [۴]

اس حدیث کے متعلق امام ابن الجوزی فرماتے ہیں: ”امام احمد نے حذیفہ کی اس

[۱]۔ المؤطا مع شرح الزرقانی ۱۵۵/۲ [۲]۔ أخرجه أحمد ۳۲۹/۳ بسند صحيح وكذا البيهقي ۲۰۶/۳ والطبراني في ”الأوسط“ ۱/۹۸/۱ (”زوائد المعجمين“)، وقال الهيثمي في ”مجمع الزوائد“ ۱۳۵/۳: رواه أحمد وأبو يعلى والطبراني في ”الأوسط“، ورجال أحمد رجال الصحيح [۳]۔ أخرجه أبو داود مع العون ۲۶۹/۲ وابن حبان (۸۲۹) وابن خزيمة (۱۹۱۰) والدارقطني مع التعليق ۱۵۶/۲، ۱۵۷، وصححه، فقال: هذا اسناد حسن صحيح، والبيهقي ۲۰۶/۳ وأحمد ۱۴۹/۶ والحاكم ۴۲۳/۱، وقال: صحيح على شرط الشيخين، ووافقه الذهبي، وكذا أخرجه ابن الجوزي في ”التحقيق“ [۴]۔ عن معاوية بن صالح عن عبد الله ابن أبي قيس عنها، قلت: وسنده صحيح [۳]۔ أخرجه أبو داود مع العون ۲۶۹/۲ والنسائي باب إكمال شعبان ثلاثين إذا كان غيم ۳۵/۳، ۱۳۶ وابن حبان (۳۳۵۸) وابن خزيمة (۱۹۱۱) والطحاوي ص ۲۵۳ والبيهقي ص ۲۰۸ والدارقطني مع التعليق ۱۶۱/۲ وابن الجوزي في ”التحقيق“ ۷۵/۲، واستاده صحيح

حدیث کی تضعیف کی ہے، اور کہا کہ اس میں حذیفہ کا ذکر غیر محفوظ ہے، اور یہ مطلع کے صاف ہونے پر محمول ہے، کیونکہ اس میں ابر و غبار کا ذکر نہیں ہے، الخ۔“ [۱]، لیکن صاحب ”التقیح“ فرماتے ہیں کہ: ”یہ ان کا وہم ہے کیونکہ امام احمد کی مراد تو یہ تھی کہ صحیح قول ”عن رجل من أصحاب النبی ﷺ“ ہے، اور اس میں حذیفہ کے نام کا ذکر اصلاً جریر کا وہم ہے۔ ابن الجوزی نے اس سے یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ امام احمد کی طرف سے اس حدیث کی تضعیف ہے، اور یہ مرسل ہے۔ حالانکہ یہ مرسل نہیں، بلکہ متصل ہے، خواہ یہ عن حذیفہ ہو یا عن رجل من أصحاب النبی ﷺ ہو، کیونکہ صحابی کی جہالت (یعنی صحابی کا غیر معروف ہونا) صحت حدیث کے لئے لائق قدر نہیں ہوتی ہے۔ فی الجملہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کے رواۃ ثقات ہیں جن سے ”صحیح“ میں احتجاج کیا گیا ہے۔“ [۲]

استاذی محترم علامہ محمد بن ناصر الدین الألبانی رحمہ اللہ بھی اس حدیث کی صحت کے بارے میں فرماتے ہیں: ”وإسناده صحيح“۔ [۳]

ربیع بن حراش کی حدیث عن رجل من أصحاب النبی ﷺ میں مروی ہے: ”قال رسول الله ﷺ: لا تصوموا حتى تروا الهلال، أو تكملوا العدة ثلاثين، ثم تصوموا، ولا تفطروا حتى تروا الهلال، أو تتموا أو تكملوا العدة ثلاثين“۔ [۴]

ربیع کی بعض دوسری روایات میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں: ”صوموا لرؤيته، وأفطروا لرؤيته، فإن غم عليكم فعدوا شعبان ثلاثين يوماً، ثم صوموا، فإن غم عليكم فعدوا رمضان ثلاثين يوماً، ثم أفطروا إلا أن تروه قبل ذلك“۔ [۵]

اس بارے میں عن مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما مروی ہے کہ: ”أن رسول الله ﷺ ذكر رمضان، فقال: لا تصوموا حتى تروا الهلال، ولا تفطروا

[۱]۔ التحقيق في أحاديث الخلاف ۷۵/۲ [۲]۔ نصب الراية ۳۳۹/۲ وكذا في التعليق المغني على سنن الدارقطني ۱۶۱/۲ [۳]۔ إرواء الغليل ۸/۳ [۴]۔ رواه الدارقطني مع التعليق ۱۶۰/۲-۱۶۱ والترمذي مع التحفة ۳۲/۲ [۵]۔ أخرجه الدارقطني مع التعليق ۱۶۰/۲-۱۶۱

حتى تزوه، فإن غم عليكم فاقدروا له“۔ [۱] (ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے رمضان کا ذکر کیا، پھر فرمایا: اس وقت تک روزہ نہ رکھو جب تک (رمضان کا) ہلال نہ دیکھ لو، اور اس وقت تک روزوں کا سلسلہ ختم نہ کرو جب تک اسے (شوال کا ہلال) نہ دیکھ لو۔ اگر (۲۹ شعبان کو) ہلال نظر نہ آئے تو اس کا اندازہ کر لو) یعنی حساب پورا کرو، یا مہینہ ۳۰ دن کا سمجھو)

یہ حدیث بطریق عبد اللہ بن دینار عن ابن عمر اس طرح بھی مروی ہے: ”الشهر تسع وعشرون ليلة، فلا تصوموا حتى تزوه، فإن غم“۔ [۲]
 واضح رہے کہ یہ حدیث انہیں الفاظ کے ساتھ عن ایوب عن نافع عن ابن عمر بھی مروی ہے۔ [۳]

اور عن سالم بن عبد اللہ عنہ کے طریق سے آنے والی روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں:
 ”إذا رأيتموه فصوموا، وإذا رأيتموه فافطروا، فإن غم“۔ [۴]

اس بارے میں جو بھی احادیث مروی ہیں ان میں ارشاد نبوی: ”لا تصوموا حتى تروا الهلال“ اور ”إذا رأيتموه“ کا ما حاصل بقول علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ زرقانی اور علامہ شوکانی وغیرہم یہ ہے کہ: ”اگر شعبان کے تیس دن پورے نہ ہوئے ہوں تو جب تک ہلال نہ دیکھ لو روزہ نہ رکھو۔ اس حدیث کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ جب رویت پائی جائے، خواہ دن میں ہو یا رات میں، تو روزہ واجب ہو جائے گا، لیکن یہ اگلے دن کے روزہ پر محمول ہے۔ بعض علماء نے زوال سے قبل اور زوال کے بعد ہونے والی رویت کے درمیان فرق کیا ہے، لیکن شیعہ نے اجماع سے اختلاف کرتے ہوئے اس کو مطلقاً واجب قرار دیا ہے۔ اس حدیث کے ظاہر

[۱]۔ أخرجه البخاری مع الفتح ۱۱۹/۳ ومسلم ۱۲۲/۳ ومالك في ”الموطأ“ (مع شرح الزرقانی) ۱۵۲/۲-۱۵۳ وأبو داود مع العون ۲۶۷/۲ والنسائي ۳۰۱/۱ والدارمی ۲۲۸/۱ والبیہقی ۲۰۳/۳ وأحمد ۵/۲، ۱۳، ۶۳ من طرق عن نافع به [۲]۔ أخرجه البخاری مع الفتح ۱۱۹/۳ ومسلم ۱۲۳/۳ ومالك في ”الموطأ“ (مع شرح الزرقانی) ۱۵۲/۲-۱۵۳ والبیہقی في ”شرح السنة“ ۲۲۷/۲-۲۲۸، إلا أن البخاری قال: فأكملوا العدة ثلاثين [۳]۔ أخرجه الدارقطني مع التعليق ۱۶۱/۲ وأبو داود مع العون ۲۶۷/۲ والدارمی ۲۲۹/۱ وابن الجوزی في ”التحقيق“ ۶۸/۲ [۴]۔ أخرجه مسلم والنسائي وابن ماجه (۱۶۵۳) وأحمد ۱۴۵/۲

سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہلال کی رویت سے قبل رمضان کے روزہ کی ابتداء کرنے کی ممانعت ہے۔ اس میں بدلی اور صاف آسمان دونوں صورتیں داخل ہیں۔ [۱]

علامہ شوکانی ابن عمرؓ کی حدیث میں وارد الفاظ: ”فان غم علیکم، فاقدروا لہ“ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ: ”اس میں یہ احتمال ہے کہ اس سے صاف اور بدلی والے مطالع کے درمیان تفریق کرنا مراد ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روزہ کو رویت کے ساتھ معلق کرنا صاف آسمان کے ساتھ مطلق ہو، اور اس بارے میں بدلی کا حکم دوسرا ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے مابین کوئی تفریق ہی نہ ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ثانی اوّل کے لئے مؤکد ہو۔ بیشتر حنابلہ اوّل کی طرف ہی گئے ہیں۔“ [۲]

”فاقدروا لہ“ کے معنی کی تعیین:۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا حدیث میں وارد الفاظ ”فاقدروا لہ“ کی شرح میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ امام ابن الجوزیؒ نے اس کے ایک معنی یہ بیان کئے ہیں کہ: ”ضيقوا لہ عددًا“، یعنی عدد اس کی تنگی کرنا، جو اس طرح ہو سکتی ہے کہ مہینہ ۲۹ دن کا ہو، اس معنی پر اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿فَقَدَرْ عَلَيْهِ رِزْقَهُ﴾ [۳] (ترجمہ: پس اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے) سے استدلال کیا گیا ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ابن عمرؓ سے اس کے خلاف مروی ہے۔“ [۴]

اسی طرح امام ابن قدامہ المقدسیؒ فرماتے ہیں: ”فاقدروا لہ“ سے مراد عدد اس کی تنگی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے واضح ہے: ﴿وَمَنْ قَدَرْ عَلَيْهِ رِزْقَهُ﴾ [۵] (ترجمہ: اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو)، اور ارشاد ہوتا ہے: ﴿يَنْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ﴾ [۶] (ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس کی روزی چاہتا ہے بڑھاتا ہے، اور گھٹاتا ہے)، اور یہاں اس کی تنگی سے مراد شعبان کو ۲۹ دن بنانا ہے۔ ابن عمرؓ نے اپنے فعل سے اس قول کی تفسیر فرمائی ہے، اور چونکہ وہی اس حدیث کے راوی بھی ہیں، اس لئے اس کے معنی وہ بہتر طریقہ پر

[۱]۔ فتح الباری ۱۲۱/۳ و شرح الزرقانی علی الموطا ۱۵۳/۲ و کذا فی نیل الأوطار

۱۱۲/۳ (مختصر) [۲]۔ نیل الأوطار ۱۱۲/۳ [۳]۔ الفجر: ۱۶ [۴]۔

الصحیح ۷۲/۲ [۵]۔ الطلاق: ۷ [۶]۔ الرعد: ۲۶، الاسراء: ۳۰، الروم: ۳۷، سباء: ۳۶،

الزمر: ۵۲، الشوری: ۱۲

سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ان کی تفسیر کی طرف رجوع ضروری ہے۔“ [۱]

لیکن امام بغویؒ امام ابوسلیمان الخطابیؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ: ”فاقدروا لہ“ کا معنی تمیں کے اکمالی عدد سے اس کا قیاس یا اندازہ لگانا ہے۔ عربی میں کہا جاتا ہے: قَدَرْتُ الشیء اقدرہ، اور اقدرہ قدر، جس کے معنی قدرتہ تقدیراً ہیں، اور اسی سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُونَ﴾ [۲] (ترجمہ: پھر ہم نے اندازہ کیا، اور ہم کیا خوب اندازہ کرنے والے ہیں)۔ اور بعض اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ: اس سے مراد چاند کی منازل میں اس کی رفتار کے حساب سے اندازہ لگالو۔ یعنی منازلِ قمر سے اس کا اندازہ کرلو، کیونکہ یہ چیز تم پر دلالت کرے گی کہ مہینہ ۲۹ دن کا ہے یا ۳۰ دن کا۔ ابن سرتج کا قول ہے کہ: یہ خطاب ان کے لئے خاص ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس علم کے ساتھ بہرہ و درمایا ہے، اور آپ ﷺ کا قول: ”فاكملوا العدة“ عام لوگوں کے لئے ہے، جنہیں اس علم سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ لیکن پہلا قول ہی اولیٰ ہے، جیسا کہ دوسری روایت میں ہم نے نقل کیا ہے کہ: ”وَإِذَا رَأَيْتُمُ الْهَلَالَ فَصُومُوا، وَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَافْطُرُوا، فَإِنْ غَمَ عَلَيْكُمْ، فَصُومُوا ثَلَاثِينَ يَوْمًا“۔ [۳]

میں کہتا ہوں کہ اوپر جس قول کو اولیٰ قرار دیا گیا ہے وہی عراق، حجاز، شام اور مغرب (یعنی مراکش وغیرہ) کے جمہور فقہائے امصار کا مذہب ہے جن میں امام مالک، امام شافعی، امام اوزاعی، امام ثوری، امام ابو حنیفہ، اُن کے اصحاب اور عامۃ اہل الحدیث رحمہم اللہ شامل ہیں۔ علامہ مازنیؒ کا قول ہے کہ: ”جمہور فقہاء نے نبی ﷺ کے قول: ”فاقدروا لہ“ کی مراد کو ۳۰ دن کی مدت کے اکمال پر محمول کیا ہے، جیسا کہ دوسری حدیث میں مفسر ہے۔ اس قول سے علم نجوم وغیرہ سے اس کا حساب لگانا درست نہیں ہے۔ اگر انسانوں کو اس کا مکلف بنایا جاتا تو یہ ان پر ضیق و تنگی کا سبب ہوتا۔ کیونکہ اس علم کو صرف چند افراد ہی جانتے ہیں، اور شارع نے لوگوں کو صرف اسی چیز کا حکم فرمایا ہے جسے کہ جمہور جانتے ہیں۔“

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: ”پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ”فاقدروا لہ“ کے

متعلق علماء سے دو تاویلیں منقول ہیں۔ بعض دوسرے حضرات اس کی تیسری تاویل کی طرف بھی گئے ہیں، چنانچہ کہتے ہیں کہ: اس کا معنی یہ ہے کہ منازلِ قمر کے حساب سے اس کا اندازہ لگالو۔ یہ قول شافعیہ میں سے ابو العباس بن سرتج، تابعین میں سے مطرف بن عبد اللہ اور محدثین میں سے ابن قتیبہ رحمہم اللہ کا ہے۔ امام ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ: مطرف کی طرف اس قول کی نسبت درست نہیں ہے، اور جہاں تک ابن قتیبہ کا تعلق ہے تو وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں کہ جن پر ان جیسے معاملات میں توقف کیا جائے۔ کہتے ہیں: ابن خویز مندائے امام شافعی سے ابن سرتج کا استفسار نقل کیا ہے، لیکن امام شافعی سے وہی چیز معروف ہے کہ جس کے جہور قائل ہیں۔ علامہ ابن العربی نے ابن سرتج سے روایت نقل کیا ہے کہ قول: 'فاقدروا لہ' میں ان لوگوں کے لئے خطاب ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس علم کے ساتھ مخصوص بہرہ وافر فرمایا ہے، اور قول: 'فاكملوا العدة' میں عامۃ المسلمین کے لئے خطاب ہے۔ ابن العربی مزید فرماتے ہیں کہ: اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ان کے نزدیک رمضان کا وجوب مختلف الحال ہے۔ ایک قوم (یعنی لوگوں کی ایک جماعت) پر یہ شمس و قمر (علم نجوم و فلکیات) کے حساب کے مطابق واجب ہے، اور دوسروں پر باعتبار اعداد و شمار ایام۔ پھر کہتے ہیں کہ: و ہذا بعید عن النبلاء۔ حافظ ابن الصلاح کا قول ہے کہ: قمر کی منازل کی معرفت اصلاً چاند کی رفتار، اور اس کے سفر کے مختلف مدارج و احوال کی معرفت کا نام ہے۔ حساب کی معرفت ایک دقیق امر ہے، اور خال خال افراد ہی کو اس کی معرفت میں اختصاص ہوتا ہے۔ کہتے ہیں: پس امر محسوس سے منازلِ قمر کی معرفت کا ادراک ہوتا ہے، اور نجوم کا مراقبہ کرنے والے اس کا ادراک کرتے ہیں، اور یہی ابن سرتج کے قول کی مراد و منشاء ہے۔ یہ چیز انہوں نے اس علم کے جاننے والوں کے حق میں کہی تھی۔ اور الروایۃ نے ان سے نقل کیا ہے کہ: انہوں نے منازلِ قمر کے حساب پر رمضان کا واجب ہونا نہیں، بلکہ اس کا جواز بیان کیا تھا۔ الثقال اور ابی الطیب رحمہما اللہ نے بھی اسی چیز کو پسند کیا ہے، لیکن ابو اسحاق نے "المہذب" میں ابن سرتج سے ایسی صورت میں روزہ کا لزوم نقل کیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں، بالخصوص حساب اور منازلِ قمر پر نظر کرنے کے متعلق، متعدد آراء سامنے آئی ہیں جو اس طرح ہیں۔ اول: جواز، لیکن فرض کے لئے اس پر اکتفاء درست نہیں ہے؛ دوم: جائز ہے، اور فرض کے لئے بھی اس پر اکتفاء درست ہے؛ سوم: حساب لگانے والوں کے لئے جائز ہے، اور کفایت

بھی کرتا ہے۔ لیکن منجمن کے لئے نہ جائز ہے، اور نہ کفایت کرتا ہے؛ چہارم: حساب لگانے والوں کی تقلید میں دونوں کے لئے، اور ان کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی جائز ہے۔ لیکن منجمن کی تقلید میں یہ جائز نہیں ہے؛ پنجم: ان دونوں کے لئے، اور ان کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی مطلقاً جائز ہے۔ ابن الصبار کا قول ہے کہ: جہاں تک حساب سے اندازہ لگانے کا تعلق ہے تو یہ ہمارے اصحاب کے مابین بلا اختلاف لازم نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ: امام ابن المنذر نے ان سے قبل اس پر اجماع نقل کیا ہے، چنانچہ ”الاشراف“ میں فرماتے ہیں: شعبان کے تیسویں دن مطلع صاف ہونے کے باوجود اگر ہلال نظر نہ آئے تو اجماع امت کے مطابق اس دن کا روزہ واجب نہیں ہے۔ اکثر صحابہ اور تابعین سے، بہ صحت روایات، اس دن کے روزہ کی کراہت منقول ہے۔ اسی طرح انہوں نے اسے مطلق بتایا ہے، اور حساب لگانے والوں، اور ان کے علاوہ دوسروں میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ پس جنہوں نے ان کے مابین تفریق کی ہے، تو وہ اس سے ما قبل مجموعہ بالا جماع ہے۔“ [۱]

اسی طرح علامہ زرقانی نے بھی اس بارے میں کافی تفصیل کے ساتھ بحث فرمائی ہے، لکھتے ہیں کہ: ”ائمہ ثلاثہ اور جمہور کا قول یہ ہے کہ اس کا معنی تیس دنوں کے اتمام عدد سے اندازہ لگانا ہے۔ کہا جاتا ہے: ”قَدَرْتُ الشَّيْءَ“، ”أَقْدَرْتُه“ اور ”قَدَرْتُه“، اور اس کے معنی ’التقدير‘ ہیں، یعنی مہینہ کے پہلے دن کو دیکھ کر تیس دن کا حساب لگا لو، جیسا کہ اگلی حدیث میں مفسراً آیا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اس روایت کو یہ اشارہ کرنے کے لئے لائے ہیں کہ یہ مفسر ہے۔ اسی لئے آپ ان دونوں الفاظ کو ایک ہی روایت میں جمع نہیں کرتے، بلکہ کبھی اس کو ذکر کرتے ہیں، اور کبھی اس کو۔ ایک جماعت نے اس کا معنی ’ضيقوا له‘ یعنی اس کی تنگی کرنا، اور بادلوں کے تحت اس کا اندازہ لگانا، بھی بیان کیا ہے۔ یہ امام احمد وغیرہ کا قول ہے، جو ابرارِ اود رات کے باعث اگلے روز رمضان کا روزہ رکھنا جائز قرار دیتے ہیں۔ ابن سرتج کا قول ہے کہ: اس کا معنی یہ ہے کہ منازلِ قمر کے حساب سے اس کا اندازہ لگا لو۔ اسی طرح محدثین میں سے ابن قتیبہؒ اور تابعین میں سے مطرف بن عبد اللہ کا قول بھی یہی ہے۔ لیکن امام ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں

کہ: ”مطرف“ کی طرف اس قول کی نسبت درست نہیں ہے، اور جہاں تک ابن قتیبہ کا تعلق ہے تو وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں کہ جن پر ان جیسے معاملات میں توقف کیا جائے۔ کہتے ہیں کہ: ابن خوزیمہ نے امام شافعیؒ سے بھی اسے نقل کیا ہے، لیکن امام رحمہ اللہ سے جو چیز معروفاً منقول ہے وہ جمہور کے مثل ہی ہے۔ علامہ الباجیؒ نے داودیؒ سے بھی اس کی یہی تفسیر نقل کی ہے، اور کہتے ہیں کہ: مجھے معلوم نہیں ہے کہ امام شافعیؒ کے بعض اصحاب کے سواء کسی اور نے بھی ایسا کہا ہو کہ اس بارے میں منجھوں کے قول کا اعتبار ہوگا۔ لیکن ان پر اجماع حجت ہے۔ کیونکہ اگر کسی نے ایسا کیا بھی ہو تو بالآخر اس نے روایت کی طرف ہی رجوع کیا ہے، اور جو روزہ رکھا ہے اسے محض حساب کی بنیاد پر شمار نہیں کیا ہے۔ چنانچہ اگر یہ حساب کسی روزہ کی قضاء کا متقاضی ہوا تو انہوں نے اس کی قضاء کی ہے۔ اس سے قبل امام ابن المنذرؒ بھی اسی طرف گئے ہیں، چنانچہ کہتے ہیں کہ: اگر شعبان کے تیسویں دن مطلع صاف ہونے کے باوجود ہلال نظر نہ آئے تو اجماع امت کے مطابق اس دن کا روزہ واجب نہیں ہے۔ اکثر صحابہ اور تابعین سے، بہ صحت روایات، اس دن کے روزہ کی کراہت منقول ہے۔ اسی طرح انہوں نے اسے مطلق بتایا ہے، اور حساب لگانے والوں اور ان کے علاوہ دوسروں میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ پس جنہوں نے ان کے مابین تفریق کی ہے تو وہ اس سے باقبل مجون بالا جماع ہے۔ امام ابن عربیؒ نے ابن سرتج کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: قول: ”فاقدروا لہ“ میں ان لوگوں کے لئے خطاب ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس علم کے ساتھ مخصوص بہرہ ور فرمایا ہے، اور قول: ”فاکملوا العدة“ میں عامۃ المسلمین کے لئے خطاب ہے۔ امام ابن العربیؒ مزید فرماتے ہیں کہ: اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ان کے نزدیک رمضان کا وجوب مختلف الحال ہے۔ کچھ لوگوں پر یہ شمس و قمر (علم نجوم و فلکیات) کے حساب کے مطابق واجب ہے، اور دوسروں پر باعتبار اعداد و شمار ایام۔ پھر کہتے ہیں کہ: ”وہذا بعید عن النبلاء، اتھلی، بلکہ یہ تو حکم مجون بالا جماع ہے۔ اور امام ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں کہ: قمر کی منازل کی معرفت اصلاً چاند کی رفتار، اور اس کے سفر کے مختلف مدارج و احوال کی معرفت کا نام ہے۔ اور جہاں تک حساب کی معرفت کا تعلق ہے تو یہ ایک دقیق امر ہے، اور خال خال افراد ہی کو اس کی معرفت میں اختصاص ہوتا ہے۔ پس امر محسوس سے منزلی قمر کی معرفت کا ادراک ہوتا ہے، اور

نجوم کا مراقبہ کرنے والے اس کا ادراک کرتے ہیں۔ اور یہی ابن سرتج کے قول کی مراد و منشاء ہے۔ یہ چیز انہوں نے اس علم کے جاننے والوں کے حق میں، اور بالخصوص اپنے متعلق، کہی ہے۔ الروایاتی نے ان سے نقل کیا ہے کہ: انہوں نے منازلِ قمر کے حساب پر رمضان کا واجب ہونا نہیں، بلکہ اس کا جواز بیان کیا ہے۔ علامہ مازنی کا قول ہے کہ: جو لوگ اس کے معنی میں منجموں کے حساب کے قائل ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے احتجاج کرتے ہیں ﴿وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ﴾ [۱] (ترجمہ: اور ستاروں سے بھی لوگ راہ حاصل کرتے ہیں)، لیکن مشہور کے نزدیک یہ آیت دورانِ سفر خشکی اور سمندر میں راستہ پانے پر محمول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ: اس کی مراد منجموں کا حساب لینا صحیح نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر لوگوں کو اس بات کا مکلف ٹھہرایا جاتا تو یہ ان کے لئے باعثِ مشقت ہوتا۔ کیونکہ اس علم کو صرف چند لوگ ہی جانتے ہیں، اور شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ انسانوں کو صرف اسی چیز کا مکلف ٹھہرایا جاتا ہے جس کو کہ جما ہیر جانتے ہوں۔..... اور امام نوویؒ منجموں کے حساب پر عدمِ بناء کے قائل ہیں، کیونکہ یہ محض تخمینہ اور اندازہ ہی ہے، اور اس علم سے زیادہ سے زیادہ سمتِ قبلہ اور وقت وغیرہ ہی معلوم کیا جاسکتا ہے، الخ“۔ [۲]

شیخ الاسلام رحمہ اللہ مطرف بن الشخیر اور ابن سرتج رحمہما اللہ وغیرہ کے اقوال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ”بصری فقہاء کی ایک جماعت قول: ’فأقصدوا الہ‘ کے متعلق منازلِ قمر سے حساب کا اندازہ لگانے کی طرف گئی ہے۔ امام محمد بن سیرینؒ کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں اس دن گھر سے نکلا کہ جس کے بارے میں لوگ شک کرتے ہیں، تو میں ان لوگوں میں سے کہ جن سے علمِ دین اخذ کیا جاتا ہے جس کسی کے پاس بھی پہنچا تو اسے کھاتے ہوئے ہی پایا، سوائے ایک شخص کے جو کہ حساب کتاب کرتے اور اس سے روایتِ ہلال کا حکم اخذ کرتے تھے۔ اگر وہ یہ علم نہ جانتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ شخص مطرف بن عبد اللہ ابن الشخیرؒ تھے، جو کہ بہت جلیل القدر انسان تھے۔ پس اگر ان کے متعلق یہ بات درست ہو، تو یہ علماء کی لغزشوں میں سے ہے۔ یہ قول ابوالعباس بن سرتج کے بارے میں

بھی حکایت کیا گیا ہے۔ بعض مالکیہ نے امام شافعیؒ کے متعلق بھی اس کی حکایت کی ہے کہ علم نجوم اور منازلِ قمر سے استدلال ان کا مذہب تھا۔ اگر نجوم کی مدد سے ان پر یہ واضح نہ ہوتا کہ آج کی رات ہلال ہوا ہے، اور مطلع بھی ابر آلود ہوتا، تو وہ روزہ کا اعتقاد رکھنا درست سمجھتے تھے، اور اس کی نیت کرنا بھی جائز قرار دیتے تھے۔ لیکن اس بات کو امام شافعیؒ کی طرف منسوب کرنا باطل ہے۔ ان کی طرف اس قول کی نسبت کی کوئی اصل نہیں ہے، بلکہ جو چیز ان کی طرف سے محفوظ ہے وہ سب ائمہ کے مذہبوں کی طرح اس بات کے خلاف ہی ہے۔ اس چیز کی امام شافعیؒ کی طرف نسبت ابنِ سرتج نے حکایت کی ہے، جو کہ امام شافعیؒ کے اکابر اصحاب میں شمار ہوتے تھے، گویا کہ اپنے مذہب کی تائید میں انہوں نے یہ حکایت قائم کی ہو۔ [۱]

علامہ حافظ ابنِ قیم رحمہ اللہ نے بھی ”فائقہ والہ“ کی شرح میں بہت مفید بحث فرمائی ہے جو ان شاء اللہ آگے ”یومِ شک میں روزہ کا حکم“ کے زیرِ عنوان پیش کی جائے گی، و باللہ التوفیق۔

علامہ شوکانیؒ جمہور کا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ”اہل لغت کا قول ہے: کہا جاتا ہے: ”قَدَرَت الشیء اَقْدَرُہ“، اور ”اَقْدَرُہ“ سے مراد ”قَدَرَتہ و اَقْدَرَتہ“ ہے۔ ان سب کے معنی ایک ہی ہیں، اور یہ ”التقدیر“ سے ماخوذ ہے، جیسا کہ امام خطابیؒ نے بیان کیا ہے۔ شافعیہ، حنفیہ اور جمہور سلف و خلف کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ ۳۰ دن کے اتمام سے اس کا اندازہ لگالو۔ اس کا معنی وہ نہیں ہے جو کہ امام احمد بن حنبلؒ نے بیان کیا ہے کہ: بادلوں کے تحت اس کا اندازہ لگاؤ۔ کیونکہ اس قول کی رد میں وہ روایات کافی ہیں جن میں ۳۰ دن کے اتمام کی صراحت موجود ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ اس کا معنی وہ بھی نہیں ہے کہ جس کی ایک جماعت قائل ہے، اور ان میں ابنِ سرتج، مطرف بن عبد اللہ اور قتیبہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔ یہ حضرات کہتے ہیں: اس کا معنی یہ ہے کہ منازلِ قمر کے حساب سے اس کا اندازہ لگالو۔“ فتوح الباری“ میں ہے کہ: امام ابنِ عبد البرؒ کا قول ہے: ”مطرف کی طرف اس قول کی نسبت بہ صحت مروی نہیں ہے، اور ابنِ قتیبہؒ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں کہ ان جیسے معاملات میں ان پر توقف کیا

جائے۔ اور نہ ہی اس کا معنی وہ ہے جو کہ علامہ ابن العربیؒ نے ابن سرتج سے روایت کیا ہے کہ قول: 'فاقدروا لہ' میں ان لوگوں سے خطاب ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس علم کے ساتھ مخصوص بہرہ وافر فرمایا ہے، اور قول: 'فاكملوا العدة' میں عامۃ المسلمین کے لئے خطاب ہے۔ علامہ ابن العربیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: یہ قول وجوب رمضان کے مختلف فیہ ہونے پر مستلزم ہے۔ چنانچہ ایک جماعت پر چاند سورج کے حساب سے رمضان واجب ہو جاتا ہے، جب کہ دوسرے لوگوں پر دنوں کے اعداد و شمار کے حساب کے ذریعہ رمضان واجب ہوتا ہے۔ مزید کہتے ہیں کہ: یہ چیز بعید عن النبلاء ہے۔" [۱]

"المغنی" کے حاشیہ نگار علامہ محمد حامد الفقیؒ بیان کرتے ہیں کہ: "جمہور نے 'اقدروا لہ' کی تفسیر 'بالتضییق نہیں، بلکہ 'بالتقدیر' بیان کی ہے۔" [۲]

اور علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ فرماتے ہیں: "فاقدروا لہ" سے مراد یہ ہے کہ مہینہ کا اندازہ کر لیا کرو۔ علامہ طیبیؒ کا قول ہے کہ: جس ماہ میں تم ہو اس کے عدد کا اندازہ کر لیا کرو، اتنی۔ اور علامہ زرکشیؒ کا قول ہے کہ: شعبان کے دنوں کا اندازہ اس طرح محقق کیا کرو کہ اس کے ۳۰ دن پورے کر لو، اتنی۔ اور علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ: اگر کسی معاملہ میں غور و فکر یا نظر کی جائے تو کہا جاتا ہے: 'قدرت الامر کذا'، اتنی۔..... اور حافظؒ نے "فتح الباری" میں فرمایا ہے کہ: جمہور کا قول ہے کہ حدیث کے قول 'فاقدروا لہ' سے مراد یہ ہے کہ اول الشہر پر نظر کرو، اور (اس کے مطابق) ۳۰ دن کے اتمام کا حساب لگا لو۔ دوسری روایات جن میں اس امر کی تصریح ہے کہ ۳۰ دن کی مدت پوری کی جائے وہ اس تاویل کو رائج قرار دیتی ہیں، اور کسی حدیث کا وہ مفہوم جو دوسری حدیث سے مفسر ہو وہ اولیٰ ہوتا ہے۔" [۳]

اس بارے میں وارد چند اور روایات ہیں۔ اس بارے میں وارد چند اور روایات بھی ذیل میں پیش خدمت ہیں:

۱۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "قال: الصیام من رؤیة الهلال

[۲]۔ حاشیہ علی المغنی ۳/۹۰

[۱]۔ نیل الأوطار ۳/۱۱۲، ۱۱۳ وانظر فتح الباری ۳/۱۲۲

[۳]۔ عون المعبود ۲/۲۶۷ وانظر فتح الباری ۳/۱۲۱

إلى رؤيته، فإن خفي عليكم فثلاثين يوماً“ [۱]

۲۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”قال: قال رسول الله ﷺ: لا تقدموا، یعنی شہر رمضان، صوموا لرؤيته، وأفطروا لرؤيته، فإن غم عليكم، فأتّموا ثلاثين“ [۲]

۳۔ ابی بکرہ سے مروی ہے: ”قال: قال رسول الله ﷺ: صوموا لرؤيته، وأفطروا لرؤيته، فإن غم عليكم، فأكملوا العدة، قال: وقال رسول الله ﷺ الشهر هكذا وهكذا“ [۳]

۴۔ عدی بن حاتم سے مروی ہے: ”قال: قال رسول الله ﷺ: إذا جاء رمضان، فصم رمضان ثلاثين إلا أن ترى الهلال قبل ذلك“ [۴]

بعض مقتدر علماء کی آراء۔۔ قارئین گرامی کے اضافی فائدہ کے پیش نظر اب ذیل میں ہم اس بارے میں بعض محدثین اور مقتدر علماء کی آراء بھی پیش کرتے ہیں:

محدثین عظام نے اپنی متعدد قابلِ قدر تالیفات میں اس بارے میں مستقل ابواب قائم کئے ہیں جن میں سے چند یہاں بطور مثال پیش خدمت ہیں: ”باب قول النبی ﷺ: إذا رأيت الهلال فصوموا، وإذا رأيتموه فأفطروا“ [صحیح البخاری]، ”باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال، والفطر لرؤية الهلال، وأنه إذا غم في أوله أو آخره أكملت عدة الشهر ثلاثين يوماً“ [صحیح مسلم]، ”باب ما جاء في رؤية الهلال للصوم والفطر في رمضان“ [الموطأ]، ”باب ما جاء ان الصوم لرؤية الهلال والافطار له“ [جامع الترمذی]، ”باب الصوم لرؤية الهلال“ [سنن الدارمی]، ”باب الشهادة على رؤية الهلال“ [سنن الدارقطنی] اور ”باب

[۱]۔ قال الهيثمي في ”مجمع الزوائد“ ۱۳۶/۳: رواه الطبراني في ”الكبير“، ورجاله رجال الصحيح [۲]۔ قال الهيثمي في ”مجمع الزوائد“ ۱۳۶/۳: رواه الطبراني في ”الأوسط“، وفيه ابن اسحاق، وهو مدلس، ولكنه ثقة [۳]۔ قال الهيثمي في ”مجمع الزوائد“ ۱۳۵/۳: رواه البزار والطبراني في ”الكبير“، وفيه عمران بن داود القطان، وثقه ابن حبان وغيره، وفيه كلام [۴]۔ قال الهيثمي في ”مجمع الزوائد“ ۱۳۶/۳: رواه الطبراني في ”الكبير“، وفيه مجالد بن سعيد، وثقه النسائي، وضعفه جماعة

ما جاء في صوموا لرؤية الهلال، وافطروا لرؤيته“۔ [سنن ابن ماجہ] وغیرہ۔

اس بارے میں وارد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث کی شرح کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”لَيْسَ الْمُرَادُ بِهِ أَنَّهُ لَا يَصُومُهُ أَحَدٌ حَتَّى يَرَاهُ بِنَفْسِهِ (ترجمہ: اس حدیث کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ کوئی شخص خود ہلال دیکھے بغیر روزہ نہ رکھے)، بلکہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ: لَا يَصُومُهُ أَحَدٌ حَتَّى يَرَاهُ أَوْ يَرَاهُ غَيْرُهُ (ترجمہ: جب تک کوئی خود، یا دوسرا (معتبر شخص) ہلال نہ دیکھے لے روزہ نہ رکھے)۔ فی الجملہ اس کا تعلق عموم الہی کے باب سے ہے، نہ کہ نفی العموم کے باب سے۔ یعنی کوئی اس وقت تک روزہ نہ رکھے جب تک کہ (ہلال) نہ دیکھے لے، یا جب تک اسے اس بات کا علم نہ ہو جائے کہ رویت ہو گئی ہے، یا رویت ثابت ہو گئی ہے“۔ [۱]

علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ شوکانی نے بھی شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی تائید میں لکھا ہے کہ: ”فَلَا تَصُومُوا حَتَّى تَرَوْهُ“ کی مراد یہ نہیں ہے کہ ہر شخص کے روزے اس کی ذاتی رویت کے ساتھ معلق ہیں، بلکہ اس کی مراد کچھ لوگوں کی رویت ہے“۔ [۲]

کیوں کہ اگر حدیث کا مفہوم یہ ہو کہ جو شخص ہلال دیکھے صرف وہی روزہ رکھے تو نایبنا، یا وہ شخص جو ضعف بصارت کے سبب ہلال نہیں دیکھ سکتا، روزہ رکھنے کا مکلف نہیں ہوگا، حالانکہ آیت: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [۳] (ترجمہ: پس تم میں سے جو شخص اس ماہ کو پائے، وہ اس میں روزے رکھے) کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ سب لوگ بھی روزہ رکھیں۔

علامہ ابن رشد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”علماء کاس بات پر اجماع ہے کہ عربی مہینہ کبھی ۲۹ دن کا ہوتا ہے، اور کبھی ۳۰ دن کا۔ اور ماہ رمضان کی تحدید کے لئے رویت کا اعتبار کیا جاتا ہے، جیسا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ’صوموا لرؤيته، وافطروا لرؤيته‘، اور رویت سے میری مراد آنے والی کل کے مطلوبہ قمر کا ظہور اول ہے“۔ [۴]

امام ابن قیم فرماتے ہیں: ”نبی ﷺ کی سنت یہ تھی کہ آپ ﷺ رویت محققہ، یا کسی ایک گواہ کی شہادت کے بغیر رمضان کے روزے شروع نہیں فرماتے تھے، جیسے کہ آپ ﷺ نے

[۱]۔ مجموع فتاویٰ ۲۵/۱۷۷ [۲]۔ فتح الباری ۴/۱۲۳، نیل الأوطار ۳/۱۳۳

[۳]۔ البقرة: ۱۸۵ [۴]۔ بداية المجتهد ونهاية المقتصد ۲۸۲/۲۸۳

ابن عمرؓ کی اکیلی شہادت پر روزہ رکھا تھا [۱]، اور ایک بار ایک اعرابی کی شہادت پر بھی آپ ﷺ نے روزہ رکھا تھا [۲]۔ اگر رویت نہ ہوتی، اور نہ ہی اس کی کوئی شہادت ملتی، تو آپ ﷺ ماہ شعبان کے ۳۰ دن کی مدت پوری فرماتے تھے۔ [۳]

علامہ شیخ صالح بن فوزان بن عبد اللہ آل فوزان حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”ماہ رمضان کے دخول کا اثبات تین طرح سے ہوتا ہے۔ پہلا طریقہ - رویت ہلال: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [۴]، اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ”صوموا لرؤیتہ“۔ دوسرا طریقہ - رویت ہلال کی شہادت یا اس کی خبر دینا: پس ایک عادل مکلف فرد کی رویت سے روزہ رکھا جائے گا۔ اسی طرح عدل مکلف کی رویت ہلال کی خبر بھی کافی ہے، کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے: ”تراءى الناس الهلال، فأخبرت رسول الله ﷺ: أنى رأيته، فصام، وأمر الناس بصيامه“ [۵]۔ اور تیسرا طریقہ - ماہ شعبان کے تیس دن کی مدت کا پورا ہو جانا: یہ اس صورت میں ہے جب کہ شعبان کی تیسویں رات کو ابراہیم غبار میں سے مانع رویت کسی چیز کے وجود کے باعث، یا عدم وجود کے باوجود، ہلال نظر نہ آئے، کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ”إنما الشهر تسعة وعشرون يوماً، فلا تصوموا حتى تروا الهلال، ولا تفطروا حتى تروه، فإن غم عليكم فاقدروا له“، ومعنى ’اقدروا له‘ أى: اتموا شهر شعبان ثلاثين يوماً، لما ثبت فى حديث أبى هريرة: فإن غم عليكم، فعدوا ثلاثين“۔ [۶]

اسی طرح شیخ عبدالعزیز الحمد المسلمان (سابق مدرس فی معہد امام الدعوة بالریاض) لکھتے ہیں: ”رمضان کا روزہ اس ماہ کے ہلال کی رویت سے، یا شعبان کے تیس دن مکمل ہو جانے پر واجب ہے۔ رویت ہلال سے اس کے وجوب کی دلیل کتاب العزیز میں اللہ

[۱] - أخرجه أبو داود (۲۳۳۲) والدارقطنی، وسنده قوى، وصححه ابن حبان (۸۷۱) والحاكم ۴۳۱/۳، وأقره الذهبي [۲] - أخرجه الترمذی (۶۹۱) وأبو داود (۲۳۳۰) والنسائي ۱۳۲، ۱۳۱/۳ وابن ماجه (۱۶۵۲) وابن حبان (۸۷۰) والحاكم ۴۳۱/۳ وابن خزيمة (۱۹۲۳) من حديث سماك عن عكرمة عن ابن عباس [۳] - زاد المعاد ۳۶/۳۷ [۴] - البقرة: ۱۸۵ [۵] - رواه أبو داود وغيره، وصححه ابن حبان والحاكم [۶] - الملخص الفقهي ۲۶۲/۱-۲۶۳

تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [۱] اور سنت میں وارد عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول ہے: بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے

سنا ہے کہ: 'إذا رأيتموه فاصوموا، وإذا رأيتموه فافطروا، فإن غم عليكم فاقذروا، له'۔ [متفق علیہ] جہاں تک شعبان کے تیس دن مکمل ہونے سے اس کے وجوب کی دلیل کا تعلق ہے تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'صُومُوا لِرُؤْيَيْهِ، وَأَفْطَرُوا لِرُؤْيَيْهِ، فَإِنْ غَمَّ عَلَيْكُمْ، فَاصْكُمُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ' اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'صوموا لرؤيته، وأفطروا لرؤيته، فإن حال بينكم وبينه سحاب، فكمّلوا العدة ثلاثين، ولا تستقبلوا الشهر استقبالا'۔ [۲]۔ [۳]

آں محترم مزید فرماتے ہیں کہ: "اگر رویت ثابت ہو جائے، یا شعبان کے تیس دن مکمل ہو جائیں، تو تراویح پڑھی جائے گی۔ اگر طلاق اور غلام کی آزادی اس ماہ کے ساتھ معلق ہو، تو واقع ہو جائے گی، عدت اور ایلاء کی مدت تمام ہو جائے گی، اور اسی طرح دخول کے لئے معلق کی مہلت بھی پوری ہو جائے گی"۔ [۴]

جامعہ ازہر کے سابق استاذ شیخ سید سابق "مہینہ کا ثبوت کس طرح ہوگا" کے متعلق لکھتے ہیں: "اگر ایک عادل مسلمان نے ماہ شعبان کی انیسویں کا چاند (ہلال) دیکھا ہو، تو رمضان کے مہینہ کا ثبوت اس سے ہوگا، ورنہ پھر ماہ شعبان کی تیس تاریخ سے ہوگا"۔ [۵]

استاذی محترم شیخ ابو بکر الجزاری (المدرس فی الجامعة الاسلامیة وفی المسجد النبوی الشریف) حفظہ اللہ فرماتے ہیں: "ماہ رمضان کا دخول دو میں سے کسی ایک امر سے ثابت ہوتا ہے۔ ان میں سے پہلا امر: یہ ہے کہ سابقہ ماہ، یعنی شعبان، مکمل ہو جائے۔ پس اگر شعبان کے ۳۰ دن پورے ہو جائیں تو اکتیسواں دن قطعی طور پر رمضان کا پہلا دن ہوگا۔

[۱]۔ البقرة: ۱۸۵ [۲]۔ رواہ أحمد والنسائی والترمذی بمعناه، وصححه، ولفظ للنسائی: 'فاكملوا عدة شعبان' [۳]۔ الأسئلة والأجوبة الفقهية المقرونة بالأدلة الشرعية ۱۳۲/۲ - ۱۳۳ [۴]۔ الأسئلة والأجوبة الفقهية ۱۳۳/۲ - ۱۳۴ [۵]۔ فقه السنة (كتاب الصيام - مترجم) ص ۱۵ - ۱۶

اور ان میں سے دوسرا امر: یہ ہے کہ ماہ رمضان کا ہلال نظر آجائے۔ پس اگر شعبان کی تیسویں رات کو رمضان کا ہلال نظر آجائے تو ماہ رمضان داخل ہو جاتا ہے، اور اس ماہ کا روزہ واجب ہو جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [۱]، اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان بھی ہے کہ: اذا رايت الهلال، فصوموا، واذا رايتموه، فافطروا، فان غم عليكم، فاكملوا العدة ثلاثين يوما“۔ [۲]

شیخ محمد بن ابراہیم التویجری لکھتے ہیں: ”رمضان کا روزہ دو میں سے کسی ایک امر سے واجب ہوتا ہے: یا تو رمضان کے ہلال کی رویت سے جو کہ ایک عدل، مسلم، قوی البصر مرد یا عورت کو ہو، یا پھر شعبان کے تیس دن مکمل ہو جائیں“۔ [۳]

والد محترم شیخ محمد امین الأثری الرحمانی المبارکفوری رحمہ اللہ اپنی معرکتہ الآراء کتاب ”روزہ - احکام و مسائل“ میں فرماتے ہیں: ”..... اب عملی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رمضان کی ابتداء اور انتہاء کا تعین کس حساب سے ہوگا؟ کیونکہ مہینوں کے دنوں کی تعداد اور ان کی ابتداء و انتہاء کے بارے میں دنیا کے اندر ایک سے زیادہ طریقے رائج ہیں۔ شریعت اسلام نے اپنے احکام کے سلسلہ میں مہینوں کی ابتداء و انتہاء نیا چاند نکلنے سے متعین فرمائی ہے۔ چنانچہ ماہ رمضان کے روزوں کے بارے میں بھی اس کی یہی ہدایت ہے کہ رمضان کا چاند جب نظر آجائے تو روزے شروع کر دو، اور جب شوال کا چاند دکھائی دے جائے تو روزے ختم کر دو۔ آنحضرت ﷺ کا صاف ارشاد ہے کہ: ’صوموا لرؤیتہ، و فطروا لرؤیتہ‘۔ [بخاری و مسلم، باب رویت ہلال] (ترجمہ: رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھو، اور شوال کا چاند دیکھ کر ختم کر دو)۔“ [۴]

اور استاذی محترم شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”رمضان کا مہینہ ہو یا کوئی اور دوسرا مہینہ، سال کے تمام مہینوں کی ابتداء اور انتہاء میں نیا چاند نکلنے اور دیکھے جانے کا اعتبار ہے۔ جنتری اور کلیئدر اور فلکی حساب کا قطعاً اعتبار نہیں ہے۔ ارشاد نبوی ہے: ’صوموا لرؤیتہ، و فطروا لرؤیتہ‘ [صحیحین]۔“ [۵]

[۱]- البقرة: ۱۸۵ [۲]- منهاج المسلم ص ۳۹۳ [۳]- مختصر الفقہ الإسلامی ص ۵۳۵ [۴]- روزہ - احکام و مسائل ص ۳۰ [۵]- مجلۃ ”صوت الحق“ ج ۳ ش ۹ ص ۷، بحریہ ۵ مارچ ۱۹۹۱ء

مختصر یہ کہ جن کو ہلال نظر آ جائے، یا جن کو نظر نہ آئے مگر اُن تک شہادت کے اثبات کی خبر پہنچ جائے، اُن پر روزہ اور افطار لازم ہو جاتا ہے۔ اگر مطلع ایر آلود ہو، یا غبار کی وجہ سے ہلال نظر نہ آئے، اور نہ ہی کوئی شہادت پہنچے، تو پھر شعبان کے اور اسی طرح رمضان کے بھی تیس دن پورے کرنے ہوں گے، جیسا کہ مذکورہ بالا احادیث سے مستفاد ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم بعض دیگر احادیث میں ماہ شعبان کے دنوں کے اعداد و شمار نیز اس کی محافظت کی تاکید بھی پاتے ہیں، جیسا کہ ان شاء اللہ آگے ”ہلال شعبان کی نگرانی، اور ایام شعبان کے شمار کا اہتمام“ کے زیر عنوان بیان کیا جائے گا، وبالله التوفیق۔

نصاب رویت و شہادت

ہلال رمضان کی شہادت کا نصاب: امام ابو حنیفہؒ کے مشہور قول کے مطابق ہلال رمضان کے لئے ایک آدمی کی شہادت صرف اس صورت میں کافی ہو سکتی ہے جب کہ مطلع صاف نہ ہو، اور ابر یا غبار وغیرہ چھایا ہو، یا گواہی دینے والا شخص بستی کے باہر یا کسی بلند علاقہ سے آیا ہو۔ لیکن اگر مطلع بالکل صاف ہو، اور ہلال دیکھنے والا شخص بستی کے باہر یا کسی بلند مقام سے آکر گواہی نہ دے رہا ہو، بلکہ اسی بستی میں رہ کر ہلال دیکھنے کا دعویٰ کر رہا ہو، تو ایسی صورت میں اگر اس کے علاوہ بستی کے دوسرے لوگوں نے ہلال نہ دیکھا ہو تو اس کی شہادت کی بناء پر ہلال ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ ایسی صورت میں ہلال کو دیکھنے والوں کی تعداد اتنی ہونی چاہئے کہ جن کی شہادت پر اطمینان ہو جائے، جیسے کہ جم غفیر۔ لیکن امام رحمہ اللہ ہی سے مروی ایک دوسرے قول میں یہ بھی ہے کہ رمضان کے ہلال کے ثبوت کے لئے ایک دیندار اور قابل اعتماد مسلمان کی شہادت بہر حال کافی ہے۔ لیکن آپ کا مشہور قول وہی ہے جو کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ جب کہ جمہور ائمہ کا قول ہے کہ رمضان کے بارے میں ایک عادل مسلمان کی شہادت بہر طور کافی ہے، چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کی شہادت پر روزہ رکھا، اور دوسروں کو بھی ایک شہادت پر روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا۔ ذیل میں ہم اس بارے میں جملہ دلائل اور فقہاء اور محدثین کی آراء پیش کرتے ہیں:

۱۔ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْوِيٍّ هُوَ كَقَوْلِهِ: "قَالَ: جَاءَ أَخُو أَبِي إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ الْهَلَالَ (يعني: رَمَضَانَ)، فَقَالَ: أَتَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: أَتَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: يَا بِلَالُ! أَدْنِ فِي النَّاسِ أَنْ يَصُومُوا غَدًا"۔ [۱] (ترجمہ: کہا کہ ایک بدوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

[۱]۔ رواہ ابو داود مع العون ۲۷۴/۲ والترمذی مع التحفة ۳۴/۲ والنسائی ۱۳۲/۲ وابن ماجہ (۱۶۵۲) والدارمی ۳۳۰/۱ والبیہقی ۲۱۱/۳ والبیہقی فی "شرح السنة" =

حاضر ہوا، اور اس نے بتایا کہ میں نے ہلال (یعنی رمضان کا ہلال) دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تو لا إله إلا الله کی گواہی دیتا ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا: کیا تو محمد رسول الله کی گواہی بھی دیتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے ہلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کر دو کہ کل سے روزہ رکھیں)

امام دارقطنیؒ نے تقریباً سات طرق سے بالفاظ ومعانی متقارب اس کی روایت کی ہے، اور امام منذریؒ نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔ چنانچہ شارح ابوداؤد علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ فرماتے ہیں کہ: ”سکت عنه المنذری“۔ [۱] لیکن علامہ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ”ضعیف“ ہے۔ [۲]

ابن عباسؓ کی اس حدیث کے متعلق امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: ”حدیث ابن عباس فیہ اختلاف، وروی سفیان الثوری وغیرہ عن سماک بن حرب عن عکرمہ عن النبی ﷺ مرسلًا، وأكثر أصحاب سماک رَوَوْا عن سماک عن عکرمہ عن النبی ﷺ مرسلًا، والعمل علی هذا الحديث عند أكثر أهل العلم؛ قالوا: تقبل شهادة رجل واحد فی الصیام، وبہ یقول ابن المبارک والشافعی وأحمد، وقال اسحاق: لا یصام إلا بشهادة رجلین، ولم یختلف أهل العلم فی الإفطار، انه لا یقبل فیہ إلا شهادة رجلین“۔ [۳] (ترجمہ: ابن عباسؓ کی حدیث کے بارے میں اختلاف ہے۔ سفیان الثوریؒ وغیرہ نے اسے بطریق سماک بن حرب عن عکرمہ عن النبی ﷺ مرسلًا روایت کیا ہے۔ اکثر اصحاب سماک نے اسے عن سماک عن عکرمہ عن النبی ﷺ

= ۲۳۳/۶ وابن حبان (۳۴۶/۱) والحاکم ۴۲۴/۱، وقال: هذا الحديث صحيح، احتج البخاری بأحادیث عکرمہ، واحتج مسلم بأحادیث سماک بن حرب، ووافقه الذهبی، واخرجه الدارقطنی مع التعليق ۱۵۷/۲-۱۵۹ وابن جارود فی ”المنتقى“ (۳۸۰، ۳۷۹) والطحاوی فی ”مشکل الآثار“ ۲۰۱/۱-۲۰۲ وابن الجوزی فی ”التحقیق“ ۷۸-۷۷/۲ [۲]۔ انظر ضعيف سنن الترمذی ص ۷۸ (۱۰۸)، ضعيف سنن أبي داود ص ۲۳۳ (۵۰۷)، ضعيف سنن النسائی (۱۲۱)، ضعيف سنن ابن ماجه (۳۶۳)، المشكاة المصابيح بتحقيقه (۱۹۷۸)، إرواء الغلیل ۱۵/۳ (۹۰۷) [۳]۔ جامع الترمذی مع التحفة ۳۵-۳۳/۲

مرسل ہی روایت کیا ہے۔ بیشتر اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ (رمضان کے) روزہ (کی رویت) کے متعلق ایک (مسلم عادل) مرد کی شہادت قبول کی جائے گی۔ یہی امام ابن مبارکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا قول ہے۔ مگر امام اسحاقؒ کا قول ہے کہ دو مردوں کی شہادت کے بغیر روزہ نہیں رکھا جائے گا۔ اہل علم کا افطار (ہلال عید) کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس بارے میں دو مردوں کی گواہی ہی قابل قبول ہے۔“

علامہ عبدالرحمن محدث مبارکپوری رحمہ اللہ امام ترمذیؒ کے قول: ”واکثر اصحاب سماک رووا عن سماک عن النبی ﷺ مرسل“ کی شرح میں لکھتے ہیں: ”امام نسائی کا قول ہے: (ای: المرسل) اولی بالصواب، وسماک إذا تفرد بأصل لم یکن حجة (لأن سماکاً کان یلقن فیتلقن)، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے ”تلخیص الحبیئر“ میں بیان کیا ہے۔ حافظ رحمہ اللہ ”بلوغ المرام“ میں فرماتے ہیں: رواہ الخمسة، وصححه ابن خزيمة وابن حبان، ورجح النسائی ارساله، اتھلی (ترجمہ: یہ بروایت خمسہ وارد ہے۔ امام ابن خزیمہؒ اور امام ابن حبانؒ نے اس کو صحیح کہا ہے، اور امام نسائیؒ نے اس کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے)۔“ [۱]

جہاں تک امام عبداللہ ابن مبارکؒ اور امام شافعیؒ کے متعلق امام ترمذیؒ کے منقولہ بالا قول کا تعلق ہے تو بصراحت محدث مبارکپوریؒ: ”امام شافعیؒ کے دو اقوال میں سے ایک قول یہی ہے کہ ہلال رمضان کے لئے ایک مسلم عادل مرد کی گواہی قبول کی جائے گی۔ امام نوویؒ نے اسی قول کو اصح قرار دیا ہے۔ امام احمدؒ کے علاوہ امام ابو حنیفہؒ بھی اسی چیز کے قائل ہیں، بلکہ جمہور کا قول بھی یہی ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے ”فتح الباری“ میں بصراحت بیان کیا ہے۔ یہ تمام لوگ ابن عمرؓ کی (آگے آنے والی) حدیث الباب سے استدلال کرتے ہیں۔“ [۲]

۲۔ اس بارے میں عن حماد بن سلمة عن یساک بن حرب عن نکرمة ایک دوسری حدیث اس طرح وارد ہے: ”انهم شَكُّوا في هلال رمضان مرة، فارادوا ان لا

[۱]۔ تحفة الأحوذی ۳۴/۲، وكذا في بلوغ المرام (مترجم) ص ۲۱۷ ونیل الأوطار ۱۰۸/۳ ونصب الرایة ۳۳۵/۲، ۳۳۳-۳۳۴ والتعلیق المغنی ۱۶۰/۲ (ملخصاً) وعون المعبود ۲۷۴/۲ (ملخصاً) [۲]۔ تحفة الأحوذی ۳۳/۲

يقوموا، ولا يصوموا، فجاء أعرابی من الحرّة، فشهد انه رأى الهلال، فأتى به
النبي ﷺ، فقال: أتشهد أن لا إله إلا الله وإني رسول الله؟ قال: نعم، وشهد انه
رأى الهلال، فأمّر بلالاً، فنادى في الناس أن يقوموا، وأن يصوموا“۔ [۱] (یعنی
پھر آپ ﷺ نے بلالؓ کو حکم دیا، لہذا انہوں نے لوگوں میں قیام کرنے، اور روزہ رکھنے کا اعلان
فرمادیا)

علامہ محمد ناصر الدین الألبانی نے اس حدیث کو ”ضعیف“ قرار دیا ہے [۲]۔ اس
حدیث کے جملہ طرق اور اس کے مرسل یا مسند ہونے کی تفصیلات کے لئے ”نصب الراية“
[۳] اور ”التحقیق فی احادیث الخلاف“ [۴] وغیرہ کا مراجعہ مفید ہوگا۔ مثل کہتا ہوں
کہ آگے پیش کی جانے والی ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث اس کے لئے شاہد ہے، اور اس کو
تقویت دیتی ہے، چنانچہ امام ابن حبانؒ کا قول ہے: ”ومن زعم أن هذا الخبر تفرد به
سماك، وأن رفعه غير محفوظ، فهو مردود بحديث ابن عمر، الخ“۔ [۵]

۳۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ”قَالَ: تَرَأَى النَّاسَ الْهَلَالَ،
فَأَخْبَرْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ: إِنِّي رَأَيْتُهُ، فَصَامَ، وَأَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهِ“۔ [۶] (ترجمہ:
کہتے ہیں کہ: لوگ ہلال دیکھنے میں لگے، پس میں نے رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ: میں نے ہلال
دیکھا ہے، تو خود آپ ﷺ نے روزہ رکھا، اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا)

میں کہتا ہوں کہ: اس کی اسناد قوی ہے۔ امام ابن حبانؒ اور امام حاکمؒ نے اس کی
صحت بیان کی ہے، چنانچہ امام حاکمؒ فرماتے ہیں: ”یہ حدیث امام مسلمؒ کی شرط پر صحیح ہے، لیکن
شیخین نے اس کی تخریج نہیں فرمائی ہے“۔ امام ذہبیؒ نے اس قول کی ”توقیر“ فرمائی ہے۔ امام

[۱]۔ رواه أبو داود مع العون ۲/۲۷۴، وقال: رواه جماعة عن سماك عن عكرمة مرسلًا،
ولم يذكر القيام أحدًا إلا حماد بن سلمة، وأخرجه الدارقطني مع التعليق ۲/۱۵۹ [۲]۔ انظر
ضعيف سنن أبي داود ص ۲۳۳ (۵۰۸) [۳]۔ نصب الراية ۲/۳۳۳-۳۳۴ [۴]۔
التحقیق فی احادیث الخلاف ۲/۷۷-۷۸ [۵]۔ کذا فی نصب الراية ۲/۳۳۵-۳۳۶ [۶]۔
رواه أبو داود مع العون ۲/۲۷۴، والدارقطني مع التعليق ۲/۱۵۶، وقال: تفرد به
مروان بن محمد عن ابن وهب، وهو ثقة، وكذا أخرجه ابن حبان (۸۷۱) والحاكم
۱/۳۳۳ والدارمی ۱/۳۲۹ والبيهقی ۳/۲۱۲ وابن الجوزی فی ”التحقیق“ ۲/۷۸

ابن حزمؒ نے بھی اس کی ”صحیح“ فرمائی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: ”یہ خبر صحیح ہے۔“ [۱] امام ابن حجرؒ نے ”تلخیص الحبیر“ [۲] میں، اور امام شوکانیؒ نے ”نبیل الأوطار“ [۳] میں اس کی ”توقیر“ فرمائی ہے۔ علامہ اللالبانیؒ نے بھی ”الإرواء“ [۴] میں اس کی ”صحت“ بیان کی ہے۔ اس بارے میں عمر بن الخطابؓ کے ایک اثر میں مروی ہے کہ: ”ایک شخص عمرؓ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ: میں نے رمضان کا ہلال دیکھا ہے۔ اس پر عمرؓ نے اس سے دریافت کیا کہ: کیا تمہارے ساتھ کسی اور نے بھی ہلال دیکھا ہے؟ اس نے کہا کہ: نہیں۔ عمرؓ نے پوچھا کہ: پھر تم نے کیا کیا؟ اس نے جواب دیا کہ: میں نے لوگوں کے روزہ رکھنے کی وجہ سے روزہ رکھا ہے۔ عمرؓ نے فرمایا کہ: تم تو اچھے خاصے فقیہ ہو۔“ [۵]

امام بغویؒ فرماتے ہیں: ”ایک شہادت پر روزہ کے وجوب کے بارے میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے۔ اکثر اہل علم اکیلی شہادت پر روزہ کے وجوب کی طرزف گئے ہیں۔ یہ قول امام ابن مبارکؒ، امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے دو اقوال میں سے ایک ہے۔ اگر آسمان ابراہیمؑ کو دہو تو امام ابو حنیفہؒ کا قول بھی یہی ہے۔ یہ لوگ ابن عباسؓ کی اوپر ذکر کی گئی حدیث اور ابن عمرؓ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں..... اسی طرح علیؓ کے متعلق مروی ہے کہ: ایک شخص نے ان کے پاس ہلال رمضان کی شہادت دی، تو انہوں نے خود روزہ رکھا، اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ پھر فرمایا کہ: أصوم يوماً من شعبان أحبَّ إليَّ من أن أفطر يوماً من رمضان (یعنی میرے لئے شعبان کا ایک روزہ رکھ لینا رمضان کا ایک روزہ چھوڑنے سے زیادہ پسندیدہ ہے)۔“ [۶]

میں کہتا ہوں کہ علی رضی اللہ عنہ کا مذکورہ بالا اثر فاطمہ بنت الحسین سے اس طرح مروی ہے: ”أن رجلاً شهد عند علي بن أبي طالب رضي الله عنه على رؤية هلال رمضان، فصام، وأمر الناس أن يصوموا، وقال: أصوم يوماً من شعبان أحب إلي من أن أفطر يوماً من رمضان“۔ [۷] لیکن اس اثر کے متعلق حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ”فیہ

[۱]۔ المحلی ۲۳۶/۶ [۲]۔ تلخیص الحبیر ۱۸۷/۲ [۳]۔ نبیل الأوطار ۱۰۸/۳

[۴]۔ الإرواء ۱۶/۳ [۵]۔ المصنف لعبد الرزاق ۱۶۸/۳ [۶]۔ شرح السنة

۲۳۳/۶ [۷]۔ رواہ الشافعی فی کتاب ”الأم“ ۸۰/۲ والدارقطنی مع التعليق =

انقطاع“۔ [۱]، اور علامہ شوکانی فرماتے ہیں: ”یہ فاطمہ بنت الحسین کی علیؑ سے روایت ہے، حالانکہ انہوں نے علیؑ کو نہیں پایا تھا۔ پس یہ روایت منقطع ہوئی“۔ [۲]

لیکن عثمانؓ ہلالی رمضان اور ہلالی شوال دونوں کی روایت کے اثبات کے لئے کم از کم دو گواہوں کا ہونا ضروری سمجھتے تھے۔ [۳] اور اس کے ساتھ ہی ساتھ آپ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ بھی ضروری تھا کہ ہلال شوال کی روایت کا ثبوت رات ہی کو بہم پہنچے، تاکہ اگلے دن لوگ روزہ نہ رکھیں۔ [۴]

ہلالی رمضان کی شہادت کے نصاب کے بارے میں امام خطابؒ فرماتے ہیں: ”ہلالی رمضان کی روایت کے لئے ایک عادل گواہ کی شہادت مقبول ہے۔ ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ کا قول بھی یہی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ بھی ہلالی رمضان کی شہادت میں ایک عادل مرد کی گواہی کو جائز قرار دیتے ہیں، خواہ وہ غلام ہی ہو۔ اسی طرح وہ ایک عورت کی گواہی کو بھی جائز سمجھتے ہیں، اگرچہ وہ باندی ہی ہو۔ لیکن ہلالی فطر میں اسے جائز نہیں سمجھتے..... امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ اور امام اسحاق بن راہویہؒ کہتے تھے کہ: دو عادل گواہوں کی شہادت سے کم گواہی نہ تو ہلالی ماہ رمضان کے بارے میں قبول کی جائے گی، اور نہ ہی ہلالی فطر کے متعلق۔ ابن عمرؓ کا قول: نراء ی الناس الهلال، فاختبرث رسول اللہ ﷺ..... روایت ہلال کے بارے میں آپ ﷺ کا ان کے اس اکیلے قول کو قبول کرنا اخبار اللہ کی قبولیت کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس بارے میں کوئی فرق نہیں ہے کہ خبر مفرد عن الناس اکیلا ہے، یا لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ تو ہے، مگر اس کے اصحاب خبر دینے میں اس کے ساتھ شریک نہیں ہیں“۔ [۵]

امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ: ”رمضان کا روزہ ایک شاہد سے واجب ہو جاتا ہے، لیکن امام مالکؒ اور امام داؤدؒ کہتے ہیں کہ ایک گواہ سے روزہ واجب نہیں ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ سے ہر دو مذاہب کی طرح اقوال منقول ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ اگر آسمان میں (ابر یا غبار کی
= ۱۷۰/۲ و کذا فی المجموع ۳۱۳/۶، ۳۶۲، والمغنی ۹۰/۳ [۱]۔ تلخیص الحبیر،
ص ۱۹۷ [۲]۔ نیل الأوطار ۱۱۷/۳ [۳]۔ کذا فی المصنف لعبد الرزاق ۱۶۷/۲ والمغنی
۱۵۷/۳ [۴]۔ کذا فی المجموع ۳۰۰/۶ [۵]۔ کذا فی عون المعبود ۲۷۴/۲

کوئی) علت ہو تو ایک شاہد کی گواہی قبول کی جائے گی، لیکن اگر کوئی علت نہ ہو تو جَم غفیری شہادت کے بغیر رویت قبول نہیں کی جائے گی (پھر امام ابن الجوزیؒ تائید ابن عباس، ابن عمر، طاؤس، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کی احادیث و آثار نقل کرتے ہیں.....، اور کہتے ہیں:) وہ لوگ جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں یہ ہیں:..... (پھر امیر مکہ اور عبدالرحمن بن زید کی ”ہلال شوال کی شہادت کا نصاب“ کے تحت آگے پیش کی جانے والی احادیث نقل کرتے ہیں)۔ [۱]

جہاں تک امام شافعیؒ سے ہر دو مذاہب کی موافقت میں اقوال منقول ہونے کا تعلق ہے تو اس بارے میں علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں: ”امام شافعیؒ کے دو اقوال میں سے ان کے اصحاب کے نزدیک آپؐ کا مشہور اور صحیح تر قول ایک شہادت کی بنیاد پر رمضان کے روزہ کا حکم ثابت ہونا ہی ہے۔ لیکن ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ دو عادل گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے۔ کتاب ”الایم“ میں آپ کا قول ہے کہ: ہلال رمضان پر دو شاہدوں کی گواہی ہی جائز ہے، اور سب کے نزدیک شوال کا اثبات ایک گواہی سے نہیں ہوتا، سوائے امام ابو ثورؒ کے“۔ [۲]

امام ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”امام احمدؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ ہلال رمضان کے بارے میں ایک عادل گواہ کی شہادت قبول کی جائے گی، اور اس کی شہادت پر لوگوں پر روزہ لازم ہوگا۔ عمر، علی اور ابن عمر رضی اللہ عنہم نیز ابن مبارک اور صحیح روایت کے مطابق امام شافعیؒ رحمہما اللہ کا قول بھی یہی ہے۔ امام احمدؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میرے نزدیک دو گواہوں کی شہادت زیادہ پسندیدہ ہے۔ ابو بکر کا قول ہے کہ: اگر کوئی شخص تنہا ہلال دیکھ لے، پھر شہر آ کر اس کی خبر دے تو لوگ اس کی شہادت پر روزہ رکھیں، جیسا کہ حدیث میں مروی ہے۔ لیکن کوئی شخص لوگوں کی جماعت میں رہنے کے باوجود اکیلا یہ دعویٰ کرے کہ، اگرچہ لوگوں نے نہیں، مگر اس نے ہلال دیکھا ہے، تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ بلکہ اس کے لئے دو گواہ درکار ہوں گے، کیونکہ جو چیز وہ شخص دیکھتا ہے، وہی چیز دوسرے تمام لوگ بھی دیکھتے ہیں۔ اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ: دو گواہوں کی شہادت ہی قبول کی جائے گی۔ یہی قول امام مالک، امام لیث، امام اوزاعی اور امام اسحاق رحمہم اللہ کا بھی ہے۔ اس کی وجہ عبدالرحمن بن

زید بن الخطاب سے مروی یہ حدیث ہے: (پھر ”سنن النسائی“ کے حوالہ سے ”ہلال شوال کی شہادت کا نصاب“ کے تحت آگے پیش کی جانے والی حدیث ذکر کرتے ہیں)۔ اور اس لئے بھی کہ یہ گواہی اصلاً ہلال دیکھنے کی ہوتی ہے، جو کہ ہلال شوال کی شہادت کے مشابہ ہی ہے۔ مطلع ابراؤد ہونے کی صورت میں امام ابوحنیفہؒ کا قول بھی ہمارے قول ہی کی طرح (یعنی اکیلی شہادت کے اعتبار کا) ہے، مگر مطلع صاف ہونے کی صورت میں ان کے نزدیک: صرف جم غفیر کی گواہی ہی قبول کی جائے گی، کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ لوگوں کا ایک گروہ مطلع ہلال کو دیکھے، سب کی بیبائیاں بھی درست ہوں اور مانع رویت اسباب، مثلاً بادل یا غبار وغیرہ، بھی موجود نہ ہوں، پھر بھی صرف ایک شخص ہی ہلال دیکھ سکے، اور باقی لوگ اسے نہ دیکھ پائیں۔

لیکن ہمارے لئے ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیثیں جنت ہیں (پھر ابو داؤد، نسائی اور ترمذی کے حوالہ سے ابن عباسؓ کی، اور ابو داؤد ہی کے حوالہ سے ابن عمرؓ کی مذکورہ بالا حدیثیں نقل کرتے ہیں)۔ اور یہ بات بھی دلیل ہے کہ یہ گواہی روزہ کی فرضیت کے وقت کی خبر ہوتی ہے، جس کے علم کا ذریعہ مشاہدہ ہی ہے۔ لہذا نماز کا وقت شروع ہونے کی خبر کی طرح اس کی شہادت بھی قبول کی جائے گی۔ اور اس لئے بھی کہ اس دینی خبر میں خود خبر دینے والا، اور جن لوگوں کو خبر دی جائے، سبھی مشترک ہوتے ہیں۔ لہذا کسی حدیث کی روایت کی طرح اس بارے میں بھی ایک عادل کا قول قبول کیا جائے گا، الخ“۔ [۱]

اور امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ: ”اس باب کی یہ دونوں حدیثیں (حدیث ابن عمرؓ و حدیث ابن عباسؓ) اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ماہ رمضان کے دخول کے لئے اکیلی شہادت قابل قبول ہے۔ اس کی طرف امام ابن مبارکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ گئے ہیں۔ امام نوویؒ کہتے ہیں کہ: یہی صحیح تر قول ہے۔ مؤید باللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور ”البحر“ میں امام صادقؒ، امام ابوحنیفہؒ اور مؤید باللہ کا ایک قول منقول ہے کہ: مطلع ابراؤد ہونے کی صورت میں ایک شخص کی گواہی دوسروں سے ہلال کے مخفی رہنے کے احتمال کی بناء پر قبول کی جائے گی (یعنی اس احتمال کی بناء پر کہ مطلع صاف نہ ہونے کے باعث

ممکن ہے کہ سب کو ہلال نظر نہ آسکا ہو، لیکن مطلع صاف ہونے کی صورت میں ہلال کے خفاء کا احتمال موجود نہ ہونے کے باعث ایک جماعت کی شہادت ہی قبول کی جائے گی (کیونکہ دریں صورت ہلال کے خفاء کا تصور بعید از عقل ہے)۔ [۱]

خلاصہ یہ کہ مذکورہ بالا تینوں حدیثوں اور جمہور محدثین و فقہاء کی آراء سے واضح ہوتا ہے کہ ماہ رمضان کے دخول کے لئے ایک عادل مسلمان کی شہادت ہی کافی ہے۔ جہاں تک اس بارے میں امام صادقؑ، امام ابو حنیفہؒ اور مؤید باللہ کے مذکورہ بالا قول کا تعلق ہے تو میرے نزدیک یہ قول محتاج دلیل ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس قول کی تردید میں نہایت نفیس بحث فرمائی ہے جو اوپر ”بہتر رویت ہلال کے لئے بعض موافق و مضر عوائل“ کے زیر عنوان گزر چکی ہے۔ مزید تائید و تاکید کے لئے آگے ”نصاب رویت کے متعلق ایک عمومی اعتراض“ کے زیر عنوان علامہ ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ کے قول کی طرف رجوع کرنا بھی مفید ہوگا۔

ہلال رمضان کے نصاب شہادت کے متعلق اختلاف و اعتراضات کا جائزہ: جمہور کی رائے کے خلاف ہلال رمضان اور شوال دونوں کے لئے امام مالکؒ کا قول مشہور ہے کہ: ”لا یصام ولا یفطر إلا بشهادة عدلین“۔ [۲] جب کہ اس بارے میں امام شافعیؒ سے ہر دو طرح منقول ہے۔ امام دارقطنیؒ روایت کرتے ہیں کہ: ”امام شافعیؒ نے کہا کہ: اگر عامۃ المسلمین ہلال رمضان نہ دیکھ پائیں، لیکن کوئی ایک عادل شخص اسے دیکھ لے، تو میری رائے یہ ہے کہ میں اسے اثر اور احتیاط کے پیش نظر قبول کر لوں۔ لیکن ایک دوسرے قول میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: رمضان پر دو شاہدوں کی گواہی کے بغیر رویت کا اثبات جائز نہیں ہے۔ امام شافعیؒ مزید فرماتے ہیں کہ: ہمارے بعض اصحاب کا قول ہے کہ: لا أقبل علیہ إلا شاہدین، وهو القیاس علی کل مغیب“۔ [۳]

امام بخاریؒ فرماتے ہیں: ”امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ اور امام اسحاقؒ ہلال شوال پر قیاس کرتے ہوئے اس طرف گئے ہیں کہ ہلال رمضان بھی دو عادل گواہوں کی شہادت کے بغیر ثابت

[۱]۔ نیل الأوطار ۱۰۸/۳ [۲]۔ کما فی نصب الرایۃ ۴۴۵/۲ [۳]۔ سنن الدارقطنی مع لیق ۱۷۰/۲

نہیں ہوتا، اور امام شافعی کا بظاہر قول بھی یہی ہے۔ [۱]

اسی طرح امام شوکانی اور محدث مبارکپوری رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ: ”امام مالک، امام لیث، امام اوزاعی، امام ثوری اور ایک قول کے مطابق امام شافعی اور ہادیہ کہتے ہیں کہ ماہ رمضان کے دخول کے لئے ایک شہادت قبول نہیں کی جائے گی، بلکہ اس بارے میں دو افراد کی گواہی معتبر ہے۔ یہ لوگ عبدالرحمن بن زید بن الخطاب کی (پیش آئندہ) حدیث سے استدلال کرتے ہیں، جس میں ہے کہ: فلان شہد شاهدان مسلمان، فصوموا وأفطروا، اور آگے آنے والی حدیث امیر مکہ بھی ان کا متدل ہے، جس میں مذکور ہے کہ: فلان لم نره، وشہد شہدا عدل۔ ان دونوں حدیثوں کا ظاہر بتاتا ہے کہ اس بارے میں دو شہادتوں کا اعتبار ہوگا۔“ [۲]

آگے ”ہلال شوال کی شہادت کا نصاب“ کے زیر عنوان آنے والی عبدالرحمن بن زید اور حارث بن حاطب وغیرہا کی حدیثوں سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہلال رمضان کے لئے بھی کم از کم دو گواہوں کا نصاب ہے، جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کی جن سابقہ احادیث میں ایک گواہ کا ذکر ہے ان میں دوسرے گواہ کی نفی مذکور نہیں ہے، لہذا اس بات کا احتمال ہے کہ ان کی شہادت سے پہلے بھی رسول اللہ ﷺ کو کسی دوسرے شخص سے اس روایت کی خبر مل چکی ہو، یا بقول امام شوکانی: ”بعض لوگوں نے ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کی سابقہ ان حدیثوں کی یہ تاویل کی ہے: ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ان دونوں (یعنی ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ) کے علاوہ بھی کسی نے شہادت دی ہو۔ فریق اول اس تاویل کا یہ جواب دیتا ہے کہ: دو گواہوں کی تصریح (والی عبدالرحمن بن زید اور حارث بن حاطب والی پیش آئندہ حدیثوں) میں زیادہ سے زیادہ ایک شہادت کی قبولیت کی بالمفہوم ممانعت ہے۔ جب کہ اس باب کی (ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ والی) دونوں حدیثیں ایک شہادت کی بالمنطوق قبولیت پر دلالت کرتی ہیں، اور منطوق کی دلالت (مفہوم سے) ارجح ہوتی ہے۔ جہاں تک مذکورہ احتمال والی تاویل کا تعلق ہے تو اگر اس طرح کی تاویلات کا اعتبار صحیح ہو، تو یہ بے راہ روی اور محض کھینچا تانی ہی ہوگی، جو شریعت کے

[۱] - شرح السنة ۶/۲۳۴ [۲] - نیل الأوطار ۳/۱۰۸، تحفة الألوذی ۲/۳۳-۳۵ ملخصاً

بیشتر احکام کو طرح دینے کا راستہ کھول دے گی۔ [۱]

بعض علماء نے ہلالِ رمضان کے اثبات میں ایک شہادت کی عدم قبولیت پر ”ایک شہر میں اثباتِ رویت اور دوسرے میں عدمِ رویت، نیز بیرونِ شہر سے آنے والی رویتِ ہلال کی خبر کا حکم“ کے تحت آگے پیش کی جانے والی حدیثِ کریمہ سے بھی استدلال کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رویتِ ہلال کے بارے میں ایک شہادت معتبر نہیں ہے، اسی لئے تو ابنِ عباسؓ نے تابعی کریمہ کی شہادت پر عمل نہیں کیا تھا۔ چنانچہ امام بیہقیؒ ”المعرفة“ میں فرماتے ہیں کہ: ”حدیثِ کریمہ میں اس بات کا احتمال ہے کہ ابنِ عباسؓ نے اس خبر میں کریمہ کے افراد کے باعث لا، ہکذا اٰمرنا رسول اللہ ﷺ، کہا ہو۔ ان کے نزدیک اس کا اثبات شہادت کے طریقہ پر ہوتا ہو، لہذا انہوں نے اس بارے میں کریمہ کے اکتوتے قول کو قبول نہ کیا ہو۔ اس میں اس چیز کا احتمال بھی ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کے ارشاد: فَاِنْ غَمَّ عَلَيْكُمْ، فَاصْلَحُوا الْعِدَّةَ کے مطابق لا، ہکذا اٰمرنا رسول اللہ ﷺ، کہا ہو، کیونکہ ممکن ہے کہ آپؐ کا یہ قول آپؐ کی طرف سے فتویٰ نہ ہو، بلکہ اس خبر سے ماخوذ ہو، اتنی۔“ لیکن صاحب ”التنقیح“ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ: ”اگر اس کا معنی یہ ہو کہ انہوں نے کریمہ کے اکیلے قول پر فطر نہیں کیا، تو ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ محلِ اختلاف تو پہلے دن کے روزہ کی قضاء کا وجوب ہے، جو کہ اس حدیث میں مذکور نہیں ہے، اتنی۔“ [۲]

ہلالِ شوال کی شہادت کا نصاب: ہلالِ شوال یا ہلالِ عید کے لئے کم از کم دو شہادتوں کا نصاب مقرر ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث سے ثابت ہے:

۱۔ عبد الرحمن بن زید بن الخطاب سے روایت ہے کہ: ”اِنَّهُ خَطَبَ فِي الْيَوْمِ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ، فَقَالَ: اَلَا اِنِّي جَالِسْتُ اَصْحَابَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَسَأَلْتُهُمْ، وَاَنْتَهُمْ حَدَّثُونِي: اَنْ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: صُومُوا لِرُؤْيَاهِ، وَاَفْطِرُوا لِرُؤْيَاهِ، وَاَنْسَكُوا لَهَا، فَاِنْ غَمَّ عَلَيْكُمْ، فَاْتَمُّوا ثَلَاثِينَ يَوْمًا، فَاِنْ شَهِدَ شَاهِدَانِ مُسْلِمَانِ،

فَصُومُوا وَاْفِطِرُوا“۔ [۱] (ترجمہ: انہوں نے اس دن خطاب کیا جس دن کے بارے میں شک کیا جاتا تھا، پس فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے پاس بیٹھا ہوں، اور ان سے پوچھا ہے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ہلال دیکھ کر روزہ رکھو، اور اسے دیکھ کر ہی روزہ موقوف کرو، اور ہلال دیکھ کر ہی حج و قربانی کرو۔ اگر مطلع آبرآلود ہو، تو تیس دن پورے کرلو۔ اگر دو مسلمان گواہی دیں تو روزہ رکھو اور افطار کرو)

اس حدیث کے متعلق علامہ شوکانی اور علامہ مبارکپوری رحمہما اللہ فرماتے ہیں: ”حافظ ابن حجرؒ نے ”تلخیص الحبیر“ میں اس کا تذکرہ کیا ہے، لیکن اس پر کسی قدح کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس کی اسناد میں علی اختلاف فیہ کوئی حرج نہیں ہے۔“ [۲] علامہ محمد ناصر الدین البلبائی بھی فرماتے ہیں کہ: ”وہذا سند صحیح، رجالہ ثقات کلہم، الخ۔“ [۳]

۲۔ امیر مکہ حارث بن حاطب سے مروی ہے کہ: ”قَالَ: عَهِدَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ نَتَّسِكَ لِلرَّؤْيَةِ، فَإِنْ لَمْ نَرَهُ، وَشَهِدَ شَاهِدًا عَدْلًا، نَسْكُنَا بِشَهَادَتَيْهِمَا“۔ [۴] (ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ہم سے عہد لیا کہ ہم ہلال دیکھ کر ہی نسک (یعنی عبادت، حج اور قربانی) کریں۔ اگر ہم نے ہلال نہ دیکھا ہو، اور دو عادل گواہ گواہی دیں، تو ہم ان کی گواہی پر نسک کریں)

علامہ شوکانی و مبارکپوری رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ: ”امام ابوداؤد اور امام منذریؒ نے اس حدیث پر سکوت اختیار کیا ہے۔ اس کے رجال ”صحیح“ کے رجال ہیں، سوائے حسین بن الحارث الجذلی کے، اور وہ بھی صدوق ہے۔ امام دارقطنیؒ نے اس کی تصحیح کی ہے، الخ۔“ [۵]

علامہ شوکانیؒ مزید فرماتے ہیں کہ: ”ان دونوں حدیثوں سے صوم و افطار کے لئے شہادت کی عدد کی اشتراط پر استدلال کیا جاتا ہے، لیکن اس استدلال کا جواب پہلے گزر چکا

[۱]۔ رواہ احمد ۳۲۱/۳ والنسائی ۱۳۲/۳۔ ۱۳۳، ولم يقل فيه: ”مسلمان“، ورواہ الدارقطنی مع التعليق ۱۶۷/۲، وقال: ”ذوا عدل“ و رواہ ابن الجوزی فی ”التحقیق“ ۷۹/۲ [۲]۔ نیل الأوطار ۱۱۰/۳۔ ۱۱۱ و تحفة الأحمدي ۳۵/۲

[۳]۔ إرواء الغلیل ۱۶۷/۳۔ ۱۷۰ [۴]۔ رواہ ابوداؤد مع العون ۲۷۳/۲ والدارقطنی مع التعليق ۱۶۷/۲، وقال: هذا إسناد متصلٌ صحيحٌ، ورواہ ابن الجوزی فی ”التحقیق“ ۷۹۔ ۷۸/۲ [۵]۔ نیل الأوطار ۱۱۱/۳ و تحفة الأحمدي ۳۵/۲

ہے۔“ [۱]

جو علماء رمضان کے روزہ کے لئے ایک مرد کی گواہی کو قبول کرنے کے قائل ہیں وہ ان دونوں حدیثوں کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں میں دو گواہوں کی تصریح ہے، جس کی غایت زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ ان حدیثوں سے ایک شخص کی گواہی قبول کرنے کی بالمفہوم ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کی (سابقہ الذکر) حدیثیں اکیلی شہادت کی بالمعقود قبولیت پر دلالت کرتی ہیں، اور دلالت منطوق (دلالت مفہوم سے) اُرجح ہوتی ہے۔

[۲]

امام ابن الجوزیؒ عبد الرحمن بن زید اور حارث بن حاطب کی ان دونوں حدیثوں کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”ان کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ خبر ناطق ہے۔ کیونکہ اس کا مقتضی یہ ہے کہ دو عادل گواہوں کی شہادت پر روزہ رکھا جائے، لیکن اس مسئلہ کی دلیل خود اس کی نفی کرتی ہے۔ جس نص کی ہم نے خبر دی ہے وہ اس دلیل کی معارض ہے، اور وہ نص اولیٰ ہے۔ کیونکہ نص صرف کسی دوسری ناسخ نص سے ہی ساقط ہو سکتی ہے، جب کہ دلیل بلا نسخ ساقط ہو جاتی ہے۔ لہذا یہ دلیل نص کے معارض قیاس کے مثل ہوئی۔“ [۳]

۳۔ ربعی بن حراش نبی ﷺ کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: ”اِخْتَلَفَ النَّاسُ فِي آخِرِ يَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ، فَقَدِمَ أَغْرَابِيَانِ، فَشَهِدَا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ بِاللَّهِ لَا هَلَّ الْهِلَالُ أَمْسَ غَشِيَّةٌ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ النَّاسَ أَنْ يَفْطُرُوا“۔ [۴] (ترجمہ: رمضان کے آخری دن کے متعلق لوگوں نے اختلاف کیا۔ پھر دو اعرابی نبی ﷺ کے پاس آئے، اور انہوں نے اللہ کی قسم کے ساتھ شہادت دی کہ کل شام انہوں نے ہلال دیکھا ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو روزہ افطار کرنے کا حکم دیا)

اس حدیث کے متعلق علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ: ”امام ابو داؤد اور امام منذریؒ نے

[۱]۔ نیل الأوطار ۳/۱۱۱ [۲]۔ کذا فی التحفة ۲/۳۵ والنیل ۳/۱۰۸، کما مر

[۳]۔ التحقیق فی احادیث الخلاف ۲/۷۶ [۴]۔ رواہ أحمد ۵/۳۶۲ وأبو داود مع

العون ۲/۲۴۳-۲۴۴، وزاد فی رواية: ”وأن یغدوا إلی مصلاتهم“ (یعنی امام ابو داؤد نے یہ

اضافہ بھی کیا ہے: اور کل صبح وہ عید گاہ بھی جائیں) ورواہ الدارقطنی مع التعليق ۲/۱۶۹، وقال: هذا

إسناد حسن ثابت، وقال فی رواية (۲/۱۶۸، ۱۷۰): هذا صحيح أيضاً

اس پر سکوت اختیار کیا ہے، اور اس کے رجال ”صحیح“ کے رجال ہیں۔ اس حدیث سے بھی اظہارِ شوال کے لئے دو شخصوں کی گواہی کے اعتبار پر استدلال کیا جاتا ہے۔ لیکن اس واقعہ میں مجرد دو شخصوں کی شہادت کا قبول کرنا، ایک گواہی کی عدم قبولیت پر دلالت نہیں کرتا ہے، الخ۔“ [۱]

لیکن میں کہتا ہوں کہ علامہ شوکانی کا یہ آخر الذکر قول لائقِ اعتناء نہیں ہے۔ اس باب میں بعض اور احادیث بھی مروی ہیں، مثلاً ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ”قال: أصبح الناس صياما لتمام ثلاثين، فجاء رجلان، فشهدوا أنهما رآيا الهلال بالأمس، فأمر رسول الله الناس، فافطروا“۔ [۲] اور انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ”أن قوما شهدوا عند النبي ﷺ على رؤية الهلال، هلال شوال، فأمرهم أن يفطروا، وأن يغدوا على عيدهم“۔ [۳]

اور علی بن ابی طالب کا قول ہے کہ: ”جب دو عادل مرد شوال کے ہلال کی شہادت دیں تو روزہ ختم کرو“۔ [۴]

ہلال شوال کے نصاب شہادت کے متعلق اختلاف و اعتراضات کا جائزہ: امام بخاری فرماتے ہیں: ”ہلال شوال عامۃ العلماء کے نزدیک دو عادل شخصوں کے قول سے ہی ثابت ہوتا ہے، لیکن عمر بن الخطابؓ کے متعلق بطریق عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ مروی ہے کہ آن رضی اللہ عنہ نے آنحضرتؐ یا فطر میں ایک مرد کی شہادت کو جائز رکھا تھا۔ بعض اہل الحدیث بھی اس قول کی طرف مائل ہیں۔“ [۵]

اسی طرح امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ: ”مجھے اس بارے میں کسی اختلاف کا علم [۱]۔ نیل الأوطار ۳/۱۱۰-۱۱۱ [۲]۔ قال الهیثمی فی ”مجمع الزوائد“ ۳/۱۴۷: رواه الطبرانی فی ”المکبیر“، وقال: لم یقل فی هذا الحدیث عن ابن مسعود إلا إسحاق بن إسماعیل الطالقانی، قلت: وهو ثقة [۳]۔ قال الهیثمی فی ”مجمع الزوائد“ ۳/۱۴۶-۱۴۷: رواه البزار، ورجاله رجال الصحیح، إلا أن البزار قال: الصواب أنه مرسل [۴]۔ المصنف لابن أبی شیبہ ۱/۱۲۷ اب [۵]۔ شرح السنة ۶/۲۳۴-۲۳۵

نہیں ہے کہ ہلال شوال کی رویت میں دو عادل مردوں کی گواہی مقبول ہے، البتہ ایک مرد کی گواہی کے بارے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ اکثر علماء کا قول ہے کہ اس بارے میں دو عادل گواہوں سے کم کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ عمر بن الخطابؓ کے متعلق عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کے طریق سے مروی ہے کہ: انہوں نے ایک مرد کی اُضحیٰ یا فطر میں شہادت کو جائز رکھا تھا۔ اس قول کی طرف بعض اہل الحدیث بھی مائل ہیں۔..... کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ ماہ رمضان کی رویت ہلال کے بارے میں ایک شہادت مقبول ہے۔ اسی طرح یہ واجب ہے کہ ماہ شوال کے ہلال کے بارے میں بھی ایک شہادت مقبول ہو، الخ“۔ [۱]

لیکن میں کہتا ہوں کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے متعلق عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کا یہ اثر ضعف کے باعث ناقابل احتجاج ہے۔ ذیل میں ہم اس اثر کے جملہ متون اور طرق کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ اس اثر سے استدلال کی حقیقت واضح ہو سکے:

۱۔ عبداللہ علی عن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ: ”قال: أن عمر أجاز شهادة رجل واحد في رؤية الهلال في فطر أو أضحى“۔ [۲] لیکن خود امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ: ”عبداللہ علی ضعیف ہے اور ابن ابی لیلیٰ نے عمرؓ کو نہیں پایا تھا۔ اور ابو وائل شقیق بن سلمہ نے اپنی روایت میں اس کی مخالفت کی ہے، پس روایت کرتے ہیں کہ عمرؓ نے فرمایا: لا تفطروا حتی یشہد شاهدان، حدث به الأعمش، ومنصور عنه“۔ [۳]

۲۔ امام دارقطنیؒ عبداللہ علی عن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ ہی کے طریق سے ایک دوسری روایت اس طرح لائے ہیں: ”قال: كنت عند عمر، فأتاه راکب، فزعم أنه رأى الهلال، فأمر الناس أن يفطروا“۔ [۴]

اس حدیث کے متعلق امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ: ”محمد بن علی الوراق بیان کرتے ہیں کہ: میں نے امام ابو نعیمؒ سے پوچھا کہ کیا ابن ابی لیلیٰ کا عمرؓ سے سماع ہے؟ انہوں نے جواب دیا: مجھے معلوم نہیں ہے۔ محمد بن علیؒ مزید کہتے ہیں کہ: پھر میں نے اس بارے میں امام یحییٰ بن معینؒ

[۲]۔ سنن الدارقطنی مع التعليق ۲/۲۸۸

[۱]۔ کذا فی عون المعبود ۲/۲۷۳

[۳]۔ سنن الدارقطنی مع التعليق ۲/۲۸۸

[۴]۔ سنن الدارقطنی مع التعليق ۲/۲۸۸

سے پوچھا کہ کیا ابن ابی لیلیٰ کا عمر سے سارے؟ انہوں نے کہا: لم یثبت ذلک۔ راوی
عبد اللہ علی، جو ابن عامر الثعلبی ہے، سے دوسرے رواۃ زیادہ اثبت ہیں۔ عمر کی ابو وائل سے
مروئی حدیث عبد اللہ علی کی روایت کے مقابلہ میں اسناد زیادہ صحیح ہے، جسے اعش اور منصور نے
ابی وائل سے روایت کیا ہے۔ [۱]

۳۔ عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ ہی سے ایک اور روایت میں مروی ہے: ”قال: كنت
عند عمر بن الخطاب، فأتاه رجل، فقال: إني رأيت الهلال شوال، فقال عمر:
يا أيها الناس أفطروا“۔ [۲]

میں کہتا ہوں کہ اوپر ”مسند احمد“ کی جس روایت کی طرف امام بیہقی نے
اشارہ کیا ہے وہ عبد اللہ علی الثعلبی عن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ سے اس طرح مروی ہے:

۴۔ ”قال: كنت مع البراء بن عازب، وعمر بن الخطاب في البقيع،
ينظر إلى الهلال، فأقبل راكب، فتلقاه عمر، فقال: من أين جئت؟ قال: من
المغرب، فقال: أهللت؟ قال: نعم، قال عمر: الله أكبر، إنما يكفي المسلمين
الرجل الواحد، انتهى“۔ اس حدیث کی تخریج امام احمد و امام بزار کے علاوہ امام ابن الجوزی
نے بھی ”التحقیق“ [۳] میں کی ہے۔ اس روایت کے متعلق علامہ زیلعی اور علامہ شمس الحق
عظیم آبادی فرماتے ہیں: ”وعبد الأعلى هذا متكلم فيه“۔ [۴]

۵۔ عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ سے مروی ایک اور روایت میں ہے کہ: ”قال: خرج
ابن الخطاب ينظر إلى الهلال، فطلع راكب، فقال عمر: من أين أقبلت؟ قال:
من الشام، قال: أهللت؟ قال: نعم، قال: الله أكبر يلقى المؤمنون - فذكر
الحديث“۔ [۵]

مختصر آئیہ کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے متعلق اس اثر کی روایت ناقابل اعتبار

[۱]۔ سنن الدارقطنی مع التعليق ۱۶۸/۲-۱۶۹ [۲]۔ قال الهیثمی فی ”مجمع

الزوائد“ ۱۴۶/۳: رواه أحمد والبخاری، وفيه عبد الأعلى الثعلبي، قال النسائي: ليس

بالقوى، ويكتب حديثه، وضعفه الأئمة [۳]۔ التحقیق ۷۸/۲ [۴]۔ نصب

الرایة ۳۴۳/۲ والتعليق المغنی ۱۶۹/۲ [۵]۔ قال الهیثمی فی ”مجمع الزوائد“

۱۴۶/۳: رواه أبو يعلى، وفيه جرير بن أيوب البجلي، وهو ضعيف

ہے۔ جو چیز آں رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے وہ اس اثر کے خلاف ابو وائل شقیق بن سلمہ کی روایت کی ہے۔

نصاب ہلال شوال کے متعلق علامہ شوکانی وغیرہ کی منفر د رائے: ربیع بن حراش کی حدیث کے تحت علامہ شوکانی کا کلام اوپر گزر چکا ہے کہ اس واقعہ میں مجرد و مخصوص کی شہادت کا قبول کرنا ایک گواہی کی عدم قبولیت پر دلالت نہیں کرتا ہے۔ علامہ ممدوحؒ اس بارے میں مزید فرماتے ہیں کہ: ”ماہ رمضان سے ثروج کی شہادت کے بارے میں بھی علماء کا اختلاف رائے ہے، چنانچہ ”البحر“ میں تمام عمرۃ اور فقہاء سے منقول ہے کہ: ہلال شوال کے لئے ایک شہادت کافی نہیں ہے، لیکن امام ابو ثورؒ سے منقول ہے کہ: ایک شہادت قابل قبول ہے۔ امام نوویؒ شرح صحیح مسلم“ میں لکھتے ہیں: ہلال شوال پر ایک عادل کی شہادت تمام علماء کے نزدیک جائز نہیں ہے، سوائے امام ابو ثورؒ کے۔ پس انہوں نے ایک عادل کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے، اتھلی۔ جمہور ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کی (سابقہ حدیثوں) سے استدلال کرتے ہیں، حالانکہ یہ وہ حدیث ہے جس سے نفرد کی بناء پر حجت قائم نہیں ہوتی، اور اس کا ضعف پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ جہاں تک عبدالرحمن بن زید بن الخطاب اور امیر مکہ کی حدیثوں کا معاملہ ہے تو یہ دونوں حدیثیں دخول رمضان کی شہادت کے بارے میں وارد ہیں۔ امیر مکہ کی حدیث میں قول: ’نسکنا بشہادۃ ھما‘ تو اس بارے میں ظاہر ہی ہے۔ اور عبدالرحمن بن زید بن الخطاب کی حدیث کی بعض روایات میں یہ الفاظ مروی ہیں: ’إلا أن يشھد شاحدا عدل‘۔ یہ قول ’فأكملوا عدۃ شعبان‘ کے قول سے مستثنیٰ ہے، پس یہ کلام دخول رمضان کی شہادت کے بارے میں ہوا۔ جہاں تک قول: ’فإن شھد مسلمان، فصوموا و افطروا‘ کا تعلق ہے تو اس میں مفہوم شرط ہے، اور اس کے ساتھ اس پر خلاف عمل بھی واقع ہے۔ یہ ماہ کی ابتداء میں نبی ﷺ کے خیر واحد کو قبول کرنے کی سابقہ حدیث سے معارض ہے۔ اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے (ماہ کی ابتداء و انتہاء میں) کوئی فرق نہ ہونے کی بناء پر یہ قول ماہ کے آخر میں بھی ضمیر واحد (ایکلی شہادت) کو قبول کرنے سے معارض ہوا۔ لہذا اس طرح کا مفہوم اس حکم کے اثبات کے لئے غیر منہوض ہے۔ جب ادلہ صحیحہ میں کوئی ایسی چیز وارد نہیں ہے جو شہادت افطار کے بارے میں دو گواہوں کے

اعتبار پر دلالت کرتی ہو، تو روزہ کے بارے میں ایک شہادت کے کافی ہونے پر قیاس کرتے ہوئے، روزہ منقوف کرنے کے بارے میں بھی ایک شہادت ہی کافی ہوگی۔ اور اس لئے بھی کہ جب عبادات کے لئے خیر واحد کی قبولیت معتبر ہے، تو یہ طریقہ عمل ہر موقع پر اس کی قبولیت پر دلالت کرتا ہے، لہذا یہ کہ کسی معاملہ میں خیر واحد سے عدم تعدد کی تخصیص پر کوئی دلیل وارد ہو، مثال کے طور پر جیسے کہ اموال کے لین دین پر شہادت وغیرہ کے معاملات میں ہوتا ہے۔ پس امام ابو ثورؒ نے جو فرمایا ہے وہ ظاہر (یعنی صحیح) ہے۔ یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ عبدالرحمن بن زید کی حدیث کا مفہوم ابتدائے ماہ کی (سابقہ الذکر) حدیث سے متعارض ہے۔ جہاں تک آخر ماہ کا تعلق ہے تو یہ قیاس اس کے متعارض کے سبب غیر منہوض ہے، خصوصاً اس صورت میں کہ ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کی (سابقہ) حدیثوں سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے، جو اگرچہ ضعیف ہیں، لیکن یہ ضعف تائید کی صلاحیت کے لئے غیر مانع ہے۔ لہذا تعدد بخیار الّا حاد کے ضمن میں وارد تخصیص کے لئے یہ مفہوم اس حدیث سے تقویت پا کر صالح للاعتبار ہے، اور مقام بعد محض نظر ہے۔ جو چیز ایک شہادت کی قبولیت کے قول کی مطلق تائید کرتی ہے یہ ہے کہ رمضان کی ابتداء کے بارے میں اس کی شہادت ایام رمضان کی تعداد پوری ہونے پر استناد الّا الی قولہ افطار کو بھی مستلزم ہے۔ میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ قول واحد سے افطار صریحاً نہیں، بلکہ ضمناً جائز ہے، و فی نظر۔ [۱]

اسی طرح سید سابق لکھتے ہیں کہ: ”امام ابو ثورؒ کے نزدیک رمضان اور شوال کے ہلال کی رویت کی شہادتوں میں کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ وہ رمضان ہی کی طرح شوال کی رویت کے لئے بھی ایک مسلم عادل کی شہادت کو معتبر سمجھتے ہیں۔ علامہ ابن رشد کا قول ہے کہ: امام ابو بکر منذرؒ اور امام ابو ثورؒ کا یہی مذہب ہے، اور میرے خیال کے مطابق ظاہری مکتب فکر کا مذہب بھی یہی ہے۔ یہ لوگ امام ابو بکر المندرؒ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں کہ: افطار کرنے کے وجوب پر اجماع ہے۔ اسماک یعنی روزہ رکھنے کا انحصار ایک آدمی کی شہادت پر ہے۔ یہ صورت حال مہینہ کی ابتداء اور انتہاء دونوں کے لئے یکساں ہونی چاہئے، کیونکہ یہ دونوں محض علامات ہیں، جو روزہ رکھنے کے وقت کو روزہ نہ رکھنے والے وقت سے ممتاز کرتی ہیں۔ (پھر سید سابق

نے مختصر علامہ شوکانی کا کلام نقل کیا ہے۔“ [۱]

لیکن میں کہتا ہوں کہ علامہ شوکانی کا مندرجہ بالا کلام اگرچہ نہایت منطقی ہے، لیکن چونکہ ہلال شوال کے نصاب کے سلسلہ میں کوئی بھی ایسی صحیح صریح مرفوع حدیث موجود نہیں ہے جس میں ایک شہادت کے مقبول ہونے کا ذکر ہو، لہذا امام ابو ثور، ابو بکر ابن منذر اور علامہ شوکانی وغیرہم کی یہ مفرد رائے بلا دلیل ہونے کے باعث ناقابل قبول ہے۔ اس بارے میں عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کے طریق سے آنے والے عمر بن الخطابؓ کے جس اثر سے استدلال کیا جاتا ہے، اس پر تبصرہ اوپر گزر چکا ہے۔

علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ فرماتے ہیں: ”یہ تمام احادیث جو میں نے پیش کی ہیں، اور جو آگے آئیں گی، اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ دو عادل گواہوں کی شہادت کے بغیر روزہ موقوف نہیں کیا جائے گا۔ اور یہی حق ہے، برخلاف شیخ علامہ قاضی محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے، جو کہتے ہیں کہ ایک مرد کی گواہی ہی کافی ہے۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے، واللہ اعلم۔“ [۲]

نصاب روایت کے متعلق ایک عمومی اعتراض: جناب امین احسن اصلاحی صاحب اپنے آبائی خفی موقف کی تائید میں فرماتے ہیں کہ: ”..... وہ گئی یہ بات کہ چاند کی رویت کے لئے کتنی شہادتوں کا اعتبار ہوگا، تو عام طور پر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اگر رمضان کا چاند ہے تو ایک آدمی کی شہادت پر بھی اعتبار کیا جائے گا۔ لیکن عید کے چاند کے لئے دو شہادتیں طلب کی جائیں گی، جو شرعی امور میں معتبر سمجھی جاتی ہیں۔ احناف کا قول یہ ہے کہ ابرئی صورت میں تو ایک آدمی کی رویت پر بھی اعتبار کر لیا جائے گا، لیکن اگر مطلع صاف ہو تو پھر صرف جم غفیر کی شہادت قبول ہوگی۔ میں احناف کی اس رائے کو صحیح مانتا ہوں۔ اس زمانہ میں تو یہ زیادہ ضروری اس لئے بھی ہے کہ اخبار کے رپورٹروں کے نزدیک چاند کا نہ ہونا اہم خبر نہیں ہوتا، چاند کا ہو جانا اہمیت رکھتا ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ اس زمانہ میں کئی مقامات کی رویت کی شہادت انتظامی وسائل مہیا ہونے کی بناء پر جمع بھی کی جاسکتی ہے۔ لہذا ایک دو آدمیوں کی شہادت پر اکتفاء نہیں کرنا چاہئے۔“ [۳]

[۲]۔ التعلیق المغنی ۱۶۹/۲

[۱]۔ فقہ السنۃ، کتاب الصوم (مترجم) ص ۱۶۔ ۱۷

[۳]۔ مجلہ تدبر، لاہور، شمارہ ۷۰ ص ۲۰، مجریہ ماہ دسمبر ۲۰۰۰ء

میں کہتا ہوں کہ جناب اصلاحی صاحب کے اس اعتراض کا جواب شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے الفاظ میں ضمناً ”بہتر رویت ہلال کے لئے بعض موافق و مضرعوال“ کے زیر عنوان گزر چکا ہے۔ اس بارے میں مزید تاکید امام ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے، فرماتے ہیں کہ: ”..... اس بارے میں ابو بکر اور امام ابو حنیفہؒ نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ درست نہیں ہے، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنی قوت بصارت اور دور تک کسی چیز کو دیکھ لینے میں منفرد ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ باقی لوگوں کو مطلع ہلال کی ٹھیک طریقہ سے معرفت نہ ہو، یا وہ کسی اور طرف ہلال کو تلاش کر رہے ہوں، یا ان کی حدت نظر اس اکیلے شخص کے مقابلہ میں کم تر ہو۔“ [۱]

جہاں تک اس بارے میں اخباری رپورٹوں کا تعلق ہے تو وہ عموماً شہادتِ مصطلحہ کی شرائط و قیود سے عاری ہوتی ہیں۔ ان کی حیثیت شہادت کی نہیں، بلکہ دنیاوی خبروں جیسی ہوتی ہے۔ لہذا دینی عبادات کے معاملات میں ان خبروں پر اعتماد کرنے کے لئے ”جدید ذرائع ابلاغ و مواصلات سے موصولہ ہلال کی خبروں کا حکم“ کے زیر عنوان مذکورہ قیود و شروط کا اعتبار و لحاظ ضروری ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

رویت ہلال کے نصاب شہادت کے متعلق بعض مقتدر علماء کی آراء: اب ذیل میں رویت ہلال کے نصاب شہادت کے بارے میں بعض مقتدر علماء کی آراء پیش خدمت ہیں:

امام ابو حامد الغزالیؒ فرماتے ہیں کہ: ”ہلال رمضان کی رویت کا اثبات ایک عدل کے قول سے حاصل ہو جاتا ہے، لیکن شوال کا ہلال احتیاطاً للعبادة دو عدل کے قول کے بغیر ثابت نہیں ہوتا۔“ [۲]

اس بارے میں امام ابن قدامہ المقدسیؒ فرماتے ہیں: ”دو شہادتوں کے بغیر روزہ موقوف نہ کیا جائے۔ فی الجملہ جمع فقہاء کے قول کے مطابق ہلال شوال کے بارے میں دو عادل گواہوں کی شہادت ہی قبول کی جائے گی، سوائے امام ابو ثورؒ کے، پس وہ کہتے ہیں کہ: ایک شخص کا قول بھی قبول کیا جائے گا۔..... لیکن ہمارے نزدیک عبد الرحمن بن زید کی (مذکورہ بالا) روایت

اور ابن عمرؓ کے متعلق یہ روایت حجت ہے کہ: ”آپ ﷺ نے ہلال (رمضان) کی رویت پر ایک شخص کی شہادت کو جائز رکھا تھا، لیکن افطار (یعنی ہلال شوال) پر آپ ﷺ دو آدمیوں کی شہادت ہی کو جائز فرماتے تھے۔“ [۱]

علامہ ابن رشد القرطبیؒ نہایت تفصیل کے ساتھ فرماتے ہیں: ”طریق خبر کے سلسلہ میں خبر دینے والوں کی تعداد، رویت کے بارے میں جن کی خبر قبول کی جاسکتی ہو، اور ان کی صفت کے متعلق فقہاء مختلف الرائے ہیں۔ امام مالکؒ کا قول ہے کہ: دو سے کم عادل مردوں کی شہادت پر نہ روزہ رکھنا جائز ہے، اور نہ فطر (روزہ موقوف) کرنا۔ بروایت حنفی امام شافعیؒ کا قول ہے کہ: ایک شخص کی رویت کی شہادت پر روزہ رکھا جائے، لیکن دو مردوں سے کم کی شہادت پر فطر نہ کیا جائے۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ: اگر آسمان ابر آلود ہو تو ایک گواہی قبول کی جائے گی، لیکن اگر مطلع پوری طرح صاف ہو تو صرف جم غفیر کی شہادت ہی قبول کی جائے گی۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ: اگر آسمان صاف ہو تو دو عادل گواہوں کی شہادت قبول کی جائے گی۔ امام مالکؒ کے متعلق یہ بھی مروی ہے کہ: دو گواہوں کی شہادت صرف اسی وقت قابل قبول ہوگی جب کہ آسمان ابر آلود ہو۔ لیکن اس بارے میں فقہاء کا اجماع ہے کہ فطر کے لئے دو گواہوں کی شہادت ہی مقبول ہوگی، سوائے امام ابو ثورؒ کے جو اس بارے میں روزہ رکھنے، اور اس کے فطر کے نصاب کے مابین کوئی فرق نہیں کرتے، جس طرح کہ امام شافعیؒ نے فرق کیا ہے۔ اس بارے میں ان کے مابین اختلاف کا سبب اس باب میں مختلف آثار کا وارد ہونا، نیز خبر رویت کے متعلق یہ تردد ہے کہ آیا یہ شہادت کے باب سے ہے، یا ان احادیث پر عمل کے باب سے کہ جن میں عدد کی کوئی شرط مذکور نہیں ہے۔

جہاں تک اس باب میں وارد آثار کا تعلق ہے تو ان میں سے ایک وہ ہے جس کی تخریج امام ابو داؤدؒ نے عبد الرحمن بن زید بن الخطاب سے کی ہے کہ: ”أَنَّه خَطَبَ فِي الْيَوْمِ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ، فَقَالَ: أَلَا إِنِّي جَالِسْتُ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَسَأَلْتُهُمْ، وَأَنْتَهُمْ حَدَّثُونِي: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: صُومُوا لِرُؤْيَيْهِ، وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَيْهِ، وَأَنْسَكُوا

لَهَا، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ، فَأَتَمُّوا ثَلَاثِينَ يَوْمًا، فَإِنْ شَهِدَ شَاهِدَانِ مُسْلِمَانِ، فَصُومُوا
وَأَفْطَرُوا، اور اسی بارے میں ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے بیان کیا: ”ایک
اعرابی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا تو نے آج رات
ہلال دیکھا ہے؟ اور یہ بھی پوچھا کہ کیا تو ’لا الہ الا اللہ‘ اور اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ: ’ان
محمداً عبده ورسوله؟‘ تو اس نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ہلال! اَذِّنْ فِي
النَّاسِ أَنْ يَصُومُوا غَدًا‘۔ امام ترمذیؒ نے اس کی تخریج کی ہے، اور فرمایا ہے کہ: اس کی اسناد
میں اختلاف ہے، کیونکہ ایک جماعت نے اسے مرسل روایت کیا ہے۔ اور اسی بارے میں ایک
حدیث ربیع بن حراش کی بھی ہے جس کی روایت امام ابوداؤدؒ نے ربیع بن حراش عن
رجل من اصحاب رسول اللہ ﷺ اس طرح کی ہے: ’اُخْتَلَفَ النَّاسُ فِي آخِرِ يَوْمٍ
مِنْ رَمَضَانَ، فَقَدِمَ اَعْرَابِيَانِ، فَشَهِدَا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ بِاللَّهِ لَاهِلَ الْهَلَالِ اَمْسِ
عَشِيَّةً، فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ النَّاسَ أَنْ يَفْطَرُوا‘۔

ان آثار کے بارے میں بعض لوگوں نے ترجیح کی راہ کو اختیار کیا ہے، اور بعض نے
جمع و تطبیق کی راہ کو۔ امام شافعیؒ نے ابن عباسؓ اور ربیع بن حراش کی حدیثوں کے غواہر کے مابین
جمع و تطبیق کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے روزہ کو ایک شہادت پر، اور فطر کو دو شہادتوں پر واجب قرار
دیا ہے۔ جب کہ امام مالکؒ نے عبدالرحمن ابن زید کی حدیث کو مطابق قیاس ہونے کے باعث
راجح قرار دیا ہے۔ میری مراد یہ ہے کہ اس میں مذکورہ نصاب حقوق کے متعلق مقررہ شہادت
کے مشابہ ہے۔ لیکن امام ابو ثورؒ کو ابن عباسؓ اور ربیع بن حراش کی حدیثوں کے مابین کوئی تعارض
نظر نہیں آتا۔ اور وہ اس طرح کہ ربیع بن حراش کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے دو شخصوں
کی گواہی پر فیصلہ دیا، اور ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کی شہادت پر
فیصلہ فرمایا تھا۔ پس یہ چیز ان دونوں امور کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ یہ تعارض نہیں ہے، اور
نہ ہی یہ اس امر کی دلیل ہے کہ پہلا فیصلہ (بمطابق حدیث ابن عباسؓ) روزہ شروع کرنے کے
ساتھ خاص، اور دوسرا فیصلہ (بمطابق حدیث ربیع بن حراش) فطر کے ساتھ خاص ہے۔ جن
لوگوں نے یہ بات کہی ہے تو یہ تعارض کے تو ہم پر مبنی ہے۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ عبدالرحمن بن

زید اور ابن عباسؓ کی حدیثوں کے مابین بھی کوئی تعارض نہیں ہو سکتا، الا بدلیل الخطاب۔ اور اگر وہ نص سے متعارض ہو تو ضعیف ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ امام ابو ثورؒ کا قول شدوذ کے باوجود بہت واضح ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہ ہلال دیکھنے والے کی راوی کے ساتھ تشبیہ، شاید کے ساتھ اس کی تشبیہ سے افضل و اشل ہے۔ کیونکہ شہادت کے متعلق یا تو یہ کہا جائے کہ اس میں عدد کی شرط لگانا عبادۃ غیر معللہ ہے، لہذا اس کے بارے میں قیاس جائز نہیں ہے۔ یا پھر یہ کہا جائے کہ اس بارے میں عدد کی شرط لگانا حقوق کے محل نزاع ہونے کے باعث ہے۔ چونکہ دو متخاصم افراد میں سے ایک شخص کے قول میں شبہ پیدا ہو سکتا ہے، لہذا اس بارے میں عدد کی شرط لگائی گئی ہے۔ تاکہ زیادہ ظن غالب ہو پائے، اور متخاصمین میں سے کسی ایک کی طرف زیادہ قوی حجت کے ساتھ میلان ہو جائے۔ کہ دو شخص مخالف گواہیاں نہیں دے سکتے، ورنہ شہادت کا قیام دشوار ہو جائے گا، اور حقوق باطل ہو کر رہ جائیں گے۔ لیکن ہلال کی روایت میں مخالف کی طرف سے ایسا شبہ نہیں ہوتا، جو عدد سے موجب استظہار ہو۔ امام شافعیؒ نے ہلالی فطر اور ہلالی صوم میں جو تفریق کی ہے، تو وہ ہلالی فطر میں لوگوں کی طرف سے تہمت لگائے جانے کے امکان کے باعث ہو سکتی ہے۔ لیکن ہلالی صوم کے متعلق اس تہمت کا امکان نہیں ہوتا ہے۔ امام ابو بکر بن المنذرؒ کا مذہب بھی وہی ہے جو امام ابو ثورؒ کا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اہل الظاہر کا مذہب بھی یہی ہے۔ ابو بکر بن المنذرؒ نے اس حدیث کی روشنی میں قول واحد سے فطر اور امساک (کھانے پینے سے رُکے رہنے) کے وجوب پر انعقادِ اجماع سے حجت پکڑی ہے۔ پس مہینہ کے دخول و خروج کے بارے میں معاملہ کے اسی طرح ہونے کو واجب قرار دیا ہے، کیونکہ یہ دونوں دراصل فطر اور صوم کے زمانوں میں فرق و فصل کی علامت ہیں۔ [۱]

امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں: ”آپ ﷺ کی سنت یہ تھی کہ آپ لوگوں کو ایک مسلم شخص کی شہادت پر روزہ رکھنے کا حکم دیتے تھے، اور دو شہادتوں پر انہیں ماہِ رمضان سے خروج کا حکم فرماتے تھے۔“ [۲]

علامہ سید سابقؒ فرماتے ہیں: ”امام ترمذیؒ کا قول ہے کہ: اکثر اہل علم کا اسی پر عمل

ہے۔ اہل علم کا قول ہے کہ: رمضان کی رویت کے متعلق ایک مسلم عادل کی شہادت معتبر مانی جائے گی۔ نیز یہی قول امام ابن مبارکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا بھی ہے۔ امام نوویؒ کہتے ہیں کہ یہی زیادہ صحیح ہے۔ لیکن شوال کا ہلال ماہ رمضان کی تیس تاریخ پوری ہونے پر معتبر ہوگا۔ عام فقہاء کے نزدیک شوال کی رویت کے لئے ایک فرد کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ ان کے نزدیک شوال کی رویت کے لئے دو عادل مسلمانوں کی شہادت معتبر ہوگی۔ [۱]

علامہ عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ ہلال شوال کی رویت کے متفقہ نصاب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”جہاں تک افطار شوال کے لئے دو مردوں کی شہادت کی قبولیت کے بارے میں اہل علم کے مابین کسی اختلاف کے نہ ہونے کا تعلق ہے تو امام نوویؒ ”شرح صحیح مسلم“ میں فرماتے ہیں: تمام علماء کے نزدیک ہلال شوال کے بارے میں ایک عادل کی شہادت جائز نہیں ہے، سوائے امام ابو ثورؒ کے، چنانچہ انہوں نے اس کے لئے ایک عادل کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے، انتہی۔ یہ علماء طاؤس کے طریق سے آنے والی دارقٹیؒ کی، اور عبدالملک بن میسرۃ کے طریق سے آنے والی طبرائیؒ (”فی الأوسط“) کی روایتوں سے احتجاج کرتے ہیں، جس میں مذکور ہے کہ فرمایا: قال: شهدت المدينة، وبها ابن عمر وابن عباس، فجاء رجل إلى واليها، وشهد عنده على رؤية هلال شهر رمضان، فسأل ابن عمر وابن عباس عن شهادته، فامراه ان يجيزه، وقالوا: ان رسول الله ﷺ اجاز شهادة واحد على رؤية هلال رمضان، وكان لا يجيز شهادة الافطار، إلا بشهادة رجلين“ (ترجمہ: کہا کہ میں مدینہ میں تھا، اور اس وقت ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ بھی وہاں موجود تھے۔ پس مدینہ کے حاکم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے اس کے سامنے رمضان کے ہلال کی رویت کی شہادت دی۔ والی مدینہ نے ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے اس کی شہادت کے بارے میں پوچھا۔ ان دونوں حضرات نے اس کے جائز ہونے کا حکم دیا، اور فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے ہلال کی رویت کے لئے ایک آدمی کی شہادت کو جائز (یا کافی) مانا ہے، لیکن آپ ﷺ عید کے ہلال کے لئے دو آدمیوں سے کم کی شہادت کو جائز (یا

کافی) نہیں سمجھتے تھے)۔ امام دارقطنیؒ اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں کہ: اس میں حفص بن عمر الایلی کا تفرّد ہے، اور وہ ضعیف ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ جب یہ حدیث ضعیف ہے تو اس سے افطارِ شوال کے لئے ایک مرد کی شہادت کے عدم جواز پر احتجاج کس طرح درست ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصل احتجاج تو عبدالرحمن بن زید اور حارث بن حاطب کی (مذکورہ بالا دونوں) حدیثوں سے ہے، جن میں سے عبدالرحمن بن زید کی حدیث میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے: 'فإن شهد شاهدان مسلمان، فصوموا، وافطروا' اور حارث بن حاطب کی حدیث میں ہے: 'فإن لم نره، وشهد شاهدا عدل، نسكنا بشهادتهما'۔ یہ دونوں حدیثیں افطارِ شوال میں شخص واحد کی شہادت کے عدم جواز پر بالمفہوم دلالت کرتی ہیں، اور کوئی منطوق حدیث ان کی معارض بھی نہیں ہے۔ بلکہ ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کی منطوق حدیثیں باوجود ضعف کے ان دونوں (عبدالرحمن بن زید اور حارث بن حاطب کی) حدیثوں کی تائید کرتی ہیں۔ [۱]

میں کہتا ہوں کہ طاؤس اور ابن مسیرہ کے طریق سے آنے والی مذکورہ بالا حدیثوں کی تخریج دارقطنیؒ نے اپنی "سنن" [۲] میں، طبرانیؒ نے "الأوسط" میں اور ابن الجوزیؒ نے "التحقیق" [۳] میں کی ہے۔ امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ: "تفرّد بہ حفص بن عمر الایلی ابو اسماعیل، وهو ضعیف الحدیث"، امام بیہقیؒ بھی اس کے متعلق فرماتے ہیں: "رواه الطبرانی فی "الأوسط"، وفيه حفص بن عمر الایلی، وهو ضعیف"۔ [۴] اور صاحب "التنقیح" فرماتے ہیں: "حفص هذا، هو حفص بن عمر ابن دينار الایلی، وهو ضعیف باتفاقهم، ولم يخرج له أحد من أصحاب السنن، إلخ"۔ [۵]

شیخ عبدالعزیز الحمد السلمان فرماتے ہیں: "ہلالِ رمضان کی روایت ایک عادل مکلف مسلمان کی خبر سے ثابت ہو جاتی ہے، خواہ وہ غلام ہو یا عورت..... امام ترمذیؒ نے اس پر اکثر اہل علم کے عمل کی حکایت کی ہے۔ (پھر ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کی حدیثیں بطور دلیل پیش

[۱] - تحفة الأحوذی ۳۵/۲ [۲] - سنن الدارقطنی مع التعليق ۱۵۶/۲ [۳] -

التحقیق ۷۸/۲ [۴] - مجمع الزوائد ۱۴۶/۳ [۵] - کذا فی نصب الرایة

۳۴۳/۲ والتعليق المغنی ۱۵۶/۲

کرتے، اور فرماتے ہیں: (لیکن بقیہ مہینوں کے اثبات کے لئے دو عادل مردوں کی گواہی ہی قبول کی جائے گی)۔ [۱]

شیخ ابو بکر الجزائری حفظہ اللہ فرماتے ہیں: ”ہلالِ رمضان کی روایت کے اثبات کے لئے کسی ایک یا دو عادل گواہوں کی شہادت کافی ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہلالِ رمضان کی روایت پر ایک شخص کی شہادت کو جائز رکھا تھا (بحوالہ ابوداؤد وغیرہ، وہ صحیح)۔ لیکن شوال کے افطار کے لئے روایت دو عادل گواہوں کی شہادت کے بغیر ثابت نہیں ہوتی ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے افطار کے لئے ایک عادل شخص کی گواہی کو جائز نہیں رکھا تھا (بحوالہ الطبرانی والدارقطنی)۔“ [۲]

میں کہتا ہوں کہ امام طبرانی اور امام دارقطنیؒ کی آخر الذکر جس صریح حدیث کی طرف شیخ موصوف نے اشارہ کیا ہے وہ راقم کی نگاہ سے نہیں گزری ہے۔ اگر آں موصوف ساتھ ہی اس حدیث کا متن بھی لکھ دیتے تو اس کی صحت و مرتبہ کو پرکھنے میں آسانی ہوتی۔

شیخ محمد امین الاثری الرحمانی المبارکفوریؒ ”چاند دیکھنے کی شہادت“ کے زیر عنوان فرماتے ہیں: ”اگر مطلع صاف نہ ہو تو رمضان کا چاند دیکھنے کے لئے ایک ثقہ معتبر مسلمان کی گواہی کافی ہے۔ اگر اس نے گواہی دی کہ میں نے چاند دیکھ لیا، تو اس کی گواہی کا اعتبار کیا جائے گا، اور سب مسلمانوں کو روزہ رکھنا ہوگا۔ حدیث میں ہے: (پھر ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کی حدیثیں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: (علامہ شوکانیؒ ان دونوں حدیثوں کے متعلق فرماتے ہیں: ’والحدیثان يدلان على انها تقبل شهادة الواحد في دخول رمضان‘ [نیل الاوطار] (ترجمہ: یہ دونوں حدیثیں اس بات کی دلیل ہیں کہ رمضان کے شروع ہو جانے کے بارے میں ایک آدمی کی شہادت بھی (کافی ہے اور) قبول کر لی جائے گی)، البتہ عید اور بقرعید کے لئے دو پرہیزگار سچے مردوں، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔ جب دو معتبر آدمی گواہی دیں کہ ہم نے اتیس رمضان کا چاند دیکھ لیا ہے، تو ان کی شہادت کا اعتبار کر کے سمجھا جائے گا کہ رمضان کا مہینہ ختم ہو گیا۔ امام ابو ثورؒ کے علاوہ تمام علماء اس بارہ میں متفق ہیں، جیسا

کہ امام نوویؒ نے وضاحت فرمائی ہے: 'لا تجوز شهادة عدل واحد على هلال شوال عند جميع العلماء، إلا أبا ثور' (ترجمہ: تمام علماء کے نزدیک عید کے چاند کے لئے ایک ثقہ آدمی کی گواہی جائز نہیں ہے، سوائے امام ابو ثور کے)۔ جمہور علماء کے قول کی دلیل یہ حدیث ہے: 'عن رجل من أصحاب النبي ﷺ قال: اختلف الناس في آخر يوم من شهر رمضان، فقدم اعرابيان، فشهد عند النبي ﷺ بالله لا هلال الهلال امس عشية، فأمر رسول الله ﷺ الناس أن يفطروا، وزاد في رواية: وان يغدوا الى المصلى'۔ [مسند احمد وابوداود] (ترجمہ: ایک صحابیؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رمضان کے آخری دن کے بارے میں اختلاف ہو گیا۔ دو دیہاتی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے حلفیہ شہادت دی کہ ہم نے کل شام کو شوال کا چاند دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ روزہ توڑ دو۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ: عید کی نماز کے لئے عید گاہ چلو)۔ [۱]

شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمائی مبارکپوری رحمہ اللہ "روایت ہلال کی شہادت" کے زیر عنوان لکھتے ہیں: "رمضان کے چاند کی روایت کے لئے ایک معتبر مسلمان کی گواہی کافی ہے: عن ابن عباس قال: جاء اعرابي الى النبي ﷺ، فقال: اني رأيت الهلال، يعني هلال رمضان، فقال: أتشهد أن لا إله إلا الله؟ قال: نعم، قال: أتشهد أن محمدا رسول الله؟ قال: نعم، قال: فقال: يا بلال! اذن في الناس صوموا غدا"۔ [سنن اربعہ] اور عن ابن عمر قال: تراءى الناس الهلال، فاخبرت رسول الله ﷺ: اني رأيت، فصام، وأمر الناس بصيامه"۔ [سنن اربعہ] ان دونوں حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی مسلمان کی روایت کا اعتبار کر کے رمضان المبارک کا روزہ خود بھی رکھا، اور مسلمانوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ علامہ شوکانیؒ ان دونوں کے بارے میں فرماتے ہیں: 'الحدیثان يدلان على انها تقبل شهادة الواحد في دخول رمضان'۔ [نیل الاوطار] (یہ دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ رمضان کے اثبات کے لئے ایک

مسلمان کی شہادت مقبول ہے) عید الفطر اور ذی الحجہ کے مہینوں کی ابتداء کے لئے دو معتبر مسلمان مردوں، یا ایک مسلمان مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے: 'عن رجل من اصحاب النبی ﷺ قال: اختلف الناس فی آخر یوم من شهر رمضان فقدم اعرابیان، فشهدا عند النبی ﷺ بالله لإهلال الهلال امس عشية، فأمر رسول الله ﷺ الناس أن یفطروا، وزاد فی رواية: وأن یغدوا الی المصلیٰ'۔ [مسند احمد، ابوداؤد] یعنی ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ رمضان کے آخری دن کے بارے میں اختلاف ہو گیا۔ دو اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور انہوں نے حلفیہ گواہی دی کہ گزشتہ رات انہوں نے چاند دیکھا ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ وہ روزے توڑ دیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: صبح عید گاہ کی طرف نکلیں۔ 'عن ابی مالک الاشجعی، نا حسین بن حارث الجدلی: ان امیر مکة خطب، ثم قال: عهد إلینا رسول الله ﷺ أن ننسک للرؤية، فإن لم نره وشهد شاهد عدل، نسکنا بشهادتهما، الخ'۔ [ابوداؤد] (حسین بن حارث بیان کرتے ہیں کہ مکہ کے گورنر نے خطبہ دیا اور کہا کہ: ہم سے رسول اللہ ﷺ نے عہد لیا ہوا ہے کہ ہم اپنی عبادتوں کا آغاز و اعتبار رویت ہلال پر رکھیں، پس اگر وہ چاند کسی کو نظر نہ آئے، اور دو عادل گواہ اس کی رویت کی گواہی دے دیں، تو ان کی گواہی کافی ہے۔ ہم اسی بنیاد پر اپنی عبادات کا اہتمام کریں)، 'قال النووی: لا تجوز شهادة عدل واحد علی هلال شوال عند جمیع العلماء الا باثور'۔ (امام نوویؒ کہتے ہیں کہ: ہلال شوال کے چاند کے بارے میں، ماسوائے ابو ثورؒ، تمام علماء کے نزدیک ایک عادل مسلمان کی گواہی کافی نہیں)۔ [۱]

رمضان اور شوال کے ہلالوں کے نصاب رویت میں اختلاف کا سبب: ہلال رمضان و ہلال شوال کے مختلف نصاب ہونے کے بارے میں علامہ ابن رشدؒ امام شافعیؒ سے نقل بیان کرتے ہیں کہ: "امام شافعیؒ نے ہلال صوم اور ہلال فطر میں جو تفریق کی ہے، تو وہ ہلال فطر میں لوگوں کی طرف سے تہمت لگائے جانے کے امکان (خدا شہ) کے باعث ہو سکتی ہے۔ لیکن ہلال صوم کے

متعلق ایسی کسی تہمت کا امکان نہیں ہوتا ہے۔“ [۱]

اور امام ابنِ قدامہ المقدسیؒ فرماتے ہیں کہ: ”..... اور ہلالِ شوال کے بارے میں خبر کا حکم ہلالِ رمضان سے قدرے مختلف ہے، کیونکہ وہ عبادت ختم کرنے کے متعلق ہوتا ہے اور یہ عبادت شروع کرنے کے بارے میں ہے۔“ [۲]

اور شیخ علی محمد سعیدیؒ اختلافِ نصاب کی توجیہ میں فرماتے ہیں کہ: ”ان مختلف اقوال اور احادیث کے مابین جمع و تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے، اور یہی فیصلہ کن بات بھی ہے کہ روزہ کے لئے ایک، اور عید کے لئے دو گواہوں والی بات ہی زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ کیونکہ روزہ میں ایک بوجھ یا مشقت محسوس ہوتی ہے، اس کی شہادت دو گواہی دینے میں کسی شبہ کا احتمال نہیں ہوتا۔ جب کہ عید کے چاند سے ایک خوشی ہوتی ہے، اور ایک شخص کی شہادت میں شبہ کا احتمال ممکن ہے۔ لہذا اس کے لئے دو آدمیوں کی گواہی کا عہد ہی مناسب ہے۔“ [۳]

[۳]۔ فتاویٰ علمائے

[۲]۔ المغنی ۱۵۸/۳

[۱]۔ بدایۃ المجتہد ۲۸۷/۱

حدیث ۱۹۲/۶

مشکوٰۃ (یعنی غبار یا ابر والے) دن میں روزہ کا حکم

یوم شک کی تعریف: ”مشکوٰۃ“ یا ”شک والے دن“ سے مراد وہ دن ہے جس کے بارے میں یہ شک ہو جائے کہ شاید یہ رمضان کا دن ہو۔ مثال کے طور پر اگر ۲۹ شعبان کو مطلع پر ابر یا غبار چھایا ہو اور ہلال نظر نہ آئے، تو اگلے دن کے بارے میں یہ شک ہوتا ہے کہ شاید ہلال ہو چکا ہو، اور غبار یا ابر کی وجہ سے نظر نہ آسکا ہو، اور اس لحاظ سے آج رمضان کا پہلا دن ہو۔ ایسے دن کو مجہول ہونے کی بناء پر ”مشکوٰۃ دن“ کہتے ہیں، یعنی وہ دن جس کے بارے میں قطعی طور پر یہ معلوم نہ ہو کہ آیا وہ ماہ شعبان کا دن ہے، یا کہ رمضان کا، بلکہ اس کے بارے میں شک ہو۔

علامہ عینی کا قول ہے کہ: ”یوم شک وہ دن ہے جس کے بارے میں لوگ بتاتے ہیں کہ اس میں رویتِ ہلال ہوتی ہے، لیکن رویت ثابت نہ ہو، یا کسی فرد واحد نے شہادت دی ہو، مگر اس کی شہادت رد کر دی گئی ہو۔ یا دو فاسق افراد شہاد تو ہوں، مگر ان دونوں کی شہادت رد کر دی گئی ہو۔“ [۱]

امام نووی فرماتے ہیں کہ: ”اگر بادل یا کسی دوسری وجہ سے ۲۹ شعبان کو ہلال رمضان نظر نہ آئے تو انتیسویں شعبان سے اگلا دن، یعنی ۳۰ شعبان کا دن، یوم الشک کہلائے گا۔“ [۲]

امام ابن الجوزی اور حافظ ابن حجر وغیرہا فرماتے ہیں کہ: ”امام احمدؒ نے یوم شک کی تفسیر کو اس دن کے ساتھ خاص کیا ہے جب کہ لوگ ہلال کی رویت کی طلب سے تھک کر بیٹھ جائیں۔ یا کوئی شخص اس کی رویت کی شہادت تو دے، مگر حاکم اس کی شہادت کو قبول نہ کرے۔ مگر جب مطلع کے ارد گرد کوئی چیز حائل ہو تو اسے یوم شک نہیں کہتے۔ امام احمدؒ کے اصحاب میں

نے اکثر محققین نے اسی چیز کو اختیار کیا ہے۔ [۱]

میں کہتا ہوں کہ یوم الشک کی یہ تفسیر صحابہؓ اور تابعینؓ کی ایک جماعت سے بھی منقول ہے، جیسا کہ علامہ ذہبیؒ نے بیان کیا ہے۔ [۲]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ: ”اگر آسمان پر بادل چھائے ہوں، یا دن مطلقاً ابر آلود ہو، تو کیا اسے یوم شک کہا جائے گا؟ اس بارے میں مذہب امام احمدؒ وغیرہ میں تین اقوال ہیں: (۱) یہ یوم شک نہیں ہے، بلکہ اگر رؤیت ہلال ممکن ہو تو یہ یوم الشک ہوگا۔ یہ امام شافعیؒ کے اکثر اصحاب وغیرہم کا قول ہے۔ (۲) طلوع ہلال کے امکان کے باعث یہ یوم شک ہے۔ (۳) چونکہ یہ حکم رمضان کا دن ہے، اس لئے یوم شک نہیں ہو سکتا۔ امام احمدؒ کے اصحاب میں سے ایک جماعت نے اسی چیز کو پسند کیا ہے۔ [۳]

امام رحمہ اللہ ایک اور مقام پر ”یوم الغیم“ کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ”جب ماہ شعبان کی تیسویں شب کو مطلع ہلال کے ارد گرد بادل یا غبار چھایا رہے تو یہ یوم الغیم ہے۔“ [۴]

یوم شک میں روزہ کا حکم: چونکہ یوم شک میں روزہ رکھنا عہد صحابہؓ سے ہی بہت معرکہ الآراء، بلکہ مختلف فیہ مسئلہ رہا ہے، اس لئے ہم اس بارے میں ذرا تفصیل سے گفتگو کریں گے تاکہ اس موضوع کے تمام پہلو پوری طرح واضح ہو جائیں۔

اس بارے میں امام ابن قیم رحمہ اللہ نے کافی تفصیل سے بحث کی ہے، اور ان تمام احادیث کو جمع کر دیا ہے جو اس دن روزہ رکھنے کی ممانعت کے بارے میں وارد ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں: ”اگر تیسویں رات کو مطلع ہلال کے ارد گرد غبار یا ابر چھایا ہو تا تو نبی ﷺ شعبان کے ۳۰ دن کی مدت پوری فرماتے تھے، اور ابر یا غبار والے دن نہ خود روزہ رکھتے تھے، اور نہ ہی اس کا حکم دیتے تھے۔ بلکہ آپ ﷺ نے تو یہ حکم فرمایا ہے کہ: اگر مطلع ابر یا غبار آلود ہو تو شعبان کے ۳۰

[۱]۔ التحقیق فی احادیث الخلاف ۶۸/۲، فتح الباری ۱۲۲/۳، نصب الرایۃ ۲/۳۳۷،

عون المعبود ۲/۲۶۸ [۲]۔ نصب الرایۃ ۲/۳۳۷ [۳]۔ مجموع فتاویٰ

[۴]۔ مجموع فتاویٰ ۱۲۲/۲۵ ۱۰۳-۱۰۲/۲۵

دن پورے کئے جائیں، اور آپ ﷺ اسی کے مطابق عمل بھی فرماتے تھے۔ پس یہی آپ کا فعل، اور یہی آپ کا حکم ہے، اور آپ ﷺ کے اس قول سے متناقض نہیں ہے کہ: 'فان غم علیکم، فاقدروا له' [۱]، کیونکہ 'القدر' کا معنی 'اندازہ کیا ہوا حساب' ہے۔ اور اس سے مراد 'اکمال' ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے: 'فاكملوا العدة'، اور 'اکمال' سے مراد ابراہیم دہینہ کی مدت پوری کرنا ہے، جیسا کہ امام بخاریؒ کی بیان کردہ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے: 'فاكملوا عدة شعبان' [۲]، اور فرمایا ہے: 'لا تصوموا حتی تروه، ولا تفطروا حتی تروه، فان غم علیکم فاکملوا العدة' [۳]۔ یعنی آپ ﷺ نے روزہ شروع اور موقوف کرتے وقت اس مہینہ کی مدت پوری کرنے کا حکم دیا ہے جو کہ ابراہیم غبار آلود ہو۔ اس سے زیادہ صریح آپ ﷺ کا ارشاد یہ ہے: 'الشهر تسعة وعشرون، فلا تصوموا حتی تروه، فان غم علیکم فاکملوا العدة' [۴]۔ یہ حدیث باعتبار لفظ مہینہ کی ابتداء پر، اور باعتبار معنی مہینہ کے اختتام پر لوثی ہے۔ لہذا جن الفاظ پر یہ دلالت کرتی ہو اسے رد کرنا، اور معنوی لحاظ سے جن معانی پر یہ دلالت کرتی ہو اسے معتبر سمجھنا جائز نہیں ہے۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے: 'الشهر ثلاثون، والشهر تسعة وعشرون، فان غم علیکم، فعدوا ثلاثین' [۵]، اور فرمایا ہے: 'لا تصوموا قبل رمضان، صوموا لرؤیتہ، وافطروا لرؤیتہ، فان حالت دونہ غمامة، فاکملوا ثلاثین' [۶]، اور فرمایا ہے: 'لا تقدموا الشهر، حتی تروا الهلال، أو تکملوا العدة، ثم صوموا، حتی تروا الهلال، أو تکملوا العدة' [۷]، اور عائشہ

- [۱]۔ أخرجه البخاری ۱۰۲/۴، ۱۰۴/۱، ۱۰۸۰) وأصحاب السنن من حدیث عبد اللہ بن عمر
 [۲]۔ أخرجه البخاری ۱۰۶/۳ من حدیث ابی ہریرة [۳]۔ أخرجه مالک ۲۸۷/۱ من حدیث ابن عباس، وفيه انقطاع، وقد وصله أبو داود (۲۳۲۷) والترمذی (۶۸۸) من طریق سماک بن حرب عن عکرمۃ عن ابن عباس، وأخرجه مسلم نحوه (۱۰۸۱) من حدیث ابی ہریرة [۴]۔ أخرجه البخاری ۱۰۲/۴، ۱۰۵/۱ من حدیث ابن عمر [۵]۔ أخرجه مسلم فی "صحیحہ" (۱۰۸۰) (۱۵) من حدیث ابن عمر مرفوعاً بلفظ: 'الشهر هكذا وهكذا وهكذا، وعقد الایہام فی الثالث، والشهر هكذا وهكذا وهكذا، یعنی تمام ثلاثین' [۶]۔ أخرجه الترمذی (۶۸۸) وأبو داود (۲۳۲۷) والنسائی ۱۳۶/۳ من طریق سماک عن عکرمۃ عن ابن عباس [۷]۔ أخرجه أبو داود (۲۳۲۶) والنسائی ۱۳۵/۳، ۱۳۶/۳ من حدیث حذیفۃ بن الیمان، وإسناده صحیح، وصححه ابن خزیمۃ (۱۹۱۱) وابن حبان (۸۷۵)

رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: 'کان رسول اللہ ﷺ يتحفظ من هلال شعبان، ما لا يتحفظ من غيره، ثم يصوم لرؤيته، فان غم عليه، عد شعبان ثلاثين يوماً، ثم صام'۔ امام دارقطنیؒ اور امام ابن حبانؒ نے اس حدیث کی صحت بیان کی ہے [۱]۔ اور فرمایا کہ: 'صوموا لرؤيته، وافطروا لرؤيته، فان غم عليكم، فاقدروا له ثلاثين' [۲]، اور فرمایا ہے: 'لا تصوموا حتى تروه، ولا تفطروا حتى تروه، فان غم عليكم، فاقدروا له' [۳]۔ اور فرمایا ہے: 'لا تقدموا رمضان'، اور ان الفاظ میں بھی فرمایا ہے: 'لا تقدموا بين يدي رمضان بيوم، أو يومين، إلا رجلاً كان يصوم صياماً، فليصمه' [۴]۔

ابن عباسؓ کی یہ مرفوع حدیث کہ: 'لا تصوموا قبل رمضان، صوموا لرؤيته، وافطروا لرؤيته، فان حالت دونك غمامة، فأكملوا ثلاثين' اس بات کی دلیل ہے کہ ابراہیمؑ اور دودن اس نہی میں داخل ہے۔ ابن حبانؒ نے اپنی "صحیح" میں اس کو وارد کیا ہے [۵]۔ یہ حدیث ابراہیمؑ اور دودن میں بغیر رویت کے روزہ رکھنے، اور ماہ شعبان کے ۳۰ دن پورے نہ کرتے ہوئے رمضان سے ایک روز قبل روزہ رکھنے کے بارے میں بالکل صریح ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: 'لا تقدموا الشهر، إلا أن تروا الهلال، أو تكملوا العدة، ولا تفطروا حتى تروا الهلال، أو تكملوا العدة' [۶]۔ اور فرمایا ہے: 'صوموا لرؤيته، وافطروا لرؤيته، فان حال بينكم وبينه سحب، فأكملوا العدة ثلاثين، ولا تستقبلوا الشهر استقبالا' [۷]۔ اس حدیث کے متعلق امام ترمذیؒ فرماتے

[۱]۔ أخرجه أحمد ۱۳۹/۶ وأبو داود (۲۳۲۷) وابن خزيمة (۱۹۱۰) وابن حبان (۸۶۹) والبيهقي ۲۰۶/۳ والدارقطني ۱۵۶/۲، ۱۵۷، وقال: هذا اسناد حسن صحيح، وصححه الحاكم ۴/۳۲۳، ووافقه الذهبي [۲]۔ أخرجه البخاري ۱۰۶/۳ ومسلم (۱۰۸۱) (۱۹) من حديث أبي هريرة [۳]۔ أخرجه امام مالك في الموطأ مع شرح الزرقاني ۱۵۲/۲-۱۵۳ والبخاري ۱۰۴/۱۰۲، ۱۰۴/۱۰۳ ومسلم (۱۰۸۰) من حديث ابن عمر [۴]۔ أخرجه البخاري ۱۰۹/۳ ومسلم (۱۰۸۲) من حديث أبي هريرة [۵]۔ أخرجه ابن حبان (۸۷۳) من حديث أبي الأحوص عن سماك عن عكرمة عن ابن عباس، وسنده حسن، وأخرجه هو (۸۷۳) وابن خزيمة (۱۹۱۲) من حديث سماك [۶]۔ تقدم تخريجه من حديث حذيفة، وهو صحيح [۷]۔ تقدم تخريجه، وأخرجه البيهقي ۳۰۷/۳، والذبي (۶۸۸)

ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور نسائی میں یونس عن سماک عن عکرمہ عن ابن عباس کی مرفوع حدیث میں ہے: 'صوموا لرؤیتہ، وافطروا لرؤیتہ، فان غم علیکم، فعدوا ثلاثین یوما، ثم صوموا، ولا تصوموا قبلہ یوما، فان حال بینکم وبينہ صحاب، فاکملوا العدة عدة شعبان' [۱]۔ اور ساک نے عکرمہ عن ابن عباس کے طریق سے روایت کی ہے کہ: 'تمارى الناس فى رؤية هلال رمضان، فقال بعضهم: اليوم، وقال بعضهم: غدا، فجاء اعرابي الى النبي ﷺ، فذكر أنه رآه، فقال النبي ﷺ: أتشهد أن لا إله إلا الله، وأن محمداً رسول الله؟ قال: نعم، فأمر النبي ﷺ بلالا، فنادى فى الناس صوموا، ثم قال: 'صوموا لرؤیتہ، وافطروا لرؤیتہ، فان غم علیکم، فعدوا ثلاثین یوما، ثم صوموا، ولا تصوموا قبلہ یوما' [۲]۔

یہ تمام احادیث صحیح ہیں۔ ان میں سے بعض "صحیحین" میں، اور بعض "صحیح ابن حبان" اور حاکم وغیرہما میں موجود ہیں۔ اگر ان میں سے بعض معلول ہوں، تو بھی ان کے مجموعہ سے صحت استدلال، ان میں سے بعض احادیث سے دوسری احادیث کی تفسیر و تشریح، اور بعض احادیث سے دوسری احادیث کا اعتبار لائق قدح نہیں ہے۔ ان میں سے بعض احادیث دوسری احادیث کی تصدیق کرتی ہیں، اور ان سب کی مراد متفق علیہ ہے۔ [۳]

ابراہیم الدودن کے روزہ کے وجوب یا عدم وجوب، یا اس دن کے روزہ کی ممانعت یا عدم ممانعت کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اپنے فتاویٰ میں نہایت تفصیل سے بحث کی ہے، چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں: "اگر مطلع ہلال کے ارد گرد بادل یا غبار حائل ہو تو اس بارے میں مذہب امام احمدؒ وغیرہ میں علماء کے متعدد اقوال ملتے ہیں۔ اوّل: اس دن کے روزہ کی ممانعت ہے۔ پھر یہ ممانعت تحریمی ہے یا کہ تنزیہی؟ اس بارے میں بھی دو قول ہیں، اور یہ چیز امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کے مذاہب میں مشہور ہے۔ امام احمدؒ کے اصحاب کی ایک جماعت، مثلاً ابی الخطاب، ابن عقیل اور ابی القاسم بن مندہ اصفہانی وغیرہم رحمہم اللہ، نے اسی کو پسند کیا ہے۔ دوم: اس دن کا روزہ واجب ہے، جیسا کہ امام احمدؒ کے

[۲]۔ أخرجه الدارقطني في

[۱]۔ أخرجه النسائي ۱۵۳/۲، وسنده حسن

"مسندہ" ۱۵۸، ۱۵۷/۲ [۳]۔ زاد المعاد ۲/۳۰۷

اصحاب میں سے قاضی اور خرقی وغیرہما اللہ نے پسند کیا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ امام احمدؒ سے مروی اقوال میں سے یہ مشہور ترین قول ہے۔ لیکن جو لوگ ان کی نصوص اور الفاظ سے واقف ہیں ان کے نزدیک امام احمدؒ سے جو چیز ثابت ہے وہ یہ ہے کہ آپ عبد اللہ بن عمرؓ اور دوسرے صحابہ کی اتباع میں یوم النعم کو روزہ رکھنا مستحب سمجھتے تھے۔ عبد اللہ بن عمرؓ اس دن کے روزہ کو لوگوں کے لئے واجب نہیں سمجھتے تھے، بلکہ احتیاطاً ایسا کیا کرتے تھے۔ صحابہ میں سے بعض دیگر حضرات بھی احتیاطاً اس دن کا روزہ رکھتے تھے، چنانچہ عمرؓ، علیؓ، معاویہؓ، ابو ہریرہؓ، عائشہؓ، اسماءؓ اور ابن عمرؓ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے ایسا کرنا منقول ہے۔ صحابہ میں ایسے لوگ بھی تھے جو اکثر صحابہ کی طرح اس دن کا روزہ نہیں رکھتے تھے۔ اور ان میں بعض ایسے صحابہ بھی تھے جو اس دن کے روزہ سے منع کرتے تھے، مثلاً عمار بن یاسرؓ وغیرہ۔ اس لئے امام احمدؒ اس دن احتیاطاً روزہ رکھتے تھے۔ جہاں تک امام احمدؒ، یا ان کے اصحاب میں سے کسی سے اس دن کے روزہ کا وجوب منقول ہونے کا تعلق ہے تو یہ ایک بے اصل بات ہے، اگرچہ آپ کے اکثر اصحاب یہی اعتقاد رکھتے تھے، اور اسی کی تائید کیا کرتے تھے کہ آپ کا مذہب اس دن کے روزہ کے وجوب کا ہے۔ سو: اس دن کا روزہ رکھنا، اور مفطر رہنا دونوں جائز ہیں۔ یہ امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کا مذہب ہے۔ امام احمدؒ کا مخصوص، اور آپ سے صریحاً منقول مذہب بھی یہی ہے۔ بہت سے صحابہ اور تابعین، بلکہ ان میں سے بیشتر، کا مذہب بھی یہی رہا ہے۔ یہ فجر کی رویت میں حائل کسی علت کے باعث امساک کرنے (کھانے پینے سے رک جانے) کی طرح ہی جائز ہے۔ اگر کوئی چاہے تو امساک کرے، اور چاہے تو طلوع فجر کے یقین ہونے تک کھانا پیتا رہے۔ اسی طرح اگر یہ شک ہو جائے کہ وضوء ٹوٹ گیا ہے یا نہیں؟ تو اگر وہ چاہے تو وضوء کر لے، اور نہ چاہے تو نہ کرے۔ اسی طرح اگر یہ شک ہو جائے کہ زکوٰۃ دینے کا سال پورا ہو چکا ہے یا نہیں؟ یا یہ شک ہو جائے کہ زکوٰۃ ۱۰۰ روپیہ پر واجب الاداء ہے یا ۱۲۰ روپیہ پر؟ تو زیادہ اداء کر دے۔ تمام اصول شریعت میں یہ مستقر ہے کہ احتیاطی چیز نہ واجب ہوتی ہے اور نہ حرام۔ اس لئے اگر اس دن کا روزہ مطلق نیت، یا اس طرح معلق نیت کے ساتھ رکھ لیا کہ اگر رمضان کا دن ہو تو رمضان کا روزہ ہے ورنہ نہیں، تو امام ابو حنیفہؒ کے مذہب میں اور امام احمدؒ سے مروی روایاتوں میں سے صحیح تر روایت

کے مطابق یہ جائز ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس کو امام مروزی وغیرہ نے نقل کیا، اور امام خرقی نے ”المختصر“ کی اپنی شرح میں، نیز ابوالبرکات وغیرہا نے اختیار کیا ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس دن کا روزہ جائز نہیں ہے، مگر اس نیت کے ساتھ کہ یہ رمضان کا ہی روزہ ہے، جیسا کہ امام احمدؒ سے منقول روایات میں سے ایک روایت میں وارد ہے۔ اس قول کو قاضیؒ اور آپ کے اصحاب کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔ اس مسئلہ کی بنیاد ماہ رمضان کی نیت کی تعیین پر ہے کہ آیا یہ واجب ہے یا نہیں؟ اس بارے میں امام احمدؒ کے مذہب میں تین اقوال پائے جاتے ہیں۔ اول: اس دن کا روزہ جائز نہیں ہے، مگر یہ کہ رمضان کی نیت کے ساتھ رکھا جائے۔ پس اگر مطلق یا معلق نیت کے ساتھ، یا نفل یا نذر کی نیت سے روزہ رکھا تو جائز نہیں ہے، جیسا کہ امام شافعیؒ کے مشہور مذہب اور امام احمدؒ سے منقول ایک روایت میں ہے۔ دوم: ایسا مطلقاً جائز ہے، جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں ہے۔ سوم: مطلق نیت کے ساتھ تو جائز ہے، لیکن غیر رمضان کی تعیین نیت کے ساتھ جائز نہیں ہے۔ یہ امام احمدؒ سے منقول تیسری روایت ہے، اور اس کو امام خرقیؒ اور ابوالبرکات رحمہما اللہ کے اختیار کیا ہے۔ اس مسئلہ کی تحقیق: نیت علم کے تابع ہے، پس اگر جانتا ہو کہ کل رمضان ہے تو ایسی صورت میں نیت کی تعیین ضروری ہے۔ اگر نفلی یا مطلق روزہ کی نیت کی تو جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ عزوجل نے اس پر واجب کردہ عمل کو اداء کرنے کا حکم فرمایا ہے، جو کہ یہاں ماہ رمضان ہے، اور وہ اس ماہ کے روزوں کے وجوب کو بھی جانتا ہے۔ پس اگر وہ واجب کی ادائیگی نہ کرے تو اپنے ذمہ سے آزاد نہیں ہوگا۔ لیکن اگر یہ نہ جانتا ہو کہ کل کا دن ماہ رمضان کا ہے، تو ایسی صورت میں اس پر نیت کی تعیین ضروری نہیں ہے۔ اور جو شخص علم کے بغیر تعیین نیت کو واجب کرے، تو گویا اس نے دو متضاد چیزوں کو باہم جمع کرنا واجب کر لیا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اس دن کا روزہ جائز ہے، اور ایسی صورت میں مطلق یا معلق نیت کے ساتھ روزہ رکھ لیا تو جائز ہوگا۔ لیکن اگر اس دن نفلی روزہ کا ارادہ کیا، پھر معلوم ہوا کہ یہ دن تو ماہ رمضان کا ہے، تو زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ اس طرح بھی روزہ جائز ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس کچھ امانت ہو لیکن وہ اس کے بارے میں نہ جانتا ہو۔ پس وہ اسے بطور صدقہ دے دے، پھر اسے معلوم ہو کہ یہ تو اسی کا حق تھا تو

اسے دوبارہ وہ امانت اداء کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس کا فقط یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ جو چیز تم کو ملی ہے وہ میرے پاس تمہارا ہی حق تھا۔ اور اللہ ہی تمام امور کے حقائق کو جاننے والا ہے۔ اور وہ روایت جو کہ امام احمد کے بارے میں بیان کی جاتی ہے کہ لوگ اس بارے میں حاکم وقت کی نیت کے تابع ہیں تو یہ لوگوں کے حسب علم صوم و فطر سے متعلق ہے۔ کتب ”السنن“ میں نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ’صومکم یوم نصومون، و فطرکم یوم تفترون، وأضحاکم یوم تضحون‘۔ [۱]

امام رحمہ اللہ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ: ”ابرآلودن کے روزہ کے متعلق علماء نے اختلاف کیا ہے۔..... ایک جماعت کہتی ہے کہ: رمضان کی نیت کے ساتھ اس دن کا روزہ احتیاطاً واجب ہے۔ یہ روایت امام احمد سے منقول ہے۔ اس چیز کو آپ کے اصحاب میں سے اکثر متأخرین نے پسند کیا، اور اپنے پیشتر متقدمین سے اسی چیز کی حکایت کی ہے۔ اس کی بناء اس بارے میں وارد حدیث کی ان کی بیان کردہ تاویل، نیز یہ امر ہے کہ اگر شعبان پر نقص کا گمان غالب ہو تو ہلال کا طلوع اظہر ہے۔ اور جب اس کا گمان غالب ہو تو غالب ظن کے مطابق عمل واجب ہے۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ: اس دن ماہ رمضان کا روزہ رکھنا ناجائز ہے۔ یہ روایت بھی امام احمد سے منقول ہے، اور آپ کے اصحاب میں سے ایک جماعت، مثلاً ابن عقیل اور حلوانی رحمہما اللہ، نے اسے اختیار کیا ہے۔ یہی قول امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کا بھی ہے۔ اس کے لئے جو کچھ احادیث میں وارد ہے وہ ان کا مستدل ہے، اور شک سے وجوب کا ثابت نہ ہونا ان کی بناء ہے۔ اس بارے میں ایک تیسرا قول بھی ہے، اور وہ یہ کہ: اس دن رمضان کا روزہ رکھنا بھی جائز ہے، اور فطر کرنا بھی۔ لیکن فجر کے وقت سے اس دن روزہ رکھنا افضل ہے۔..... امام احمد کی اکثر نصوص اسی قول پر دلالت کرتی ہیں۔ امام رحمہ اللہ اس دن کے روزہ کو مستحب سمجھتے تھے، اور اس پر عمل بھی کرتے تھے، لیکن اس کو واجب نہیں سمجھتے تھے۔ اس چیز کو انہوں نے صحابہ سے مروی عمل سے اخذ کیا ہے۔..... ان صحابہ کے بارے میں منقول ہے کہ یہ لوگ ابر چھانے کی حالت میں روزہ رکھا کرتے تھے، لیکن روزہ کو واجب قرار نہیں دیتے تھے۔ لوگوں کی

غالب تعداد اس دن روزہ نہیں رکھتی تھی، مگر یہ حضرات ان کے روزہ ترک کرنے پر کوئی نکارت نہیں کرتے تھے۔ لیکن اگر مطلع صاف ہوتا، تو وہ اس دن کے روزہ کو مستحب نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اس سے روکا کرتے تھے۔ چونکہ اصلاً اور ظاہر اس دن ہلال کا طلوع نہ ہونا ہے، لہذا اس دن کا روزہ رمضان میں ایک دن کی تقدیم ہوگا، اور نبی ﷺ نے اس چیز سے منع فرمایا ہے۔ کیا ابراہیمؑ اور اس کا نام یوم شک ہے؟ اس بارے میں آپ ﷺ سے دو مختلف روایتیں ملتی ہیں۔ آپ کے اصحاب بھی اس بارے میں مختلف آراء رکھتے تھے۔ لیکن جہاں تک آپ ﷺ کے نزدیک صاف آسمان والے دن کے حکم کا تعلق ہے، تو آپ نے یوم شک یا شعبان کے دن کا یقین ہونے کی صورت میں اس دن روزہ رکھنے سے بلا توقف منع فرمایا ہے۔ اس قول پر اصولی شریعت سے استدلال یوں ہے کہ اگر کوئی مشکوک شیء وجوب کی متقاضی ہو، مثلاً اگر زکوٰۃ یا کفارہ یا نماز کے وجوب کے متعلق شک ہو، تو اس کا کرنا نہ تو واجب ہے، اور نہ ہی اس کا چھوڑنا مستحب ہے، بلکہ احتیاطاً اس پر عمل کر لینا ہی مستحب ہے۔ پس اصولی شریعت کسی احتیاط کو حرام نہیں ٹھہراتا، اور نہ مجرد شک کی بناء پر اسے واجب قرار دیتا ہے۔ اسی طرح مہینہ کا پہلا روز بھی دن کے ابتدائی ساعات کی طرح ہوتا ہے۔ اگر کسی کو دن کے طلوع ہونے کے بارے میں شک ہو جائے تو اس پر نہ اسماک واجب ہے، اور نہ ہی روزہ کے ارادہ سے اس پر اسماک حرام ہوتا ہے۔ اسی طرح مہینہ کی ابتداء میں بدلی کا چھایا ہونا یوم شک کے ابر کی مانند ہے، بلکہ یوم شک کے روزہ سے تو فرض میں زیادتی کرنے کے خوف کی وجہ سے منع کیا گیا ہے۔ اس باب میں صحابہ سے مروی غالب تر روایات اس بات پر متفق ہیں کہ ان کی جماعت میں سے جو صحابہ اس دن روزہ رکھتے تھے، مثلاً عمرؓ، علیؓ اور معاویہؓ وغیرہم رضی اللہ عنہم، تو انہوں نے اس کے وجوب کی صراحت نہیں کی ہے۔ اسی طرح بیشتر وہ صحابہ جو اس دن مفطر رہتے تھے، انہوں نے بھی اس دن کے روزہ کی تحریم کی صراحت نہیں کی ہے۔ ان میں سے جو صحابہ اس دن کے روزہ کو مکروہ سمجھتے تھے، تو ہو سکتا ہے کہ وہ اس دن کے روزہ کو واجب سمجھنے والوں کی وجہ سے اسے مکروہ سمجھتے ہوں، یعنی جو چیز واجب نہیں ہے اس کے ایجاب کے خوف کی وجہ سے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسی کہ ان میں سے پانی سے استنجاء کو مکروہ سمجھنے والے صحابہ کی ہے، یعنی اس خوف کی بناء پر کہ لوگ اسے واجب نہ سمجھنے لگیں۔ اسی

طرح صحابہ کی ایک جماعت سفر کی حالت میں روزہ رکھنے والوں کو قضاء کرنے کا حکم دیتی تھی، کیونکہ وہ سفر کے دوران مفطر رہنا مکروہ سمجھتے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ کراہت فاعل کے حال پر عائد ہوتی ہے، نہ کہ روزہ کی نفس احتیاط پر۔ لہذا اس دن کے روزہ کی تحریم یا وجوب دونوں میں اصول شریعت سے بعد پایا جاتا ہے۔ اگر اس باب کی احادیث ماثورہ پر غور کیا جائے تو ان میں سے بیشتر احادیث اکمالِ عدت کے بعد روزہ کے وجوب پر اسی طرح صریح نظر آتی ہیں جس طرح کہ قبلِ اکمال اس فعل پر دلالت کرنے والی بعض احادیث ملتی ہیں۔ البتہ روزہ کا ایجاب قبلِ اکمال محلِ نظر ہے۔ امام احمد کی غالب نصوص اسی متوسط قول پر دلالت کرتی ہیں، الخ۔“

[۱]

اس بارے میں شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے چند اور اقوال آپ کے فتاویٰ کے بعض دوسرے مقامات پر بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ [۲]

”صحيح البخارى“ کے ترجمۃ الباب: ”باب قول النبی ﷺ: اذا رايتم الهلال فصوموا، واذا رايتموه فافطروا“ [۳] کی شرح میں علامہ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”امام بخاریؒ نے اس باب میں وہ احادیث ذکر کی ہیں جو یومِ شک کے روزہ کی نفی پر دلالت کرتی ہیں، اور انہیں نہایت حسن ترتیب کے ساتھ جمع فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ نے اس باب کی ابتداء عمارؓ کی حدیث سے کی ہے جو کہ اس دن روزہ رکھنے کے عصیان کی صراحت کرتی ہے۔ پھر ابن عمرؓ کی حدیث دو طرح سے لائے ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں: فان غم عليكم، فاقدروا له، اور دوسری حدیث میں فاكملوا العدة ثلاثين کے الفاظ ہیں۔ اس سے ان کا مقصد قول: فاقدروا له کی مراد کو بیان کرنا ہے۔ پھر آپ نے ابن عمرؓ کی ایک اور حدیث لا کر یہ واضح کیا ہے کہ: الشهر هكذا وهكذا، وحبس الابهام في الثالثة، پھر اس حدیث ابن عمرؓ کی ایک شاہد روایت، یعنی ابو ہریرہؓ کی حدیث، کا تذکرہ کیا ہے، جو اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ عدة الثلاثين میں ماہ شعبان کے تیس دن پورے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر حدیث ابن عمرؓ کہ: مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہو سکتا ہے، کی دو شاہد حدیثیں ذکر کی

[۱]۔ مجموع فتاویٰ ۱۲۲/۲۵۔ ۱۲۵۔ [۲]۔ انظر مجموع فتاویٰ ۱۷۷/۲۵۔ ۱۷۸۔

[۳]۔ فتح الباری ۱۱۹/۳۔ ۲۰۴/۲۵

ہیں جو اُمّ سلمہؓ اور انسؓ سے مروی ہیں، اور اس بارے میں مصرح ہیں کہ مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔ [۱]

اور شیخ محمد امین اثری رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ ”مشکوٰۃ دن میں روزہ رکھنا“ کے زیر عنوان لکھتے ہیں: ”شعبان کی انتیس تاریخ کی شام کو غبار یا بادل کی وجہ سے مطلع صاف نہ ہو، اور چاند دکھائی نہ دے، نیز کسی دوسرے مقام سے چاند دیکھنے کی معتبر اطلاع بھی نہ آئے، تو رات شعبان کی ہوگی، اور اس سے اگلا دن شعبان کا سمجھا جائے گا، اور اس دن روزہ رکھنا جائز نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ کا واضح ارشاد ہے: ’فإن غم عليكم، فأكملوا عدة شعبان ثلاثين‘ [صحیحین] (ترجمہ: اگر ابر کیا جائے تم پر تو پوری کرو گنتی شعبان کی ۳۰ دن)۔ پس غبار یا ابر کی وجہ سے چاند نہ دیکھنے کی صورت میں یہ خیال کر کے روزہ رکھنا کہ اگر کہیں سے چاند کی خبر آگئی تو روزہ رمضان کا ہو جائے گا ورنہ نقلی ہوگا، غلط ہے۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ صحابی فرماتے ہیں کہ ’جس نے شک کے دن میں روزہ رکھا، اس نے آنحضرت ﷺ کی نافرمانی کی۔‘ [ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ]۔ [۲]

میں کہتا ہوں کہ یوم شک کے روزہ کے متعلق مذکورہ بالا حدیث کا پس منظر صلۃ بن زفر کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ: ”ہم صحابی عمار بن یاسرؓ کے پاس موجود تھے۔ ایک بھٹی ہوئی بکری لائی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ: کھاؤ! تو ایک شخص پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے کہا کہ میں روزہ سے ہوں، تو عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ’مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ، فَقَدْ غَضَىٰ أَبَا الْقَاسِمِ ﷺ‘۔ [۳] (ترجمہ: جس نے اس دن روزہ رکھا جس کے بارے میں شک کیا جاتا ہو، تو اس نے ابوالقاسم (یعنی رسول اللہ ﷺ) کی نافرمانی کی)

حدیث عمار کا مرتبہ اور اس کی صحت کے متعلق بعض شبہات کا ازالہ: اس حدیث کے متعلق

[۱]۔ فتح الباری ۱۱۹/۴ [۲]۔ روزہ احکام و مسائل، ص ۳۳-۳۴ [۳]۔ اخروہ ابوداؤد مع العون ۲۷۲/۲ و الترمذی مع التحفة ۳۳-۳۲/۲ و النسائی ۱۵۳/۴ و ابن ماجہ (۱۶۳۵) و الدارمی ۴۲۷/۱ و الطحاوی ۳۵۶/۱ و الدارقطنی مع التعلیق ۱۵۷/۲ و البغوی فی ”شرح السنۃ“ ۲۴۱/۶ و البیہقی ۲۰۸/۴ و صحیحہ ابن حبان (۳۵۸۵) و المحاکم فی ”المستدرک“ ۴۲۳/۱ و ابن خزیمہ (۱۵۱۴) و علقہ البخاری بصیغۃ الجزم (مع الفتح ۱۱۹/۴)

امام ترمذی فرماتے ہیں: ”حدیث حسن صحیح“، امام دارقطنی کا قول ہے: ”هذا إسناد حسن صحیح، ورواته کلهم ثقات“، امام حاکم فرماتے ہیں: ”حدیث صحیح علی شرط الشیخین، ولم یخرجاه“، امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان نے اپنی اپنی ”صحیح“ میں اسے وارد کر کے گویا اس کی تصحیح فرمائی ہے۔ امام بخاری نے اسے اپنی ”صحیح“ میں جزم کے صیغہ کے ساتھ تعلیقاً وارد کیا ہے، امام ابن الجوزی نے ”التحقیق فی أحادیث الخلاف“ [۱] میں اسے وارد کیا، اور اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔ امام ابن عبد البر فرماتے ہیں: ”هذا حدیث مسند عندهم، لا یختلفون فی ذلک“۔ [۲]

لیکن علامہ جوہری مالکی نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے: ”هو موقوف“۔ لیکن اس کا جواب دیتے ہوئے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ”یہ لفظ موقوف، لیکن حکماً مرفوع ہے۔ کیونکہ یہ بات صحابی اپنی رائے سے نہیں کہہ سکتا ہے۔ پس یہ مرفوع کی قبیل سے ہوئی۔“ [۳] علامہ زیلعی نے بھی اسے ”غریب“ (یعنی اپنی اصطلاح میں ضعیف) قرار دیا ہے۔ [۴] لیکن میں کہتا ہوں کہ علامہ زیلعی نے اس کی ”غرابت“ (ضعف) کا کوئی معقول سبب بیان نہیں کیا ہے، اور ان کا اس کی تضعیف کرنا خلاف واقعہ ہے۔ غالباً اس کی وجہ بھی وہی ہے جو کہ علامہ محمد ناصر الدین الالبانی کے الفاظ میں اس طرح ہے: ”وفی ذلک کلمہ نظر عندی“۔ علامہ رحمہ اللہ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ: ”امام بخاری نے راوی عمرو بن قیس سے احتجاج نہیں کیا ہے، اور ابواسحاق، جو کہ عمرو بن عبد اللہ السمعی ہے، اگرچہ ثقہ ہے، لیکن آخر میں مختلط ہو گیا تھا، جیسا کہ ”التقریب“ میں ہے۔ اور ایک سے زائد ائمہ نے اس پر ندلیس کی جرح کی ہے، اور وہ اسے ’عنعنہ‘ کے ساتھ روایت کرتا ہے۔“ [۵] واضح رہے کہ علامہ الالبانی نے اس حدیث کو ”صحیح“ قرار دیا ہے۔ [۶]

[۱]۔ التحقیق فی أحادیث الخلاف ۷۶/۲ [۲]۔ کما فی الفتح ۱۲۰/۳ والنیل ۱۱۶/۳ والنهضة ۳۳/۲ والمون ۲۷۲/۲ وشرح الزرقانی علی الموطأ ۱۹۵/۲ [۳]۔ فتح الباری ۱۲۰/۳، تحفة الأحوذی ۳۳/۲، شرح الزرقانی علی الموطأ ۱۹۵/۲ [۴]۔ نصب الرایة ۳۳۲/۲ [۵]۔ إرواء الغلیل ۱۲۵/۶-۱۲۶ [۶]۔ إرواء الغلیل ۱۲۵/۶

علامہ عبدالرحمن مبارکپوریؒ بیان کرتے ہیں کہ: ”حافظ عراقیؒ نے ”شرح الترمذی“ میں لکھا ہے کہ: علامہ صفائیؒ نے اپنی ایک تصنیف میں موضوع حدیثیں جمع کی ہیں، اور اس میں عمارؒ کی مذکورہ حدیث بھی ذکر کی ہے۔ لیکن مجھے اس حدیث پر وضع کا حکم لگانے کی وجہ معلوم نہ ہو سکی، کیونکہ اس کی اسناد میں کوئی متہم بالکذب راوی موجود نہیں ہے، بلکہ اس کے تمام رواۃ ثقافت ہیں۔ وہ (حافظ عراقیؒ) مزید کہتے ہیں کہ میں نے کتاب مذکور کی جن احادیث پر رد لکھا ہے، ان میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا متصل ہونا یقیناً محل نظر ہے، چنانچہ امام مزیؒ نے ”الاطراف“ میں لکھا ہے کہ یہ عن ابی اسحاق السبعی، اُنہ قال: حدثت عن صلة بن زفر مروي ہے۔ لیکن امام بخاریؒ نے صلة تک اس کی صحت کا جزم اختیار کیا ہے، لہذا کہتے ہیں: وقال صلة، اور یہ چیز ان کے نزدیک صحت کی متقاضی ہے۔ امام بیہقیؒ نے بھی کتاب ”المعرفة“ میں لکھا ہے کہ: باسناد صحیح، انتہی۔ [۱]

لیکن میں کہتا ہوں کہ راقم نے علامہ حسن بن محمد بن الحسن الصفائیؒ (م ۵۵۷ھ) کی کتاب ”موضوعات الصفائی“ مع تحقیق و تخریج و تعلیق نجم عبدالرحمن خلف، طبع دار المأمون للتراث، دمشق، ۱۴۰۵ھ بار بار دیکھی، لیکن عمار بن یاسرؒ کی زیر بحث حدیث اس میں کہیں نظر نہیں آئی، واللہ اعلم بالصواب۔

متابعات حدیث عمارؒ: میں کہتا ہوں کہ عمارؒ سے مروی مندرجہ ذیل ایک متابع طریق بھی اس حدیث کو تقویت دیتا ہے:

منصور نے ربیع سے روایت کی ہے کہ: ”عمار بن یاسرؒ اور ان کے ساتھ موجود لوگوں کے پاس اس دن بھٹنا ہوا سلونہ آیا جس دن کے بارے میں یہ شک تھا کہ وہ ماہ رمضان کا دن ہے، یا غیر رمضان کا۔ پس وہ لوگ (کھانے کے گرد) جمع ہو گئے، مگر ایک شخص ان سے پیچھے رہ گیا۔ عمارؒ نے اس سے کہا کہ: آ جا اور کھا! اس نے کہا کہ: میں روزہ دار ہوں۔ عمارؒ نے اس سے کہا: اگر تو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو آ، اور اسے کھا۔“ [۲]

حافظ ابن حجرؒ نے ابن ابی شیبہؒ کی اس متابع روایت کی اسناد کو ”حسن“ قرار دیا ہے۔

[۱]، علامہ محمد بن ناصر الدین الألبانی نے بھی ابن ابی شیبہؒ کی اس سند کو ”صحیح علی شرط الشیخین“ قرار دیا ہے۔ [۲]، حافظ ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ: ”امام عبدالرزاقؒ نے اسے عن منصور عن ربعی عن رجل عن عمار کے طریق سے بھی روایت کیا ہے۔ ایک دوسری روایت بھی اس کی شاہد ہے جس کی تخریج امام اسحاق بن راہویہؒ نے سماک عن عکرمہ کے طریق سے کی ہے۔ [۳] واضح رہے کہ حافظ ابن جریر رحمہ اللہ نے امام عبدالرزاقؒ کے طریق میں ربعی اور عمارؒ کے مابین واسطہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

محمد بن کعب سے روایت ہے کہ: ”قال: دخلت علی أنس بن مالک عند العصر يوم يشكون فيه من رمضان، وأنا أريد أن أسلم عليه، فدعا بطعام، فأكل، فقلت: هذا الذي تصنع سنة؟ قال: نعم“۔ [۴] (ترجمہ: فرماتے ہیں کہ: میں انس بن مالک کے پاس عصر کے قریب اس دن حاضر ہوا جس کے متعلق لوگ رمضان کا شک کر رہے تھے۔ میں ان سے سلام کرنا چاہتا تھا۔ انہوں نے کھانا منگا کر کھایا۔ میں نے پوچھا: کیا آپ نے سنت کے طور پر ایسا کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں)

اس بارے میں انس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے بعض ضعیف احادیث بھی مروی ہیں، جیسا کہ امام ترمذیؒ نے بیان کیا ہے۔ [۵] جہاں تک انسؒ کی حدیث کا تعلق ہے تو اسے امام بیہقیؒ نے متوفوا روایت کیا ہے۔ لیکن امام بیہقیؒ کی تخریج اسناد میں ابو عبد اللہ یعنی عبداللہ بن سعید المقبریؒ ہے، جو بقول امام احمد بن حنبلؒ ”منکر الحدیث“ ہے۔ اور ابو ہریرہؒ کی حدیث عند ابن عدیؒ ”الکامل فی الضعفاء“ میں علی القرشیؒ کے ترجمہ کے تحت، اور عند البزارؒ [۶] بلفظ: ”نہی رسول اللہ ﷺ عن صیام ستة أيام: يوم الأضحی، ويوم الفطر، وأيام التشريق، واليوم الذي يشك فيه من رمضان“ مروی ہے۔ لیکن اس کی اسناد میں بھی راوی عبداللہ بن سعید المقبریؒ عن جدہ باعث ضعف ہے، جیسا کہ علامہ بیہقیؒ نے بیان

[۱]۔ فتح الباری ۴/۱۲۰ [۲]۔ إرواء الغلیل ۳/۱۲۶ [۳]۔ فتح الباری

۴/۱۲۰ [۴]۔ قال الہیثمی فی ”مجمع الزوائد“ ۳/۱۳۸: رواه الطبرانی فی

”الأوسط“، ورجاله رجال الصحيح [۵]۔ جامع الترمذی مع التحفة ۲/۳۳

[۶]۔ مسند البزار مع كشف الأستار ۱۰۶۶

کیا ہے۔ [۱] امام ابن الجوزیؒ نے ”التحقیق فی احادیث الخلاف“ [۲] میں، اور امام دارقطنیؒ نے اپنی ”سنن“ [۳] میں بھی اس کی تخریج کی ہے، لیکن اس کی اسناد میں مقبری کے علاوہ واقدی بھی موجود ہے جو کہ بہت زیادہ ضعیف ہے۔

علامہ شوکاٹیؒ فرماتے ہیں کہ: ”ان احادیث سے یوم شک کے روزہ کی ممانعت پر استدلال کیا جاتا ہے۔“ [۴]، لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ روایات ضعیف ہونے کے باعث چونکہ محل استدلال نہیں ہیں، لہذا ہم یہاں ان کے تفصیلی تذکرہ سے صرف نظر کرتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ ”ان احادیث“ سے علامہ شوکاٹیؒ کی مراد عمار بن یاسرؓ کی مذکور فی الباب، اور اس کی ہم معنی احادیث، مثلاً الأمر بالصوم لرؤية الهلال اور النهی عن استقبال رمضان بصوم وغیرہ، ہوں جیسا کہ صاحب ”تحفة الأحوذی“ نے بیان کیا ہے۔ [۵]، واللہ اعلم بالصواب۔

اس بارے میں ایک روایت اسماعیل بن علیہ ثنا حاتم بن ابی صغیرہ عن سماک بن حرب بھی مروی ہے، بیان کرتے ہیں کہ: ”أصبحت فی یوم قد أشکل علی من شعبان أو من شهر رمضان، فأصبحت صائماً، فأتیت عکرمه، فإذا هو يأکل خبزاً وبقلاً، فقال: هلم إلی الغداء، فقلت: إنی صائم، فقال: أقسم بالله لتفطرن، فلما رأیته حلف ولا یستثنی، تقدمت فعذرت، وإنما تسحرت قبیل ذلک، ثم قلت: هات الآن ما عندک، فقال: حدثنا ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: صوموا لرؤیته، وأفطروا لرؤیته، فإن حال بینکم وبينه سحاب، فکملوا العدة ثلاثین، ولا تستقبلوا الشهر استقبالا“۔ [۶] (ترجمہ: وہ دن جب کہ میرے لئے یہ جاننا دشوار ہوا کہ یہ صبح ماہ شعبان کی ہے، یا ماہ رمضان کی، تو مجھ پر روزہ کی حالت میں صبح نمودار ہوئی۔ پھر میں عکرمہ کے پاس پہنچا تو وہ روٹی اور باقلہ تناول کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا: یہاں کھانے کے لئے آؤ۔ میں نے کہا کہ: میں روزہ دار ہوں۔ انہوں نے کہا: اللہ کی

[۱]۔ مجمع الزوائد ۳/۲۰۳ [۲]۔ التحقیق فی احادیث الخلاف ۷۶۲/۲ [۳]۔ سنن الدارقطنی مع التعليق ۲/۱۵۷ [۴]۔ نیل الأوطار ۳/۱۱۶ وکذا فی تحفة الأحوذی ۳۳/۲ [۵]۔ تحفة الأحوذی ۳۳/۲ [۶]۔ رواہ الدارمی ۴۲۷/۱ ۴۲۸

قسم! تمہیں روزہ کھلانا ہی پڑے گا۔ میں نے انہیں جب قسم کھاتے، اور مجھے روزہ کھولنے سے مستثنیٰ نہ کرتے دیکھا تو میں آگے بڑھا، اور بطور معذرت عرض کی کہ: ابھی ذرا پہلے ہی تو میں نے سحری کھائی ہے۔ آپ کے پاس اس بارے میں جو حکم ہے وہ پیش کریں، تو انہوں نے کہا: ابن عباسؓ نے ہم سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:.....

خطیب بغدادیؒ نے ابن عباسؓ کی حدیث محمد بن عیسیٰ بن عبد اللہ الاودی کے ترجمہ میں وکیع بن سفیان عن سماک عن عکرمہ عن ابن عباس کے طریق سے اس طرح روایت کی ہے: ”من صام اليوم الذی يشک، فقد عصی اللہ ورسولہ“۔ [۱] اور فرماتے ہیں: ”تابع الأدمی علیہ احمد ابن عاصم الطبرانی عن وکیع، ورواہ إسحاق بن راهویة عن وکیع، فلم یجاوز بہ عکرمة [۲]

خطیب بغدادیؒ ہی نے ہاشم بن القاسم الحرانی قال: حدثنا یعلی بن الأشدق عن عبد اللہ بن جراد کے طریق سے بھی روایت کی ہے، فرمایا: ”أصبحنا يوم الثلاثین صیاماً، وكان الشهر قد غم علينا، فأتینا النبی ﷺ، فأصنناه مفطراً، فقلنا: یا نبی اللہ! صمنا اليوم، فقال: أفطروا، إلا أن یكون رجل یصوم هذا اليوم، فلیتم صومه، لأن أفطر يوماً من رمضان یتمازی فیہ أحب إلّی من أن أصوم يوماً من شعبان لیس منه (یعنی لیس من رمضان)“۔ (ترجمہ: ہم تیسویں دن روزہ دار تھے، اور یہ وہ مہینہ تھا جب کہ ہم پر آسمان ابرا آلود تھا۔ پھر ہم نبی ﷺ کے پاس آئے، اور آپ کو مفطر پایا۔ ہم نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! آج کے دن ہم روزہ دار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: روزہ افطار لو، سوائے اس شخص کے جو اس دن روزہ رکھتا ہو، پس وہ اپنا روزہ پورا کرے۔ کیونکہ رمضان کے ایک دن روزہ نہ رکھنا، جس کے بارے میں شک ہو، مجھے زیادہ پسندیدہ ہے شعبان کے ایک دن روزہ دار رہنے سے، جو کہ اس سے (یعنی ماہ رمضان سے) نہ ہو۔)

[۱] - تاریخ بغداد ۳۹۷/۲ قلت: رواہ ابن ابی شیبہ ۱۷۱/۲ بسند صحیح عن عکرمة من قولہ، وکذلک رواہ یحییٰ بن سعید القطان عن سفیان الثوری، لم یدکر فیہ ابن عباس، اتّفق، کذا فی نصب الرایة ۳۳۲/۲

اسے روایت کرنے کے بعد خطیب بغدادی فرماتے ہیں: ”فقی هذا الحديث كفاية عن ما سواه“۔ لیکن امام ابن الجوزی نے اس حدیث کی روایت پر امام خطیب پر بہت تشنیع سے کام لیا ہے، اور اسے ان کی عصیبت سے عبارت بتایا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ: ”یہ حدیث ابن جراد پر گھڑی ہوئی ہے، اور بے اصل ہے۔ جن ائمہ نے ”سنن“ کو جمع کیا، اور ضعاف کی حدیثوں کے ذکر کی رخصت دی ہے، انہوں نے بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ یہ حدیث یعلیٰ بن الأشدق کے نسخہ میں مذکور ہے، اور یہ نسخہ من گھڑت ہے۔ (پھر آں رحمہ اللہ نے یعلیٰ بن الأشدق پر امام ابو زرعدرازی، امام ابواحمد بن عدی الحافظ، امام بخاری اور امام ابوحاتم بن حبان کی جرحیں نقل کی ہیں)۔“ [۱]، علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ: ”صاحب ”التنقیح“ نے بھی ابن الجوزی کے قول کی موافقت و توقیر کی ہے۔“ [۲]

اور مشہور تابعی امام محمد بن سیرین کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”خرجت فی اليوم الذی شک فیہ، فلم أدخل علی أحد یؤخذ عنه العلم الا وجدته یاکل، الا رجلا کان یحسب ویأخذ بالحساب، ولو لم یعلم کان خیرا له۔“ [۳] (ترجمہ: میں اس دن گھر سے نکلا جس کے بارے میں کہ لوگ شک کرتے ہیں تو میں ان لوگوں میں سے کہ جن سے علم دین اخذ کیا جاتا ہے جس کسی کے پاس بھی پہنچا تو اسے کھاتے ہوئے ہی پایا، سوائے ایک شخص کے جو کہ حساب کتاب کرتے، اور اس سے روایت ہلال کا حکم اخذ کرتے تھے۔ اگر وہ یہ علم نہ جانتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا) پھر مزید لکھتے ہیں کہ: ”یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ شخص مطرف بن عبداللہ ابن الشثیر تھے، جو کہ بہت جلیل القدر انسان تھے۔ پس اگر ان کے متعلق یہ بات درست ہو تو یہ علماء کی لغزشوں میں سے ہے۔“ [۴]

علامہ زرقانی نے بھی امام ابن سیرین کا مذکورہ بالا قول نقل کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: ”بصرہ کے علماء و فضلاء نے تابعین میں سے مطرف بن عبداللہ ابن الشثیر، یا انہی کی طرح ابن سرج کا یہ قول کہ: اگر بدلی چھائی ہوئی ہو تو علم نجوم کی مدد سے رویت پر استدلال کیا جائے۔ اور یہ کہ وہ

[۱]۔ التحقیق فی احادیث الخلاف ۷۶/۲-۷۷ ملخصاً [۲]۔ نصب الرایۃ ۲/۴۴۰

[۳]۔ کذا فی مجموع فتاویٰ ۱۸۲/۲۵ [۴]۔ کذا فی مجموع فتاویٰ ۱۸۲/۲۵

اس طرح روزہ رکھنا جائز سمجھتے تھے، تو اس بارے میں ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ: اگر انہوں نے ایسا نہ کہا ہوتا تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا، جیسا کہ ”الاستذکار“ میں مذکور ہے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ مطرف کی طرف اس قول کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ [۱]

حاصل کلام یہ کہ عمار بن یاسرؓ کی حدیث میں قول: ”فقد عصىٰ ابا القاسم“ سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ”استدل به على تحريم صوم يوم الشك، لان الصحابي لا يقول ذلك من قبل رأيه، فيكون من قبيل المرفوع“۔ [۲]

یہی امام مالکؒ سے ”صيام اليوم الذى يشك فيه“ کے زیر عنوان روایت کرتے ہیں کہ: ”انہوں نے اہل علم کو شعبان کے اس دن رمضان کی نیت سے روزہ رکھنے سے منع کرتے ہوئے سنا ہے، جس کے بارے میں کہ شک کیا جاتا ہے۔ جو روایت کے بغیر اس دن روزہ رکھ لے، پھر کوئی عادل گواہ آ کر یہ بتائے کہ یہ تو رمضان ہے، تو ایسے شخص کے بارے میں ان اہل علم کی رائے یہ تھی کہ اس پر اس دن کی قضاء ہے۔ لیکن وہ اس دن نفلی (تطوعاً) روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ امام مالکؒ فرماتے تھے کہ: اس بارے میں ہمارے نزدیک یہی حکم ہے، اور اسی پر میں نے اپنے شہر (یعنی مدینہ منورہ) کے اہل علم کو پایا ہے۔“۔ [۳]

اور اسی طرح امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: ”والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ، ومن بعدهم من التابعين، وبه يقول سفیان الثوری ومالک بن انس وعبدالله بن المبارك والشافعی واحمد واسحاق كرهوا ان يصوم الرجل اليوم الذى يشك فيه، ورأى أكثرهم: ان صامه، وكان من شهز رمضان، ان يقضى يوما مكانه“۔ [۴] (ترجمہ: اور اسی پر نبی ﷺ کے اصحابؓ، اور ان کے بعد تابعینؓ میں سے بیشتر اہل علم کا عمل رہا ہے۔ یہی قول سفیان ثوریؒ، مالک

[۱]۔ شرح الزرقانی علی الموطا ۱۵۵/۲ [۲]۔ فتح الباری ۱۲۰/۴، وكذا في تحفة الأحوذی ۳۳/۲ وعون المعبود ۲۷۲/۲ وشرح الزرقانی علی الموطا ۱۱۹۵/۲ [۳]۔ موطا الامام مالک مع شرح الزرقانی ۱۹۵-۱۹۴/۲ [۴]۔ جامع الترمذی مع التحفة ۳۳/۲

بن انسؓ، عبداللہ بن مبارکؓ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کا بھی ہے۔ یہ لوگ شک کے دن کسی شخص کا روزہ رکھنا مکروہ سمجھتے تھے، اور ان میں سے اکثر کی رائے یہ ہے کہ: اگر کوئی اس دن روزہ رکھ لے، اور وہ رمضان کا دن (ثابت) ہو (جائے)، تو وہ اس کی جگہ ایک دن کا روزہ قضاء کرے)

امام ترمذیؒ کے اس قول کو امام بغویؒ نے بھی نقل کیا ہے، لیکن اس میں مذکورہ بالا سلف صالحین کے ساتھ اوزاعیؒ اور اصحاب الرائے بھی شامل ہیں۔ [۱] اس امر کی تائید امام شوکانیؒ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے: ”قال النووي: وبه قال مالك والشافعي والجمهور، وحكى الحافظ في ”الفتح“ عن مالك وأبي حنيفة: أنه لا يجوز صومه عن فرض رمضان، ويجوز عما سوى ذلك“۔ [۲] (ترجمہ: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ: یہی قول امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور جمہور کا بھی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے ”فتح الباری“ میں بیان کیا ہے کہ: امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ سے روایت ہے کہ یوم شک کو رمضان کا فرض روزہ رکھنا جائز نہیں ہے، لیکن اس کے علاوہ دوسرے روزے رکھنا جائز ہے)

میں کہتا ہوں کہ اصحاب الرائے میں سے امام ابوحنیفہؒ سے اس چیز کی حکایت امام ابن الجوزیؒ نے بھی کی ہے۔ [۳] جب کہ امام خطابیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ان کے اصحاب کی نسبت بھی اس طرف کی ہے، چنانچہ علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ ان سے ناقل ہیں: ”اختلف الناس في معنى النهي عن صيام يوم الشك، فقال قوم: انما نهى من صيامه اذا نوى به ان يكون من رمضان، فاما من نوى به صوم يوم من شعبان فهو جائز، هذا قول مالك بن انس والاوزاعي وأبي حنيفة وأصحابه، وخصص فيه على هذا الوجه أحمد بن حنبل وإسحاق بن راهوية، الخ“۔ [۴] (ترجمہ: علماء کا یوم شک کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت کے معنی کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا ہے کہ: یہ ممانعت اس روزہ کے لئے ہے جب کہ رمضان کا روزہ ہونے کی نیت کی جائے۔ لیکن اگر

[۱]۔ انظر شرح السنة ۲۴۱/۶ [۲]۔ نيل الأوطار ۱۱۶/۳، فتح الباری ۱۲۲/۴، تحفة الأحوذی ۳۳/۲ [۳]۔ التحقيق في أحاديث الخلاف ۶۸/۲ [۴]۔ عون المعبود ۲۷۲/۲ نقلاً عن الخطابي

کوئی اس روزہ کے لئے شعبان کا روزہ ہونے کی نیت کرے تو یہ جائز ہے۔ یہ قول امام مالک بن انسؒ، امام اوزاعیؒ، امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور امام اسحاق بن راہویہؒ نے بھی اس طرح روزہ رکھنے کی رخصت دی ہے، (الخ)

واضح رہے کہ علامہ بغویؒ کے نزدیک امام ترمذیؒ کے مذکورہ بالا قول میں اہل علم کی آخر الذکر رائے میں یہ اضافہ بھی شامل ہے کہ: ”فاما من صام يوم الشك من شعبان، فرخص فيه هؤلاء، وقال الشافعي: لا يجوز، إلا أن يوافق صوماً كان يصومه، فيجوز“۔ [۱] (ترجمہ: مگر جس نے یوم شک کو رمضان کا روزہ رکھا تو اس بارے میں ان علماء نے رخصت (اجازت) دی ہے۔ لیکن امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ: ایسا کرنا جائز نہیں ہے، لیکن اگر یہ روزہ اس کے روزے رکھنے کی عادت کے مطابق ہو تو جائز ہے)

جہاں تک یوم شک کو رکھے جانے والے روزہ کے رمضان کا روزہ ثابت ہو جانے کی صورت میں اس کی قضاء کرنے کا تعلق ہے تو علامہ محدث مبارکپوریؒ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ: ”جو یوم شک کو روزہ رکھتا ہے، وہ یقینی طور پر رمضان کا روزہ نہیں رکھتا، پس اگر بعد میں اس پر یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ رمضان تھا، تو اس پر اس روزہ کے بدلہ ایک دن کی قضاء کرنا ضروری ہے۔“ [۲] علامہ زرقانیؒ نے بھی اس روزہ کی قضاء کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ: ”کیونکہ وہ شخص اس دن کا روزہ بالجزم اس نیت کے ساتھ نہیں رکھتا کہ یہ رمضان کا روزہ ہے۔“ [۳]

امام ابن الجوزیؒ وغیرہ امام احمد بن حنبلؒ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ: ”اگر شعبان کی تیسویں رات کو مطلع ہلال کے آس پاس بدلی یا غبار حائل ہو تو اس بارے میں امام احمدؒ سے تین روایات منقول ہیں۔ پہلی روایت یہ ہے کہ: تیسویں دن رمضان کی نیت سے روزہ رکھنا واجب ہے۔ صحابہ میں سے عمرؓ، علیؓ، ابن عمرؓ، معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ، انسؓ، ابو ہریرہؓ، عائشہؓ اور اسماء بنت ابوبکرؓ اسی طرف گئے ہیں۔ کبار تابعین میں سے طاؤسؓ، مجاہدؓ، سالمؓ (بن عبد اللہ)، بکر بن عبد اللہ (المزنی)، مطرفؓ (بن اشثیر) اور میمون بن مہرانؓ وغیرہ کا قول بھی یہی ہے۔ اس مسئلہ میں امام احمدؒ سے دوسری روایت یہ ہے کہ: شک کے دن نہ رمضان کا روزہ جائز ہے، اور نہ نفل روزہ۔ لیکن

[۱]۔ شرح السنة ۱/۶ ۲۴۲۔ [۲]۔ تحفة الأحوذی ۲/۳۳۔ [۳]۔ شرح

قضاء، کفارہ، نذر اور وہ نفلی روزہ رکھنا جائز ہے جو کہ کسی شخص کے ہر ماہ کے آخر میں روزہ رکھنے کی عادت کے مطابق ہو۔ یہ امام شافعیؒ کا قول بھی ہے۔ اور امام احمدؒ سے تیسری روایت یہ ہے کہ: روزہ رکھنے، اور نہ رکھنے کے بارے میں امام (یعنی حاکم وقت) کی رائے مرجع ہے۔ یہ حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کہتے ہیں کہ: اس روز رمضان کا روزہ رکھنا ناجائز ہے، لیکن اس کے سوا دوسرے تمام روزے جائز ہیں۔ [۱]

امام بغویؒ فرماتے ہیں کہ: ”عامۃ اہل العلم اس طرف گئے ہیں کہ صرف رقبۃ ہلال سے، یا پھر تیس دن کی تعداد پوری ہونے پر ہی روزہ رکھا جائے گا، اور اسی طرح افطار کیا جائے گا۔ امام احمد بن حنبلؒ ابن عمرؓ کے مذہب کی طرف گئے ہیں کہ اگر ۲۹ شعبان کو کسی آسمانی علت کی بناء پر ہلال نظر نہ آئے تو لوگ روزہ رکھیں، اور اگر مطلع صاف ہو تو وہ روزہ نہ رکھیں۔“ [۲]

واضح رہے کہ علامہ زیلعیؒ نے امام ابن الجوزیؒ سے بحوالہ ”التحقیق“ نقل کیا ہے کہ: ”امام احمدؒ سے اصح الروایتیں یہ ہے کہ یوم شک کو رمضان کی نیت سے روزہ رکھنا واجب ہے۔“ [۳]

امام ابن قدامہؒ نے بھی امام احمدؒ کے مذکورہ بالا تینوں اقوال نقل کرتے ہوئے اسی قول کو رائج قرار دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: ”اس مسئلہ کے بارے میں امام احمد رحمہ اللہ سے مختلف روایات آئی ہیں۔ چنانچہ آں رحمہ اللہ سے مروی وہ قول جو خرقی نے نقل کیا ہے، اور جسے ہمارے اصحاب میں سے اکثر شیوخ نے اختیار کیا ہے، اور جو عمرؓ، ابن عمرؓ، عمرو بن العاصؓ، ابو ہریرہؓ، انسؓ، معاویہؓ، عائشہؓ اور اسماء بنت ابوبکرؓ کا مذہب ہے، اور جس کے بکر بن عبد اللہؓ، ابو عثمان النہدیؓ، ابن ابی مریمؓ، مطرفؓ، میمون بن مہرانؓ، طاؤسؓ اور مجاہدؓ قائل ہیں (یہ ہے کہ: اگر مطلع ہلال کے ارد گرد ابریاب غبار حائل ہو تو اس دن کا روزہ واجب ہے)۔ امام احمدؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ: لوگ امام (حاکم) کے تابع ہیں۔ اگر وہ روزہ رکھے تو تمام لوگ بھی روزہ رکھیں، اور اگر وہ افطار کرے تو تمام لوگ بھی افطار کریں۔ یہ قول حسنؒ اور ابن سیرینؒ کا ہے، اور نبی ﷺ کے اس ارشاد کے

[۱] - التحقیق فی احادیث الخلاف ۶۸/۲، تحفة الأخوذی ۳۳/۲، عون المعبود ۲۶۸/۲، نیل الأوطار ۱۱۶/۳، فتح الباری ۱۲۲/۳ (مختصراً) [۲] - شرح السنة ۲۳۳/۲ [۳] - نصب الراية ۳۳۷/۲

مطابق ہے: 'الصوم يوم تصومون، والفطر يوم تفطرون، والأضحى يوم تضحون'۔ یہ کہا گیا ہے کہ: اس سے مراد یہ ہے کہ صوم و فطر جماعت اور معظم الناس کے ساتھ ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ امام احمد سے تیسری روایت یہ ہے کہ: اس دن کا روزہ واجب نہیں ہے، اور اگر اس روز رمضان کا روزہ رکھا جائے تو ناجائز ہے۔ یہی اکثر اہل علم کا قول ہے، جن میں امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور ان کے اتباع شامل ہیں۔ ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: 'صوموا لرؤیتہ، وأفطروا لرؤیتہ، فإن غمی علیکم، فاکملوا عدة شعبان ثلاثین'۔ [رواہ البخاری]، اور ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: 'صوموا لرؤیتہ، وأفطروا لرؤیتہ، فإن غم علیکم، فاقدرُوا له ثلاثین'۔ [رواہ مسلم]، اور صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے یوم الشک کے روزہ سے منع فرمایا ہے۔ [متفق علیہ]، اور یہ یوم شک ہی ہے۔ اور چونکہ شعبان کی بقاء اصل ہے، لہذا شک کی بناء پر شعبان سے رمضان کی طرف منتقل نہیں ہوا جائے گا۔ [۱]

آگے چل کر امام ابن قدامہ المقدسیؒ مزید فرماتے ہیں کہ: "یوم شک کے روزہ کے بارے میں وارد نہیں اس پر محمول ہے کہ جب مطلع (ابریا غبار آلود نہیں، بلکہ) صاف ہو۔ اس کی دلیل ہم نے اوپر ذکر کی ہے۔ اور فی الجملہ روزہ صرف رؤیت ہلال، یا شعبان کے تیس دن پورے ہونے، یا پھر مطلع ہلال کے ارد گرد غبار یا ابر طاری ہونے کی صورت ہی میں واجب ہے۔ اس بارے میں جو اختلاف ہے اس کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں۔" [۲]

امام خطابی اور امام بغوی رحمہما اللہ نے ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ: "ایک جماعت کا قول ہے: اس دن کے روزہ کی ممانعت وارد ہونے کی وجہ سے نہ فرض روزہ رکھا جائے گا، اور نہ نفلی۔ یہ چیز ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے، اور عکرمہ کا قول ہی یہی ہے۔ مگر ابو بکرؓ کی دونوں بیٹیاں عائشہؓ اور اسماءؓ یوم شک کو روزہ رکھتی تھیں۔ عائشہؓ کہتی تھیں کہ: "لأن أصوم يوماً من شعبان أحبُّ إليَّ من أن أفطر يوماً من رمضان" (ترجمہ: مجھے شعبان کے ایک دن روزہ دار رہنا، رمضان کے ایک دن بے روزہ رہنے سے زیادہ پسندیدہ ہے)۔" [۳]

[۱]۔ المغنی ۸۹/۳۔ ۹۰۔ [۲]۔ المغنی ۹۱/۳۔ [۳]۔ شرح السنة ۲۴۲/۶

عبداللہ بن ابی موسیٰ مولیٰ بنی نصر سے سند صحیح مروی ہے کہ: ”انہوں نے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس دن کے متعلق پوچھا جس کے بارے میں لوگ شک کرتے ہیں، تو انہوں نے فرمایا: ”لأن أصوم يوماً من شعبان أحبّ إليّ من أن أفطر يوماً من رمضان“۔

[۱]

واضح رہے کہ علامہ ابن قدامہ المقدسی نے یہی چیز عائشہ کے علاوہ علیؑ اور ابو ہریرہؓ سے بھی نقل کی ہے، کہ فرمایا: ”لأن أصوم يوماً من شعبان أحبّ إليّ من أن أفطر يوماً من رمضان“۔ [۲]

اور علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں کہ: ”علیؑ اور عائشہؓ کے متعلق مروی ہے کہ یہ دونوں یوم الشک کو قطعاً روزہ رکھتے تھے۔ میں (یعنی زیلعی) کہتا ہوں کہ: یہ روایت غریب (یعنی ان کی اصطلاح میں ’ضعیف‘) ہے۔ اور ”التحقیق لابن الجوزی“ میں ہے کہ علیؑ اور عائشہؓ کا مذہب یہ تھا کہ اگر مطلع ہلال کے ارد گرد بادل وغیرہ چھائے ہوں، تو تیسویں شعبان کے دن روزہ رکھنا واجب ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ: امام احمدؒ سے منقول دو اقوال کی روایتوں میں سے صحیح تر قول ہے۔ مزید کہتے ہیں کہ: اس روایت کی بناء پر اسے یوم شک نہیں کہا جاتا، بلکہ حکماً یہ ماہ رمضان سے ہے، واللہ اعلم، انتہی۔“ [۳]

جہاں تک علیؑ کے قول کا تعلق ہے تو میں کہتا ہوں کہ اس کی تخریج امام شافعیؒ نے کتاب ”الأم“ [۴] اور اپنی ”مسند“ [۵] میں کی ہے۔ امام بغویؒ نے ”شرح السنة“ [۶] میں، اور امام ابن قیمؒ نے ”زاد المعاد“ [۷] میں بھی اس کا تذکرہ کیا ہے، لیکن اس کی سند میں انقطاع ہے۔

صاحب ”البحر الزخار“ نے علیؑ کے اس قول سے یہ سمجھا ہے کہ وہ یوم شک کے روزہ کو مستحب سمجھتے تھے۔ [۸]، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ بات علیؑ نے رمضان شروع ہونے سے

[۱]۔ أخرجه البيهقي ۲۱۱/۳ وأحمد ۱۲۵/۶، وأخرج نحوه عن أسماء [۲]۔

المغنی ۹۰۳ [۳]۔ نصب الرأية ۲/۴۴۲-۴۴۳ [۴]۔ الأم ۸۰/۲ [۵]۔

مسند الشافعي ۲۵۱/۱ [۶]۔ شرح السنة ۶/۲۴۴ [۷]۔ زاد المعاد ۳۱/۲۵ [۸]۔

كذا في البحر الزخار ۲/۲۴۷

قبل ایک شخص کی گواہی قبول کرنے کے بارے میں فرمائی تھی، جیسا کہ اوپر ”ہلال رمضان کی شہادت کا نصاب“ کے زیر عنوان بیان کیا جا چکا ہے۔ اس بارے میں جو چیز علی سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ آپ یوم الشک کا روزہ رکھنے سے منع فرماتے تھے۔ [۱]

امام بغوی اور امام خطابی رحمہما اللہ ابن عمرؓ کے متعلق بھی فرماتے ہیں: ”وکان ابن عمر یروی صومہ من رمضان، إذا کان فی السماء سحاب أو قترۃ، وإن کان صحواً، فلا، والیہ ذهب أحمد بن حنبل“۔ [۲] (ترجمہ: عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ کا مذہب یہ تھا کہ اگر آسمان ابریغبار آلود ہوتا تو یوم شک کو رمضان کا روزہ رکھتے تھے، لیکن اگر مطلع صاف ہوتا تو روزہ نہیں رکھتے تھے۔ امام احمد بن حنبل بھی اسی طرف گئے ہیں)

جہاں تک اس بارے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل کا تعلق ہے تو نافع روایت کرتے ہیں کہ: ”فکان ابن عمر إذا کان شعبان تسعاً وعشرین نظراً له، فإن رءى فذاک، وإن لم یر، ولم یحل دون منظره سحاب ولا قترۃ، أصبح مفطراً، فإن حال دُونَ منظره سحاب أو قترۃ، أصبح صائماً، قال: وکان ابن عمر یفطر مع الناس، ولا یاخذ بهذا الحساب“۔ [۳] (ترجمہ: جب شعبان کی انیسویں تاریخ ہوتی تو ابن عمرؓ کے لئے ہلال دیکھا جاتا تھا۔ اگر ہلال نظر آ جاتا تو خیر (یعنی ابن عمرؓ روزہ دار ہوتے)۔ اور اگر ہلال نظر نہ آتا، اور ہلال کے مطلع کے ارد گرد بادل یا غبار بھی حائل نہ ہوتا، تو آپ صبح مفطر اٹھتے تھے۔ اگر ہلال کے مطلع کے ارد گرد بادل یا غبار حائل ہوتا تو آپ صبح روزہ دار اٹھتے تھے۔ راوی نے مزید بیان کیا ہے کہ: ابن عمرؓ لوگوں کے ساتھ افطار کرتے، اور اسے (ماہ رمضان کے) حساب میں شمار نہ کرتے تھے)

اسی طرح امام احمد بن حنبلؓ نے اسماعیل حدثنا ایوب عن نافع عن ابن عمر کے طریق سے آنے والی روایت کو لانے کے بعد نافع کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ”فکان ابن

[۱]۔ کذا فی المصنف لابن أبی شیبۃ ۱۲/۱ ب والمحلّی ۲۳/۷ والمجموع ۴۶۲/۶ وکنز العمال (۲۳۴۱۶) [۲]۔ شرح السنۃ ۲۳۲/۶ وعون المعبود ۲۷۲/۲ نقلًا عن الخطابی [۳]۔ سنن أبی داود مع العون ۲۶۷/۲-۲۶۸/۲ والبیہقی ۲۰۴/۳ وشرح السنۃ ۲۳۳/۶، وإسناده صحیح، وكذا فی مجموع فتاویٰ ۱۲۹/۲۵

عمر إذا مضى من شعبان تسع وعشرون بيعت من ينظر، فإن رأى فذاك، وإن لم ير ولم يحل دون منظره سحاب ولا قتر، أصبح مفطراً، وإن حال أصبح صائماً“۔ [۱]

ابن عمرؓ کے اس فعل کی توجیہ میں امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ: ”ابن عمرؓ روزہ کے احتیاط کی وجہ سے ماہ شعبان میں ایسا کیا کرتے تھے، اور اسے ماہ رمضان کے حساب میں شمار نہیں کرتے تھے۔ اور اگر مطلع صاف ہونے کے باوجود لوگوں کو ہلال نظر نہ آتا، تو لوگوں کے ساتھ انظار کرتے تھے“۔ [۲]

اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے امام ثوریؒ نے اپنی ”جامع“ میں عبدالعزیز بن حکیم الحضرمی سمعت ابن عمر کے طریق سے وارد کیا ہے کہ: ”قال: لو صممت السنة كلها، لأفطرث اليوم الذی: يُشكُّ فيه“۔ [۳] (ترجمہ: اگر میں پورے سال بھی روزہ دار رہوں، تو اس دن ضرور روزہ چھوڑ دوں گا جس کے بارے میں کہہ (رمضان کا) شک کیا جاتا ہے)

”زاد المعاد“ کے محقق شیخ شعیب الارنؤوط اور شیخ عبدالقادر الارنؤوط نے بھی اس کی اسناد کو صحیح بتایا ہے۔ [۴]، لیکن امام ابن الجوزیؒ نے اس اثر کو عبدالعزیز بن حکیم کی موجودگی کے باعث غیر صحیح قرار دیا ہے۔ [۵]

اسی طرح ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ: ”اگر میں رمضان کے ایک دن کا روزہ نہ رکھوں، اور پھر اس کی قضاء کر لوں تو میرے لئے یہ صورت زیادہ پسندیدہ ہوگی بہ نسبت اس کے کہ میں رمضان کے ایام میں ایک دن کا اضافہ کر لوں جو رمضان میں سے نہ ہو“۔ [۶]

[۱]۔ أخرجه أحمد في ”مسنده“ ۵/۲ وابن الجوزي في ”التحقيق“ ۷/۲، وكذا في فتح الباری ۱۲۲/۴ وزاد المعاد ۴۱/۲ وعون المعبود ۲۶۸/۲ ومجموع فتاوى ۱۳۸/۲-۱۳۹ [۲]۔ كذا في شرح السنة ۲۳۳/۶ وعون المعبود ۲۶۸/۲ [۳]۔ كذا في عون المعبود ۲۶۸/۲ والتحقيق في أحاديث الخلاف ۷/۲ وفتح الباری ۱۲۲/۴ وزاد المعاد ۴۶/۲، وقلت: اسنادہ صحیح [۴]۔ انظر حاشية على زاد المعاد ۴۶/۲ [۵]۔ التحقيق في أحاديث الخلاف ۷/۲ [۶]۔ سنن الكبرى للبيهقي ۴/۲، وكذا في المحلى ۲۳/۷ والمجموع ۶۴۲/۶

علامہ ذرقانی رحمہ اللہ نے ابن عباسؓ وغیرہ کے متعلق بیان کیا ہے کہ: ”ابن عباسؓ اور ایک جماعت نے ماہ شعبان ورمضان کے مابین ایک یا دو یا چند دن فطر رہ کر نفل کرنا اسی طرح مستحب قرار دیا ہے جس طرح کہ وہ گفتگو کے ذریعہ، یا چل پھر کر، یا اپنی جگہ سے آگے پیچھے ہٹ کر، دو فرض یا فرض اور نفل نمازوں کے درمیان نفل کرنا مستحب سمجھتے تھے۔“ [۱]

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق حافظ ابن قیمؒ بیان کرتے ہیں کہ: ”وہ شک کے دن روزہ نہیں رکھتے تھے، اور نبی ﷺ کے اس ارشاد سے احتجاج فرماتے تھے: ’لا تصوموا حتی تروا الهلال، ولا تفطروا حتی تروہ، فإن غم علیکم، فاکملوا العدة ثلاثین‘۔..... آپؐ کہا کرتے تھے کہ: مجھے اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو کہ مہینہ کو ایک یا دو دن مقدم کرتا ہے، جب کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں فرمایا ہے: ’لا تقدموا رمضان، بیوم ولا یومین‘۔ گویا اس طرح وہ ابن عمرؓ پر نکارت فرماتے تھے۔“ [۲]

اور عمر بن الخطابؓ کے متعلق مروی ہے کہ آپؓ بھی یوم الشک کے روزہ سے منع فرماتے تھے۔ آپؓ کا قول ہے کہ: ”ہر شخص کو اس بات سے بچنا چاہئے کہ وہ شعبان میں ایک دن (رمضان) کا روزہ رکھ لے، یا رمضان میں ایک دن کا روزہ نہ رکھے۔“ [۳]

یہ بھی مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: ”ہلال دیکھ کر روزے رکھو، اور ہلال دیکھ کر ہی افطار کرو۔ اور اگر مطلع ابرآلود ہو تو شعبان کے ۳۰ دن شمار کرو، پھر افطار نہ کرو یہاں تک کہ رات کی تاریکی ٹیلوں پر چھا جائے۔“ [۴]

لیکن اس کے برخلاف آپؓ ہی سے ایک دوسری روایت اس طرح نقل کی گئی ہے کہ آپؓ نے فرمایا: ”اگر مطلع ابرآلود ہونے کے باعث ہلال رمضان مخفی ہو تو شعبان کے ۲۹ دن شمار کرو، اور شعبان کے تیسویں دن رمضان کا پہلا دن شمار کر کے روزہ رکھ لو۔“ [۵] لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ روایت آپؓ کی سابقہ روایت کے خلاف ہے، اور بقول صاحب ”طرح التثريب“:

آپؓ کی ”پہلی روایت ہی صحیح اور رائج ہے۔“ [۶]

[۱]۔ شرح الزرقانی علی الموطا ۱۵۳/۲ [۲]۔ زاد المعاد ۴۵/۲ [۳]۔ المصنف

لابن ابی شیبہ ۱۲۷/۱ اب [۴]۔ سنن الکبریٰ للبیہقی ۲۰۸/۹ والمصنف لعبد الرزاق ۲۶۲/۲

[۵]۔ کما فی المجموع ۳۶۶/۶ [۶]۔ طرح التثريب ۱۰۹/۳

امام ابن قیمؒ نے وہ تمام روایات جمع کی ہیں جن میں بعض سلف صالحین کا ابراہیمؑ اور دن روزہ رکھنا مروی ہے۔ اور پھر اس بارے میں وارد مذکورہ بالا نہی اور ان سلف صالحین کے عمل کے مابین ظاہر تعارض کی تاویل و توجیہ فرمانے کی کوشش کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: ”(وہ صحابہ وغیرہم جن سے یوم شک میں روزہ رکھنا منقول ہے) اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی سنت یہ تھی تو صحابہ میں سے عمر بن الخطابؓ، علی بن ابی طالبؓ، عبداللہ بن عمرؓ، انس بن مالکؓ، ابو ہریرہؓ، معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ، حکم بن ایوب الغفاریؓ، عائشہ بنت ابوبکرؓ اور اسماء بنت ابوبکرؓ تابعین میں سے سالم بن عبداللہؓ، مجاہدؓ، طاؤسؓ، ابوعثمان النہدیؓ، مطرف بن الشیخؓ، میمون بن مہرانؓ اور بکر بن عبداللہ المرئیؓ نیز امام اہل الحدیث والسنۃ احمد بن حنبلؓ نے اس سنت نبویؐ کی مخالفت کیوں کی کہ اس بارے میں ہم ان تمام حضرات کے مسند اقوال پاتے ہیں؟ جہاں تک عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے تو ولید بن مسلم نے ثوبان عن ابیہ عن مکحول کے طریق سے روایت کی ہے کہ: ”اگر اس رات آسمان ابراہیمؑ ہوتا تو عمر بن الخطابؓ روزہ رکھتے تھے، اور فرماتے تھے: یہ تقدم نہیں بلکہ تخری ہے۔“ [۱] اور علی رضی اللہ عنہ کے متعلق جو روایت ہے، تو امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: مجھے عبدالعزیز بن محمد اللہؒ راوردی نے عن محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن عثمان عن امہ فاطمہ بنت حسین کے طریق سے روایت کی ہے کہ: علی بن ابی طالب نے فرمایا: ”مجھے شعبان کے ایک دن روزہ رکھنا رمضان کے ایک دن بے روزہ رہنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔“ [۲] اور ابن عمرؓ کے متعلق روایت امام عبدالرزاقؒ کی کتاب میں بطریق معمر عن ایوب عن ابن عمر مروی ہے، فرمایا: ”اگر بادل ہوتا تو اگلی صبح آپ روزہ دار ہوتے، اور اگر بادل نہ ہوتا تو اگلی صبح آپ مفطر ہوتے تھے۔“ [۳] جب کہ ”صحیحین“ میں خود انہی سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ”اذا رایتموه فصوموا، واذا رایتموه فافطروا، وان غم علیکم، فاقدروا له“، اور امام احمد رحمہ اللہ نے نافع سے باسناد صحیح یہ زیادتی کی ہے کہ بیان کیا: ”جب شعبان کے ۲۹ دن گزر جاتے تو عبداللہ بن عمرؓ ہلال دیکھنے

[۱]۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ اثر منقطع ہے، کیونکہ مکحول نے عمر بن الخطابؓ کو نہیں پایا تھا۔ [۲]۔ میں

کہتا ہوں کہ امام شافعیؒ نے اپنی ”مسند“ ۲۵۱/۱ میں اس کی تخریج کی ہے، لیکن اس کی اسناد میں انتطاع ہے۔

[۳]۔ میں کہتا ہوں کہ امام عبدالرزاقؒ نے ”المصنف“ میں اس کی تخریج کی ہے، اور اس کی سند صحیح ہے۔

والوں کو بھیجتے تھے۔ پس اگر ہلال نظر آجاتا تو خیر۔ اگر ہلال نظر نہ آتا، اور مطلع کے ارد گرد بدلی اور غبار بھی چھایا نہ ہوتا، تو اگلی صبح وہ مفطر ہوتے تھے۔ اور اگر مطلع کے ارد گرد بدلی یا غبار چھایا ہوتا، تو اگلی صبح وہ روزہ دار ہوتے تھے۔ [۱]

انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے متعلق امام احمدؒ بطریق اسماعیل بن ابراہیم حدثنا یحییٰ بن ابی اسحاق بیان کرتے ہیں کہ فرمایا: میں نے ظہر کے وقت یا اس کے آس پاس ہلال دیکھا۔ پس لوگوں میں سے ایک شخص نے روزہ افطار لیا۔ پھر ہم انس بن مالکؓ کے پاس آئے، اور ہم نے انہیں رؤیت ہلال کی خبر دی، اور جس شخص نے روزہ افطار لیا تھا اس کے بارے میں بھی بتایا۔ آپ نے فرمایا: آج میرے لئے ۳۱ دن پورے ہو رہے ہیں، اور وہ اس طرح کہ حکم بن ایوب نے لوگوں کے روزہ شروع کرنے سے پہلے مجھے پیغام بھیجا تھا کہ میں اگلی کل روزہ دار رہوں گا۔ پس مجھے ان کے خلاف عمل کرنا ناپسند ہوا، لہذا میں نے بھی روزہ رکھ لیا، اور آج کے دن بھی میں رات تک (روزہ) پورا کروں گا۔

اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق امام احمدؒ نے بطریق المغیرۃ حدثنا سعید بن عبدالعزیز قال حدثنی مکحول ویونس بن میسرۃ بن حلبس روایت کی ہے کہ: 'معاویہ بن ابی سفیانؓ یہ کہا کرتے تھے: مجھے شعبان کے ایک دن روزہ دار رہنا رمضان کے ایک دن بے روزہ رہنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔' [۲] عمرو بن العاص کے متعلق امام احمدؒ زید بن الحباب أخبرنا ابن لہیعة عن عبد اللہ بن ہبیرۃ عن عمرو بن العاص کے طریق سے روایت لائے ہیں کہ: آپ اس دن روزہ رکھا کرتے تھے جس کے بارے میں کہ رمضان کا شک کیا جاتا تھا۔ [۳] اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق عبدالرحمن بن مہدی حدثنا معاویہ بن صالح عن ابی مریم مولیٰ ابی ہریرۃ کے طریق سے مروی ہے کہ فرمایا: میں نے ابو ہریرہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ: مجھے رمضان کے روزہ میں ایک دن غلت کرنا اس میں ایک دن تاخیر کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ کیونکہ اگر میں غلت کروں تو رمضان کا روزہ مجھ سے

[۱]۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی تخریج امام احمدؒ نے اپنی "مسند" (۵/۲) میں، اور امام ابوداؤدؒ نے اپنی "مسند" (۲۳۲۰) میں کی ہے۔ [۲]۔ میں کہتا ہوں کہ یہ روایت منقطع ہے۔ [۳]۔ میں کہتا ہوں کہ یہ روایت بھی منقطع ہے۔ مزید یہ کہ اس میں راوی ابن لہیعة کی علت بھی موجود ہے۔

فوت نہیں ہوگا، لیکن اگر تاخیر کروں تو یہ مجھ سے فوت ہو سکتا ہے۔ [۱] اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق سعید بن منصورؒ نے بطریق ابو عوانہ عن یزید بن خمیر عن الرسول الذی اتی عائشة فی الیوم الذی یشک فیہ من رمضان روایت کی ہے، بیان کیا کہ عائشہؓ نے فرمایا: مجھے شعبان کے ایک دن روزہ دار رہنا رمضان کے ایک دن بے روزہ رہنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے متعلق بھی سعید بن منصورؒ نے یعقوب بن عبد الرحمن عن ہشام بن عروہ عن فاطمة بنت المنذر کے طریق سے روایت کی ہے کہ کہا: اگر ہلال رمضان بدلی میں چھپا ہوتا تو اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا روزہ میں ایک دن ضرور تقدم فرماتیں، اور اس تقدم کا حکم بھی دیتی تھیں۔ اور امام احمدؒ نے روح بن عباد عن حماد بن سلمة عن ہشام بن عروہ عن فاطمة عن اسماء کے طریق سے روایت کی ہے کہ: وہ اس دن روزہ رکھا کرتی تھیں جس کے بارے میں رمضان کا دن ہونے کا شک کیا جاتا تھا۔ ہم نے امام احمدؒ کے متعلق جو کچھ ذکر کیا ہے تو اس کا تعلق ”مسائل فضل بن زیاد عنہ“ سے ہے۔ اور اثر ثمرؒ کی روایت میں ہے کہ: اگر آسمان میں بادل یا کوئی دوسری علت ہوتی تو اگلی صبح وہ روزہ دار رہتے تھے، لیکن اگر آسمان میں کوئی علت نہ ہوتی تو اگلی صبح وہ منقطع رہتے تھے۔ اسی طرح امام رحمہ اللہ کے دونوں بیٹوں صالحؒ و عبد اللہؒ اور امام مردوزیؒ و فضل بن زیادؒ وغیرہم نے بھی اس رحمہ اللہ کے متعلق یہی نقل کیا ہے۔

(یوم شک میں جن بزرگوں سے روزہ رکھنا منقول ہے، ان پر اعتراضات کا جواب: ان سب کا جواب متعدد طرح سے دیا جاسکتا ہے۔ اول: یہ کہا جاسکتا ہے کہ صحابہ کے متعلق جو کچھ تم نے ذکر کیا ہے ان میں سے کوئی بھی اثر اس دن کے روزہ کے وجوب کے بارے میں صریح و صاف نہیں ہے کہ ان صحابہ کے فعل کو رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف قرار دیا جاسکے۔ اس دن کے روزہ کے متعلق ان سے جو کچھ منقول ہے اس کی غایت محض احتیاط ہے۔ بلکہ انسؓ نے تو یہ صراحت فرمائی ہے کہ اس دن وہ امراء کی مخالفت میں کراہۃ روزہ رکھتے تھے۔ لہذا امام احمدؒ نے ایک روایت میں فرمایا ہے: ”لوگ روزہ رکھنے اور روزہ موقوف کرنے میں امام (حاکم) کے تابع ہیں۔ ہم نے

[۱]۔ میں کہتا ہوں کہ یہ روایت بظاہر وجوب پر نہیں، بلکہ احتیاط و استحباب پر دلالت کرتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل کے بارے میں جو نصوص بیان کی ہیں، تو وہ اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ یوم الاغنام کو روزہ رکھنا واجب نہیں سمجھتے تھے۔ وہ نصوص اس دن کے روزہ کی تحریم پر دلالت نہیں کرتی ہیں۔ جن لوگوں نے اس روزہ فطر کیا، انہوں نے ان نصوص سے اس کے جواز کو اخذ کیا ہے، اور جنہوں نے اس دن روزہ رکھا، انہوں نے بھی ان سے احتیاط کو اخذ کیا ہے۔

دوم: صحابہ میں سے بعض اس دن روزہ رکھتے تھے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، اور بعض اس دن روزہ نہیں رکھتے تھے۔ اور جس کے بارے میں صحیح و صریح تر طریقہ پر اس دن روزہ رکھنا مروی ہے وہ عبد اللہ بن عمرؓ تھے۔ امام ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں: 'اس قول کی طرف طاؤس الیمانیؒ اور احمد بن حنبلؒ گئے ہیں۔ اور اسی کے مثل ابو بکرؓ کی دونوں بیٹیوں عائشہؓ اور اسماءؓ کے متعلق بھی مروی ہے۔ مجھے علم نہیں ہے کہ ان کے علاوہ کوئی اور بھی ابن عمرؓ کے مذہب کی طرف گیا ہو۔ مزید فرمایا کہ: 'جن صحابہ سے یوم الشک کے روزہ کی کراہت مروی ہے وہ عمر بن الخطابؓ، علی بن ابی طالبؓ، ابن مسعودؓ، حذیفہؓ، ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ اور انس بن مالکؓ رضی اللہ عنہم ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ: علیؓ، عمرؓ، عمارؓ، حذیفہؓ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے شعبان کے آخری دن طوعاً (نفلی) روزہ رکھنے کی ممانعت منقول ہے۔ اسی لئے عمارؓ نے اس بارے میں فرمایا ہے: 'من صام اليوم الذي يشك فيه فقد عصى ابا القاسمؓ'۔

(یوم شک میں احتیاطاً روزہ رکھنے کا جواز، لیکن نفلاً روزہ رکھنے کی ممانعت:) جہاں تک یوم الغنیم کو احتیاطاً اس طرح روزہ رکھنے کا تعلق ہے کہ اگر رمضان ہوا تو وہ فرض ورنہ نفل ہوگا، تو صحابہ سے جو چیز منقول ہے وہ اس کے جواز کی متقاضی ہے، اور یہ کہ ابن عمرؓ اور عائشہؓ ایسا کیا کرتی تھیں، باوجود خود عائشہؓ کی اس روایت کے کہ: 'اگر شعبان کا ہلال ابر میں چھپا رہتا تو نبی ﷺ میں دن پورے فرماتے، پھر روزے رکھتے تھے۔ عائشہؓ کی اس حدیث کی اس طرح تردید کی گئی ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو عملاً خود آپؐ نے اس کی مخالفت کیوں کی ہوتی؟ آپؐ کے روزہ رکھنے کو اس حدیث کے ضعف کی علت قرار دیا گیا ہے، حالانکہ واقعہ ایسی بات نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اس دن کے روزہ کو واجب نہیں سمجھتی تھیں، بلکہ احتیاطاً اس دن کا روزہ رکھتی تھیں۔ اور نبی ﷺ کے فعل اور حکم سے یہ سمجھتی تھیں کہ جب تک ۳۰ دن کی مدت پوری نہ کی جائے، روزہ واجب نہیں

ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کے فعل و حکم سے نہ تو عائشہؓ، اور نہ ہی ابن عمرؓ یہ سمجھتے تھے کہ اس دن کا روزہ رکھنا جائز ہے۔

اس مسئلہ میں یہ قول زیادہ مبنی برانصاف ہے، اور اس سے احادیث و آثار کے مابین جمع و تطبیق بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس قول پر جو چیز دلالت کرتی ہے وہ بطریق معمر عن ایوب عن نافع عن ابن عمر اس طرح مروی ہے کہ نبی ﷺ نے رمضان کے ہلال کے متعلق فرمایا ہے: 'اذا رايتموه فصوموا، واذا رايتموه فافطروا، وان غم عليكم، فاقدروا له ثلاثين يوما'۔ اور ابن ابی رزاد نے عن نافع عنہ روایت کی ہے: 'فان غم عليكم، فاكملوا العدة ثلاثين'۔

امام مالکؒ اور عبید اللہؒ نے بھی عن نافع عنہ 'فاقدروا له' کی روایت کی ہے، جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ابن عمرؓ نے اس حدیث سے ۳۰ دن مکمل کرنے کا وجوب نہیں، بلکہ جواز سمجھا تھا۔ چنانچہ جب وہ تیسویں دن روزہ رکھتے تھے، تو دونوں جائز امور میں سے احتیاطاً ایک پر عمل کرتے تھے۔ جو چیز اس امر پر دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر آں رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے قول: 'اقدروا له' سے یہ سمجھتے تھے کہ: '۲۹ دن کا اندازہ کرلو، پھر روزہ رکھو، جیسا کہ اس دن کے روزہ کو واجب کہنے والوں کا قول ہے، تو آپ رضی اللہ عنہ اپنے اہل خانہ وغیرہم کو بھی اس کا حکم دیتے۔ اس دن کے روزہ کو صرف اپنے نفس کے ساتھ خاص کرنے پر اقتصار نہ کرتے۔ لیکن آپؐ نے اس کا حکم نہیں دیا ہے، ورنہ انہوں نے یہ ضرور واضح کیا ہوتا کہ لوگوں پر اس دن کا روزہ واجب ہے۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ اس دن روزہ نہیں رکھتے تھے، اور نبی ﷺ کے اس ارشاد سے احتجاج فرماتے تھے کہ: 'لا تصوموا حتی تروا الهلال، ولا تفتروا حتی تروا، فان غم عليكم، فاكملوا العدة ثلاثين'۔ امام مالکؒ نے اپنی "الموطا" میں ابن عمرؓ کی حدیث ذکر کرنے کے بعد اس کا تذکرہ کیا ہے، گویا اسے ابن عمرؓ کی حدیث میں وارد قول نبوی: 'فاقدروا له' کی تفسیر بنایا ہے۔ ابن عباسؓ کہا کرتے تھے کہ: مجھے اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو مہینہ کو ایک یا دو دن مقدم کرتا ہے، جب کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں فرمایا ہے: 'لا

تقدموا رمضان، بیوم ولا یومین‘۔ گویا اس طرح وہ ابن عمرؓ پر نکارت فرماتے تھے۔
 (بعض وہ مسائل جن میں ابن عمرؓ تشدد اختیار کرتے، اور ابن عباسؓ رخصت دیتے تھے:) اسی طرح ان دونوں جلیل القدر امامانِ صحابہ میں سے ایک تشدد کی طرف، اور دوسرے رخصت کی طرف مائل تھے (صرف اسی ایک مسئلہ میں نہیں، بلکہ اور بہت سے) دوسرے مسائل میں بھی (ان کا مخصوص میلان اسی طرف تھا)۔ عبد اللہ بن عمرؓ بہت سی چیزوں میں ایسی تشدیدات سے کام لیتے تھے کہ جن کی موافقت دوسرے صحابہ نہیں کرتے تھے، مثلاً وہ وضوء میں اپنی آنکھوں کے اندر بھی دھوتے تھے، حتیٰ کہ اس سے ان کی بصارت جاتی رہی۔ اسی طرح جب وہ سر مسح فرماتے تو اپنے دونوں کانوں کے مسح کے لئے مفرداً نیا پانی لیتے تھے۔ اسی طرح وہ حمام میں دخول سے منع فرماتے تھے، اور اگر داخل ہو جاتے تو اس وجہ سے غسل فرماتے تھے، جب کہ ابن عباسؓ حمام میں داخل ہوتے تھے۔ ابن عمرؓ تیمم میں پاک مٹی پر دو ضربیں لگاتے تھے، ایک ضرب چہرہ کے لئے اور دوسری ضرب کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کے لئے، اور ایک ضرب پر، یا صرف ہتھیلیوں تک مسح کرنے پر اقتصار نہیں کرتے تھے۔ جب کہ ابن عباسؓ ان کی مخالفت کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ تیمم میں چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے لئے صرف ایک ہی ضرب ہے۔ ابن عمرؓ اپنی بیوی کے بوسہ لینے پر وضوء کیا کرتے تھے، اور اسی کا فتویٰ بھی دیتے تھے۔ اور اگر اپنی اولاد میں سے کسی کو بوسہ کرتے تو کھلی کیا کرتے تھے، پھر نماز پڑھتے تھے۔ جب کہ ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ: بیوی کا بوسہ لینے، یا ریحان کو سونگھنے میں مجھے کوئی فرق و حرج نظر نہیں آتا ہے۔

اسی طرح اس شخص کے بارے میں آپ یہ حکم دیتے تھے جسے کسی نماز پڑھنے کے دوران یہ یاد آجائے کہ اس پر کوئی قضاء نماز واجب ہے تو وہ اپنی اس نماز کو پوری کرے، پھر اس چھوٹی ہوئی نماز کو ادا کرے جو اسے یاد آئی تھی، پھر اس نماز کو بھی دہرائے جو کہ وہ پہلے پڑھ رہا تھا۔ ابو یعلیٰ الموصلیؒ نے اس بارے میں ایک مرفوع حدیث اپنی ”مسند“ میں روایت کی ہے، لیکن درست بات یہ ہے کہ یہ روایت ابن عمرؓ سے موقوفاً مروی ہے۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ: ’ابن عمرؓ سے یہ مرفوعاً روایت کی گئی ہے، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے‘۔ مزید کہتے ہیں کہ: ’یہ ابن عباسؓ سے بھی مرفوعاً روایت کی گئی ہے، لیکن یہ بات بھی درست نہیں ہے‘۔ مقصود یہ ہے کہ عبد اللہ

بن عمرؓ نے تشدد و احتیاط کا طریقہ اختیار کیا تھا۔

اور معمر نے عن ایوب عن نافع عنہ روایت کی ہے کہ اگر انہیں امام کے ساتھ ایک رکعت مل جاتی تو وہ اس پر ایک دوسری رکعت کا اضافہ فرماتے، اور جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو سہو کے دو سجدے فرماتے تھے۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ: میں نہیں جانتا کہ ان کے علاوہ کسی اور نے بھی یہ کیا ہو.....۔

(یوم شک میں صحابہ کے وجوباً روزہ نہ رکھنے کی دلیل): یہ تمام چیزیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اس دن صحابی علی سہیل الوجوب روزہ نہیں رکھتے تھے، بلکہ کہتے تھے کہ: ہمیں شعبان کے ایک دن روزہ رکھنا رمضان کے ایک دن مفسر رہنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اگر ان کے نزدیک حتیٰ طور پر یہ رمضان کا دن ہوتا تو یقیناً وہ اس طرح فرماتے: یہ رمضان کا دن ہے، لہذا ہمارے لئے اس دن مفسر رہنا جائز ہے، واللہ اعلم۔

یہ تمام چیزیں اس بات پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ وہ لوگ اس دن استحباً اور تحریماً روزہ رکھتے تھے۔ اس دن بے روزہ رہنے کے بارے میں جو چیز ان سے مروی ہے وہ اس کے جواز کو بیان کرتی ہے۔ انہی ابن عمرؓ کے متعلق امام حنبلؒ نے اپنے ”مسائل“ میں بطریق احمد بن حنبل حدثنا وکیع عن سفیان عن عبد العزیز بن حکیم الحضرمی روایت کی ہے، کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ: اگر میں پورے سال روزہ دار رہوں، تو بھی یوم شک کو ضرور مفسر رہوں گا۔ [۱]

اسی طرح امام حنبلؒ نے احمد بن حنبل حدثنا عبیدہ بن حمید قال أخبرنا عبد العزیز بن حکیم کے طریق سے روایت کی ہے کہ بیان کیا: کچھ لوگوں نے ابن عمرؓ سے سوال کیا کہ کیا ہم رمضان سے پہلے (روزہ میں) سبقت کریں، تاکہ اس کا کوئی حصہ ہم سے چھوٹ نہ جائے؟ آپ نے فرمایا: أف، أف (تھو، تھو)! مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ روزہ رکھو۔ ابن عمرؓ سے باسناد صحیح مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: لا يتقدم من الشهر منكم أحد، اور انہیں سے سند صحیح یہ بھی مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: صوموا لرؤية الهلال، واطبوا

لرؤیتہ، فإن غم علیکم، فعدوا ثلاثین یوماً۔

اسی طرح علی بن ابی طالبؓ کا قول مروی ہے کہ: "اذا رایتم الهلال، فصوموا لرؤیتہ، واذا رایتموہ، فافطروا، فإن غم علیکم، فاکملوا العدة"۔ اور ابن مسعودؓ کا قول مروی ہے کہ: "فإن غم علیکم، فعدوا ثلاثین یوماً"۔

پس اگر ان آثار سے یہ سمجھا جائے کہ یہ ان آثار سے معارض ہیں جن میں یوم الاغام کو ان کے روزہ رکھنے کی روایت ہے، تو یہ آثار نصوص مرفوع کے ساتھ لفظی و معنوی موافقت کے باعث اولیٰ و افضل ہیں۔ اور اگر یہ سمجھا جائے کہ ان تمام آثار کے مابین کوئی تعارض نہیں ہے، تو ان کے مابین جمع و تطبیق کے دو طریقے ہیں۔ اولاً: اسے غیر ابراہیمؓ کا لود مطلع کی صورت پر محمول کیا جائے، یا پھر مہینہ کے اختتام پر ابراہیمؓ کا لود مطلع پر اس طرح محمول کیا جائے کہ جس طرح اس دن کے روزہ کو واجب قرار دینے والے کرتے ہیں۔ ثانیاً: ان کے اس دن روزہ رکھنے والے آثار کو تحرزی اور احتیاط پر استنباط محمول کیا جائے، نہ کہ وجوباً۔ یہ آثار وجوب کی نفی پر صریح ہیں، اور یہ طریقہ نصوص و قواعد شریعت کے ساتھ باعتبار موافقت زیادہ قریب تر ہے۔ اس میں شک میں تساوی دونوں دنوں کے درمیان تفریق سے سلامتی بھی پائی جاتی ہے۔ اس طرح ان دو دنوں میں سے ایک یوم شک، اور دوسرا یوم یقین بن جاتا ہے۔ اس کے ساتھ اس میں حصول شک بھی قطعی ہو جاتا ہے، اور بندہ کے لئے رمضان کے قطعی ہونے کا تکلیف شدہ اعتقاد بھی قطعی ہو جاتا ہے، الخ۔" [۱]

اگرچہ بقول امام ابن قیمؒ اور امام خطابیؒ وغیرہما جہما اللہ ابن عمرؓ وغیرہ کا یہ فعل تحریم تھا، لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے واضح حکم (قولی احادیث) اور خود آپ ﷺ کے عمل کے بہر حال خلاف تھا۔ چنانچہ اس بارے میں آپ ﷺ کا حکم ابو ہریرہؓ وغیرہ کی احادیث میں بصراحت یوں مروی ہے: "فإن غم علیکم، فاکملوا عدة شعبان ثلاثین"۔ اسی طرح آپ ﷺ کا عمل عائشہؓ کی حدیث میں اس طرح مروی ہے: "ثم یصوم لرؤیتہ رمضان، فإن غم علیہ، عد ثلاثین یوماً، ثم صام"۔ محدث عصر علامہ محمد ناصر الدین اللہ البانیؒ نے بھی اسی

رائے کا اظہار فرمایا ہے۔ [۱] اور علامہ محمد حامد القلی بیان کرتے ہیں کہ: ”ابن عمرؓ کا یہ فعل جو بطور احتیاط تھا، اصلاً اکمال العدة ثلاثین یوماً کے خلاف آپ کا اجتہاد تھا۔“ [۲]

مزید میں یہ بھی کہتا ہوں کہ یوم شک میں احتیاطاً روزہ رکھنا درحقیقت ماہ رمضان کی تقدیم سے عبارت ہے، جس سے کہ منع فرمایا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں کچھ ضمنی بحث اوپر ”ماہ رمضان کے آغاز و اختتام میں رویت ہلال کا اعتبار اور تقدیم کی ممانعت“ کے زیر عنوان گزر چکی ہے۔ یہاں یہ بتانا بے محل نہ ہوگا کہ رمضان کی تقدیم کے بارے میں وارد نہی: ”لا تقدموا رمضان بصوم یوم ولا یومین، الا رجل کان یصوم صوماً فی صومہ“ کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ زیلعیؒ بیان کرتے ہیں کہ: ”امام شافعیؒ نے اس حدیث سے شک کے دن نفلی روزہ رکھنے کی کراہت پر استدلال کیا ہے، جب کہ یہ دن کسی شخص کے روزہ رکھنے کے معمول کے خلاف ہو۔“ [۳]

علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں: ”اہل بیت کی ایک جماعت سے اس کا استحباب منقول ہے۔ مؤید باللہؐ نے دعویٰ کیا ہے کہ یوم شک کے روزہ کے استحباب پر اہل بیت کا اجماع ہے۔ اسی طرح امیر الحسینؑ نے ”الشفاء“ میں اور مہدیؑ نے ”البحر“ میں بھی ذکر کیا ہے، اور ابن القیمؒ سے بحوالہ ”الہدی“ مسنداً بیان کیا ہے کہ: وہ تمام صحابہؓ جن کا ہم نے (اوپر) ذکر کیا ہے یوم شک کا روزہ رکھنے کے قائل تھے۔ پھر ان سب صحابہؓ شیز تا بعینؒ سے یوم شک کے روزوں کی حکایت کی ہے، اور فرماتے ہیں: یہی اہل الحدیث والسنۃ کے امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب بھی ہے۔ مجوزین نے یوم شک کے روزہ پر بعض دلیلوں سے استدلال بھی کیا ہے۔“ [۴]

پھر علامہ شوکانیؒ نے ان تمام دلائل کو ذکر کرنے کے بعد ان پر تفصیل سے کلام کیا ہے، اور یہ ثابت کیا ہے کہ وہ دلائل ان کے لئے قطعاً مفید مطلب نہیں ہیں۔ [۵]، پھر آں رحمہ اللہ امام ابن عبد البرؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں: ”جن صحابہؓ سے یوم شک کے روزہ کی کراہت مروی ہے وہ عمر بن الخطابؓ، علی بن ابی طالبؓ، عمار بن یاسرؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، حذیفہؓ، ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ اور انس بن مالکؓ ہیں۔“ پھر حاصل کلام کے طور پر لکھتے ہیں: ”حاصل کلام یہ ہے کہ اس بارے

[۱] - إرواء الغلیل ۱۰/۴ [۲] - حاشیۃ علی المغنی ۹۰/۳ [۳] - نصب الرایۃ ۲/۴۴۰

[۴] - نیل الأوطار ۱۱۶/۳-۱۱۷ [۵] - نیل الأوطار ۱۱۶/۳-۱۱۷

میں صحابہ مختلف الرائے تھے، لیکن ان میں سے بعض کا قول کسی دوسرے کے لئے حجت نہیں ہے، بلکہ حجت تو وہ چیز ہے جو کہ شارع علیہ السلام سے ہم تک پہنچی، اور ہم نے اسے جانا ہے۔ میں نے شیخ جلال کے رسالہ پر اپنی مرتبہبحاث میں اس مسئلہ پر تفصیل سے کلام کیا ہے، الخ۔“

[۱]

علامہ ابن قدامہ المقدسیؒ فرماتے ہیں: ”اگر لوگ ہلال دیکھ لیں تو ان پر اجماعاً روزہ رکھنا واجب ہو جاتا ہے۔ اگر ہلال نظر نہ آئے، اور آسمان بھی صاف ہو، تو اس دن ان پر روزہ ضروری نہیں ہوتا، اِلَّا یہ کہ اس دن کا روزہ کسی کے روزے رکھنے کی عادت کے مطابق ہو۔ مثلاً اگر ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن مفطر رہنا، یا ہر جمعرات کو یا ہر ماہ کے آخری دن روزہ رکھنا وغیرہ کسی کی عادت ہو، اور اس شخص کا یہ روزہ ماہ شعبان کے آخری دن پڑ جائے، یا جو شخص اس دن سے پہلے چند روز سے روزے رکھ رہا ہو تو اس کے لئے روزہ رکھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: 'لَا يَتَقَدَّمَنَّ أَحَدُكُمْ رَمَضَانَ بِصِيَامِ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ رَجُلٌ كَانَ يَصُومُ صِيَامًا، فَلْيُصِمْهُ'۔ [متفق علیہ] (ترجمہ: تم میں سے کوئی آدمی رمضان کے ایک دو دن پہلے سے روزے نہ رکھے، اِلَّا یہ کہ اگر (اتفاقاً) وہ دن پڑ جائے جس میں کسی آدمی کا روزہ رکھنے کا معمول ہو تو وہ (اپنے معمول کے مطابق) اس دن روزہ رکھ لے) اور عمارؓ سے مروی ہے کہ: 'مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِي يَشْكُ فِيهِ، فَقَدْ أَبَا الْقَاسِمُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ'۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو 'حسن صحیح' بتایا ہے۔ اور اہل علم نے یوم شک کا روزہ رکھنا، اور رمضان کو ایک یا دو دن مقدم کرنا، نبی ﷺ سے وارد نہیں کے باعث مکروہ قرار دیا ہے۔ اور قاسم بن محمد کے متعلق حکایت ہے کہ: 'ان سے شعبان کے آخری دن کے روزہ کے متعلق سوال پوچھا گیا کہ کیا وہ اسے مکروہ سمجھتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: نہیں، مگر جب کہ ہلال ابر کی وجہ سے چھپا ہوا ہو، لیکن رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہی اولیٰ و افضل ہے۔ جہاں تک ماہ (رمضان) کو دو دن سے زیادہ مقدم کرنے کا تعلق ہے تو یہ چیز غیر مکروہ ہے، کیونکہ ابو ہریرہؓ کی حدیث کی رو سے ممانعت کی تخصیص صرف ایک یا دو دن کے ساتھ ہے، لہٰذا ایسا کرنا غیر مکروہ ہے۔“ [۲]

علامہ ابن رشد القرطبی المالکی فرماتے ہیں: ”اگر مہینہ (کے اختتام پر) مطلع ابر آلود ہو، اور معتبر رویت کے وقت رویت ممکن نہ ہو، تو اس کے حکم کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے۔ جمہور کی رائے یہ ہے کہ اس بارے میں ۳۰ دن کی مدت پوری کی جائے۔ اگر ماہ کی ابتداء میں ہلال ابر میں چھپ گیا ہو تو اس ماہ سے پہلے جو مہینہ ہے اس کے ۳۰ دن شمار کئے جائیں۔ اس طرح یکم رمضان اس ماہ کے اکتیسویں دن ہوگا۔ لیکن اگر مہینہ کے آخر میں ہلال ابر میں چھپ گیا ہو تو لوگ ۳۰ دن روزے رکھیں۔ ابن عمرؓ اس طرف گئے ہیں کہ اگر ان پر ماہ کے شروع میں ہلال بادل میں مخفی رہتا تو وہ دوسرے دن، یعنی جو یوم شک کہلاتا ہے، روزہ رکھتے تھے۔ اور بعض سلف سے مروی ہے کہ: اگر ہلال بادل میں پوشیدہ رہتا تو وہ چاند و سورج کی رفتار کے حساب کتاب کی طرف رجوع کرتے تھے۔ یہ کبار تابعین میں سے مطرف بن ثخیرؓ کا مذہب ہے۔ ابن سرتجؓ نے امام شافعیؒ سے ان کے اس قول کی حکایت کی ہے کہ: ان کا مذہب نجوم اور منازل قمر سے استدلال کرنا تھا۔ اس استدلال کی رو سے ان پر واضح ہو جاتا تھا کہ ہلال، اگرچہ بادل میں چھپ گیا تھا، لیکن قابل دید تھا۔ پس وہ اپنے اوپر روزہ کو لازم کرتے، اور اسے جائز سمجھتے تھے۔ فقہاء کے مابین اس اختلاف کا سبب نبی ﷺ کے ارشاد: ’صُومُوا لِرُؤْيَيْهِ، وَأَفْطَرُوا لِرُؤْيَيْهِ، فَإِنْ غَمَّ عَلَيْكُمْ، فَأَقْدَرُوا لَهُ‘ میں موجود اجمال ہے۔ جمہور اس تاویل کی طرف گئے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ: ’۳۰ دن کی مدت پوری کرو، لیکن بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ: یہاں ’تقدیر‘ کے معنی حساب سے اسے شمار کرنا ہے۔ جب کہ بعض دوسرے فقہاء کی رائے میں اس کے معنی یہ ہیں کہ: ’انسان صبح روزہ دار اٹھے۔‘ یہ ابن عمرؓ کا مذہب ہے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ لیکن اس میں الفاظ کا بعد ہے۔ اس کی تاویل میں جس طرف جمہور مائل ہیں وہ ابن عباسؓ کی ثابت حدیث کے یہ الفاظ ہیں کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: ’فان غم علیکم، فاکملوا العدة ثلاثین‘۔ وہ (سابقہ) حدیث مجمل، اور یہ مفسر ہے۔ لہذا مجمل کو مفسر پر حمل کرنا واجب ہے۔ یہ وہ طریقہ ہے جس کے بارے میں اصولیین کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چونکہ ان کے نزدیک مجمل اور مفسر کے درمیان اصلاً کوئی تعارض نہیں ہوتا، لہذا اس بارے میں جمہور کا مذہب لائح ہے، واللہ اعلم۔“ [۱]

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ: ”اگر تیسویں رات کو ہلال کے ارد گرد غبار یا بادل حائل ہو تو اس دن روزہ رکھنا جائز ہے، نہ واجب ہے اور نہ حرام۔ یہ چیز طوائف سلف و خلف سے منقول ہے۔ یہی امام ابو حنیفہؒ کا مذہب بھی ہے۔ امام احمدؒ سے منقولات کثیرہ والاستیعاب بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کے وجوب کے لئے نہ ان کے کلام میں، اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے کلام میں کوئی اصل موجود ہے، انتہی۔“ [۱]

میں کہتا ہوں کہ ابو العباسؒ کے متعلق حکایت ہے کہ آخر میں آپ اس طرف مائل ہو گئے تھے کہ یہ مستحب نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث: ”ان الله عز وجل جعل الاهلة مواقيت للناس، فصوموا لرؤيته، وأفطروا لرؤيته، فإن غم عليكم، فعدوا ثلاثين“ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”اسی پر عامۃ اہل علم کا قول ہے۔ اور اس کی تائید یوم شک کے روزہ کے بارے میں نبی ﷺ کی وارد ممانعت سے بھی ہوتی ہے۔ امام احمدؒ یہ فرماتے تھے کہ: ”اگر شعبان کی انیسویں تاریخ کو آسمان میں کسی سبب سے ہلال نظر نہ آئے تو ابن عمرؓ کے مذہب کی اتباع میں لوگ روزہ رکھیں۔ لیکن اگر مطلع صاف ہو (یعنی ابرا یا غبار آلود نہ ہو) تو لوگ روزہ نہ رکھیں۔“ [۲]

علامہ عظیم آبادی رحمہ اللہ آگے چل کر مزید فیصلہ کن انداز میں فرماتے ہیں: ”میں کہتا ہوں کہ امام بخاریؒ وغیرہ کی روایت میں آیا ہے کہ: ”فإن غم عليكم، فأكملوا العدة ثلاثين“، اور امام بخاریؒ و امام ابوداؤد وغیرہما کی روایت میں عمار بن یاسرؓ سے مروی ہے کہ ”من صام يوم الشك، فقد عصي“ ابوالقاسمؒ۔ پس یہ دونوں حدیثیں یوم شک کو روزہ رکھنے، اور اسی طرح ماہ شعبان کی انیسویں شب کو مطلع ہلال کے ارد گرد ابرا یا غبار حائل ہونے کی صورت میں رمضان کا روزہ رکھنے کے عدم جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ اور امام احمد بن حنبلؒ جس طرف گئے ہیں وہ قول ضعیف ہے۔ عمار رضی اللہ عنہ کا قول مرفوع کی قبیل سے ہے، کیونکہ صحابی ایسی بات ہرگز اپنی رائے سے نہیں کہہ سکتا ہے۔“ [۳]

[۱]۔ الاختیارات الفقہیہ ص ۱۰۷ [۲]۔ عون المعبود ۲/۲۶۸ [۳]۔ عون المعبود

شیخ عبدالعزیز الحمد السلمان لکھتے ہیں: ”اگر تیسویں رات مطلع صاف ہو اور ہلال نظر نہ آئے تو روزہ نہ رکھا جائے، کیونکہ یہ یوم شک ہے جس کے روزہ کی ممانعت وارد ہے۔ چنانچہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرمایا: ”من صام اليوم الذي يشك فيه، فقد غصىٰ أبا القاسم عليه السلام“ [رواہ ابوداؤد والترمذی]۔ [۱]

اور شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمائی مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”شعبان کی تیسویں رات کو غبار کی وجہ سے مطلع صاف نہ ہو، اور چاند دکھائی نہ دے، اور نہ دوسرے مقام سے چاند دیکھ جانے کی معتبر اطلاع آئے، تو وہ رات شعبان کی ہوگی، اور اس سے اگلا دن شعبان کا سمجھا جائے گا، اور اس دن روزہ رکھنا جائز نہیں ہوگا۔ فرمایا: ”فان غم علیکم، فاکملوا عذۃ شعبان ثلاثین“۔ [صحیحین] پس غبار یا بار کی وجہ سے چاند نہ دیکھنے کی صورت میں یہ خیال کر کے روزہ رکھنا کہ اگر کہیں سے چاند کی خبر آگئی تو یہ روزہ رمضان کا ہو جائے گا، ورنہ نفل ہوگا، باطل ہے۔ عمار بن یاسر صحابی فرماتے ہیں: ”جس نے شک کے دن میں روزہ رکھا اس نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی“۔ [ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ] حاصل یہ ہے کہ شعبان کی آخری تاریخ مشکوک ہو تو اس میں روزہ نہ رکھا جائے، اور اس کو رمضان میں شمار نہ کیا جائے۔ چاند کو چھوٹا بڑا دیکھ کر بھی شک نہیں کرنا چاہئے، بلکہ جس روز چاند دیکھا گیا ہے اسی دن کا سمجھنا چاہئے۔ اسی طرح رمضان کے استقبال میں چاند دیکھنے سے پہلے ایک یا دو روزے رکھنا جائز ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ہاں اگر کسی شخص کی اور دنوں میں نفلی روزہ رکھنے کی عادت تھی اتفاقاً نہ رکھ سکا، یا کسی شخص کی ہر آخر ماہ میں نفلی روزے رکھنے کی عادت ہے تو ایسی صورت میں اجازت ہے کہ وہ آخری تاریخوں میں روزے رکھے۔ [۲]

تقریباً اسی موقف کی ترجمانی والدی محترم شیخ محمد امین الاثری الرحمانی المبارکپوری رحمہ اللہ نے بھی اپنی معروف کتاب ”روزہ- احکام و مسائل“ [۳] میں کی ہے، مگر ہم عدم طوالت کے پیش نظر یہاں اس کے تذکرہ سے صرف نظر کرتے ہیں۔

[۱]۔ الأسئلة والأجوبة الفقهية ۱۳۴/۲ [۲]۔ مجلۃ ”صوت الحق“ ج ۳، ص ۹، ۱۰، مجریہ ۱۵

[۳]۔ روزہ- احکام و مسائل ص ۳۳-۳۴

مارچ ۱۹۹۱ء

ایک شہر میں اثباتِ رویت اور دوسرے میں عدم رویت، نیز بیرونِ شہر سے آنے والی رویتِ ہلال کی خبر کا حکم

اگر ایک جگہ کے لوگ گردوغبار یا ابر یا بارش کے باعث رمضان یا شوال کا ہلال نہ دیکھ پائیں، مگر دوسرے شہر میں مطلع صاف ہونے کی بناء پر رویت ہو جائے، اور وہاں سے رویتِ ہلال کی خبر آئے، تو کیا بیرونِ شہر سے آنے والی اس خبر کا اعتبار کیا جائے گا؟ یا بالفاظِ دیگر ایک علاقہ، یا ایک شہر، یا ایک ملک کی رویت دوسرے علاقوں، یا دوسرے شہروں، یا دوسرے ملکوں کے لئے معتبر ہوگی یا نہیں؟ میں کہتا ہوں کہ رویتِ ہلال سے متعلق تمام مسائل میں یہ مسئلہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، لیکن اس کے جواب سے پہلے یہ متعین کرنا ضروری ہے کہ رویت اور عدمِ رویت میں مطالع کا اختلاف کس حد تک مؤثر ہے؟ مگر اس موضوع پر ان شاء اللہ آگے تفصیل سے بحث کی جائے گی۔ فی الحال بیرونِ شہر سے آنے والی خبر، نیز ایک شہر میں اثباتِ رویت اور دوسرے میں عدمِ رویت، کے بارے میں مختلف مقتدر علماء اور محققین کی آراء پیش خدمت ہیں:

امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ: ”اگر ایک بلد کے لوگوں کو کسی رات میں ہلال نظر آئے، مگر دوسرے اہل بلد کو اس رات سے ایک رات قبل، یا ایک رات بعد ہلال نظر آئے، تو اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ ابن عباسؓ، قاسم بن محمدؒ، سالم بن عبد اللہ بن عمرؒ اور عکرمہؒ ظاہر حدیث کی طرف گئے ہیں۔ اور یہی مذہب احناف بن راہویہؒ کا بھی ہے، کہتے ہیں: ہر قوم کے لئے ان کی اپنی رویت ہی معتبر ہے۔ اکثر فقہاء کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کی خبر سے یہ ثابت ہو جائے کہ بلدان میں سے کسی بلد کے لوگوں نے ان سے پہلے ہلال دیکھا تھا، تو ان پر اس دن کی قضاء ہے جس دن انہوں نے روزہ چھوڑا تھا۔ یہ امام ابو حنیفہؒ، ان کے اصحاب اور امام مالکؒ کا قول

ہے، اور اسی طرف امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ بھی گئے ہیں۔ [۱]

امام بغویؒ فرماتے ہیں: ”اگر کسی بلد میں ہلال نظر آ جائے، اور دوسرے اہل بلد کو ایک رات بعد نظر آئے، تو اس بارے میں اہل علم کے مابین اختلاف ہے۔ اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ: ”ان لكل اهل البلد رؤيتهم“۔ تابعین میں سے قاسم بن محمدؒ، سالم بن عبد اللہ بن عمرؒ اور عکرمہؒ اس طرف گئے ہیں، اور یہی قول امام اسحاق بن راہویہؒ کا بھی ہے۔ یہ لوگ کرب سے مروی حدیث سے احتجاج کرتے ہیں، جس میں ہے کہ فرمایا: (پھر آگے آنے والی حدیث کرب نقل کرتے ہیں)۔ امام ابن المذہبؒ کا قول ہے کہ: اکثر فقہاء کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کی خبر سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ بلدان میں سے کسی بلد کے لوگوں نے ان سے پہلے ہلال دیکھا تھا، تو جس دن وہ مفطر تھے ان پر اس دن کی قضاء لازم ہوگی۔ یہ قول امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور اصحاب الرائے رحمہم اللہ کا ہے۔ [۲]

امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں: ”اگر کسی بلد کے لوگوں کو ہلال دکھائی دے جائے تو تمام بلاد کے لوگوں پر روزہ لازم ہو جاتا ہے۔ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ: سب پر لازم نہیں ہوتا، سوائے ان بلاد کے جو کہ باہم قریب ہوں۔ ہماری دلیل نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے: ”فان شهد ذوا عدل، فصوموا“۔ اس حدیث کی اسناد (پہلے) گزر چکی ہے۔ جب کہ فریق ثانی حدیث کرب سے احتجاج کرتا ہے (پھر آگے آنے والی حدیث کرب نقل کرتے ہیں)۔ [۳]

حافظ عراقیؒ ”شرح التقريب“ میں فرماتے ہیں: ”امام ترمذیؒ نے اہل علم سے اس کی حکایت کی ہے۔ لیکن وہ ان کے سوا دوسرے قائلین کی حکایت نہیں کرتے، حالانکہ ماوردیؒ نے مذہب شافعی میں اس کے خلاف نقل کیا ہے۔ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ: اگر کسی ایک بلد میں رویت ہو جائے تو تمام بلاد کے لوگوں کے لئے روزہ لازم ہو جاتا ہے۔ یہ امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام لیث بن سعدؒ کا مذہب ہے۔ امام ابن المذہبؒ نے اکثر فقہاء سے اس کی حکایت کی ہے، اور بعض شافعیہ کا قول بھی یہی ہے۔ پس وہ کہتے ہیں کہ: اگر بلدان متقارب ہوں تو ان کا حکم ایک ہی ہے، لیکن اگر دور دور ہوں تو ان کے دو مختلف حکم ہیں۔ ان میں سے شیخ ابو حامدؒ،

[۱]۔ کذا فی عون المعبود ۲/۲۷۱ نقلاً عن الخطابی [۲]۔ شرح السنة
[۳]۔ التحقيق فی احادیث الخلاف ۲/۷۹-۸۳

شیخ ابواسحاقؒ، غزالیؒ، شافعیؒ اور اکثر شافعیہ کے نزدیک صحیح ہے کہ دوسرے بلد کی رویت پر روزہ واجب نہیں ہوتا۔ جب کہ دوسرا قول اس کے وجوب کا ہے، اور اس کی طرف قاضی ابو الطیبؒ اور الرودائیؒ گئے ہیں، اور کہتے ہیں کہ: یہی ظاہر المذہب ہے، اور اسی کو ہمارے تمام اصحاب نے اختیار کیا ہے۔ امام بغویؒ نے خود امام شافعیؒ سے بھی اس قول کی حکایت کی ہے۔“

[۱]

امام ابن قدامہ المقدسیؒ فرماتے ہیں کہ: ”اگر کسی بلد کے لوگ ہلال دیکھ لیں تو تمام بلاد پر روزہ لازم ہوگا۔ یہ قول امام لیثؒ اور بعض اصحاب شافعیؒ کا ہے۔ ان میں سے بعض کا قول ہے کہ: اگر دو شہروں کے درمیان اتنی قریبی مسافت ہو کہ اس کے سبب مطالع مختلف نہ ہوں، مثلاً بغداد و بصرہ، تو ان میں سے کسی ایک شہر کی رویت ہلال سے دونوں شہروں پر روزہ لازم ہے۔ لیکن اگر ان کے درمیان عراق و حجاز اور شام جیسا بُعد ہو تو ہر اہل بلد کی رویت انہیں کے لئے معتبر ہوگی۔ اور عکرمہؒ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے کہا: ”لکل اہل بلد رؤیتہم“۔ یہ مذہب قائم، سالم اور اسحاقؒ کا ہے، کیونکہ کرب سے مروی ہے کہ (پھر حدیث کرب نقل کرتے ہیں)۔ امام ترمذیؒ نے اسے ”حدیث حسن صحیح غریب“ قرار دیا ہے۔ امام مسلمؒ نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلیل ہے: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [۲]، اور ایک اعرابی کا نبی ﷺ سے یہ سوال پوچھنا کہ: ”اللہ امر کہ ان تصوم هذا الشهر من السنة؟“ اور آپ ﷺ کا اثبات میں ”نعم“ فرمانا، نیز دوسرے اعرابی کا آپ ﷺ سے یہ سوال پوچھنا کہ: ”ماذا فرض اللہ علی من الصوم“ اور آپ ﷺ کا جواب: ”شہور رمضان“ فرمانا بھی ہماری دلیل ہے۔ مسلمانوں کا ماہ رمضان کے روزوں کے وجوب پر اجتماع ہے۔ جب ثقات کی شہادت سے ثابت ہو جائے کہ یہ دن ماہ رمضان کا ہے تو تمام مسلمانوں پر اس دن کا روزہ واجب ہے۔ چونکہ ماہ رمضان دو ماہ کے ہلالوں کے درمیان کا وقفہ ہوتا ہے، پس جب ثابت ہو جائے کہ یہ دن اس ماہ کا ہے، تو یہ دن دوسرے تمام احکام، مثلاً قرض کی ادائیگی، طلاق کے وقوع، عتاق اور وجوب الذہر وغیرہ میں بھی معتبر ہوگا۔ نص اور اجتماع کی بناء پر اس

دن کا روزہ واجب ہے، اور اس لئے بھی کہ عادل گواہ نے رویت ہلال کی گواہی دے کر دلیل قائم کر دی ہے، لہذا روزہ واجب ہوا۔ اسی طرح اس روز ان بلدان پر بھی روزہ واجب ہوگا جو اس شہر کے آس پاس ہوں۔“ [۱]

علامہ ابن رشد فرماتے ہیں: ”جب ہم یہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے ہلال نہ دیکھا ہو، اس کے حق میں رویت خبر سے ثابت ہو جاتی ہے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ رویت ایک شہر سے دوسرے شہر کے لئے متعدی ہوتی ہے یا نہیں؟ میری مراد یہ ہے کہ اگر کسی بلد کے لوگ ہلال نہ دیکھیں، تو کیا انہیں اس بارے میں دوسرے بلد کی رویت کو اخذ کرنا واجب ہے، یا کہ ہر بلد کے لئے ان کی اپنی رویت ہی معتبر ہے؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ اور اہل مصر نے ابن قاسمؒ سے روایت کی ہے کہ: اگر کسی بلد کے لوگوں کے نزدیک اس امر کا اثبات ہو جائے کہ دوسرے بلد والوں نے ہلال نہ دیکھا تھا، تو ان پر اس دن کی قضاء لازم ہے جس دن کہ وہ بغیر روزہ، اور دوسرے شہر والے روزہ دار تھے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا قول بھی یہی ہے۔ اہل مدینہ نے امام مالکؒ سے روایت کی ہے کہ: جس بلد میں رویت واقع ہوئی ہو وہاں کے باشندوں کے علاوہ دوسرے اہل بلد پر بذریعہ خبر یہ رویت لازم نہیں ہوتی، الا یہ کہ حاکم وقت لوگوں پر اسے ڈال دے۔ اصحاب مالکؒ میں سے مغیرہؒ اور ابن المہاشونؒ کا یہی قول ہے۔ اور اس بات پر اجماع ہے کہ دور افتادہ دو شہروں، مثلاً اندلس اور حجاز، کے بارے میں رویت کی رعایت نہیں ہوگی۔ اس اختلاف کا سبب اثر و نظر کا باہمی تعارض ہے۔ جہاں تک نظر و مشاہدہ کا تعلق ہے، تو اگر بلاد کے مطالع بالکل ہی مختلف نہ ہوں، تو بعض بلاد کی رویت کا بعض دوسرے بلاد پر حمل واجب ہے، کیونکہ وہ بلاد ایک ہی افق کی قیاسی حدود میں واقع ہوتے ہیں۔ لیکن اگر مطالع میں بہت زیادہ اختلاف ہو، تو بعض بلاد کی رویت کا دوسرے بلاد پر حمل واجب نہیں ہے۔ اور وہ اثر جسے امام مسلمؒ نے کرب سے روایت کیا ہے، تو بظاہر وہ اس بات کا متقاضی ہے کہ ہر بلد کی رویت اسی کے لئے ہو، خواہ وہ بلد قریب ہو یا بعید۔ لیکن نظر و مشاہدہ بلاد قریبہ اور بعیدہ کے مابین فرق کے لحاظ کا مطالبہ کرتا ہے، بالخصوص وہ بلاد جو طول و عرض میں بہت زیادہ دور

واقع ہوں۔“ [۲]

امام ابو حامد الغزالی فرماتے ہیں: ”اگر کسی بلد میں ہلال نظر آجائے، لیکن دوسرے شہر میں نظر نہ آئے، اور ان کے مابین دوسرے حلوں سے کم کی مسافت ہو، تو ہر شخص پر روزہ واجب ہے۔ لیکن اگر اس سے زیادہ مسافت ہو تو ہر بلد کے لئے اس کا حکم علیحدہ ہوگا، اور روزہ کا وجوب متعدد ہی نہ ہوگا۔“ [۱]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”یہ مسئلہ کہ آیا بعض بلاد کی روایت تمام بلاد کے لئے معتبر ہوگی یا نہیں؟ تو اس بارے میں اضطراب ہے۔ اگرچہ امام ابن عبد البرؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ جن بلاد میں اتفاق مطالع ممکن ہو، ان میں سے کسی ایک بلد کی روایت کے دوسرے بلد میں معتبر ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ لیکن جن بلاد میں اندلس اور خراسان جیسا بُعد ہو (یعنی ان کے مطالع مختلف ہوں) تو اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ایک بلد کی روایت دوسرے بلد کے لئے معتبر نہ ہوگی۔

میں کہتا ہوں کہ اس باب میں امام احمدؒ نے اس اعرابی کی حدیث پر اعتماد کیا ہے، جس نے یہ شہادت دی تھی کہ کل رات اس نے ہلال دیکھا تھا، پس نبی ﷺ نے اس کی روایت کے مطابق لوگوں کو روزہ کا حکم فرمایا تھا۔ حالانکہ یہ روایت کسی دوسرے بلد کی تھی، اور ہو سکتا ہے کہ وہ بلد مسافت قصر سے زیادہ دور ہو، مگر رسول اللہ ﷺ اس کی تفصیل میں نہیں پڑے۔ یہ استدلال اس چیز کی نفی کرتا ہے کہ جس کا ذکر امام ابن عبد البرؒ نے کیا ہے۔ لیکن اس مسافت کی کیا حد ہے؟ جو لوگ کہتے ہیں کہ: روایت تمام بلاد کے لئے معتبر نہیں ہوگی، جیسا کہ امام شافعیؒ کے بیشتر اصحاب کا قول ہے، تو ان میں سے بعض نے اس بُعد کی تحدید مسافت قصر کے ساتھ کی ہے۔ ان میں سے بعض نے اس کی یہ حد بھی بیان کی ہے کہ جن بلاد میں مطالع مختلف ہو جائیں، مثلاً حجاز اور شام، عراق اور خراسان۔ لیکن یہ دونوں اقوال ضعیف ہیں، کیونکہ مسافت قصر کا طلوع ہلال سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور جہاں تک دو مختلف اقالیم کا تعلق ہے تو اس کی کیا حد ہے؟ پھر یہ دونوں اقوال دو وجہوں سے غلط ہیں۔

اول: مشرقی اور مغربی سمتوں کے اختلاف سے روایت مختلف ہوتی ہے۔ پس اگر مشرق میں

رویت ہو تو مغرب میں اس کا نظر آنا واجب ہے، لیکن اس کے برعکس نہیں ہوتا۔ کیونکہ مغرب میں غروب آفتاب مشرق میں اس کے غروب کے وقت سے دیر میں ہوتا ہے۔ پس اگر مشرق میں ہلال نظر آجائے، تو مغرب میں غروب آفتاب کے وقت اس کا نور اور زیادہ ہو جاتا ہے، اور سورج نیز اس کی شعاعوں سے اس کا بعد بھی بڑھ جاتا ہے، لہذا رویت کا زیادہ حقدار ہوتا ہے۔ لیکن اگر مغرب میں رویت ہوئی ہو، تو مشرق میں ایسا نہیں ہوتا۔ کیونکہ اہل مغرب کے نزدیک غروب آفتاب میں تاخیر اس کی رویت کا سبب بنتی ہے، لہذا سورج سے اس کے بعد اور نور میں زیادتی ہوتی ہے۔ جب کہ مشرق میں غروب آفتاب کے وقت یہ اس سے قریب تر ہوتا ہے۔ پھر یہ وجہ بھی ہے کہ جب مغرب میں ہلال نظر آتا ہے تو اس وقت وہ اہل مشرق کے لئے غروب ہو چکا ہوتا ہے۔ غروب آفتاب اور غروب ہلال، بلکہ تمام کو اکب کے بارے میں یہ امر محسوس و مشہود ہے۔ اس لئے جب مغرب میں غروب کا وقت ہوتا ہے، تو مشرق میں یہ وقت پہلے ہی گزر چکا ہوتا ہے، اور اس کے برعکس نہیں ہوتا۔ یہی معاملہ طلوع کا بھی ہے، پس اگر مغرب میں طلوع ہو جائے، تو مشرق میں بھی ضرور طلوع ہوگا، اور اس کے برعکس نہیں ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ مشرق میں کو اکب کا طلوع و غروب مغرب سے پہلے ہوتا ہے۔ لیکن ہلال کا طلوع، اور اس کی رویت مغرب میں پہلے ہوتی ہے، کیونکہ یہ مغرب سے طلوع ہوتا ہے۔ اجرام فلکی میں سے اس کے علاوہ کوئی اور نہیں جو مغرب سے طلوع ہوتا ہو۔ اس کے ظہور کا سبب سورج سے اس کا بعد ہے، لہذا جب سورج تاخیر سے غروب ہو، تو اس سے ہلال کا بعد بڑھ جاتا ہے۔ پس جن لوگوں نے مطلقاً مساکن کے بعد کا اعتبار کیا ہے، تو ان کا تمسک نہ کوئی شرعی اصل ہے اور نہ حسی۔.....

یوم: اگر ہم کسی متعین حد کا اعتبار کریں، جیسے کہ مسافت قصر یا اقلیم، تو جو شخص مسافت قصر یا اقلیم کی آخری حدود میں ہو، تو ظاہر ہے کہ اس پر بھی رویت کے مطابق روزہ رکھنا، افطار کرنا اور قربانی کرنا لازم ہوگا۔ لیکن جو اس شخص سے اتنی مسافت پر ہو کہ چٹنی دور تیر جا کر گرے، تو وہ ان افعال میں سے کوئی کام کرنے کا پابند نہیں ہوگا، حالانکہ ہَذَا لَيْسَ مِنْ دِينِ الْمُسْلِمِينَ (یعنی یہ چیز مسلمانوں کے دین میں شمار نہیں ہوتی)۔ پس اس بارے میں صحیح بات - واللہ اعلم - نبی ﷺ کے ارشاد: 'صومکم یوم تصومون، وفطركم یوم تفطرون، واضحاکم یوم

تضحون‘ کا مدلول ہے۔ پس اگر شعبان کی تیسویں شب کو ایک شخص بھی یہ شہادت دے کہ اس نے امانہ قریبہ یا بعیدہ میں سے کسی بھی مقام پر ہلال دیکھا ہے، تو سب پر روزہ واجب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص دن میں اس رات کی رویت کی شہادت مغرب تک دے، تو ان لوگوں پر باقی دن کا امساک ضروری ہے، خواہ یہ شہادت ایک ہی اقلیم کی ہو، یا دو مختلف اقلیموں کی۔..... اس بارے میں یہ بات حجت ہے کہ ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ صحابہ اور تابعین کے زمانوں میں بھی مسلمانوں کے بعض امصار میں ہلال دوسرے امصار کے بعد نظر آتا تھا، کیونکہ یہ امور معتادہ میں سے ہے جو کہ بدلتا نہیں ہے۔ ان کو بھی اس کی خبر مہینہ کے دوران لازماً پہنچتی ہوگی۔ اگر وہ اس خبر سے اپنے اوپر روزہ کی قضاء واجب سمجھتے، تو جس طرح کہ اپنے بلد میں رویت ہلال کے لئے بہت زیادہ چھان بین اور کوشش کیا کرتے تھے، اسی طرح تمام بلدان اسلامی میں بھی اس کی چھان بین کا خاصہ اہتمام کرتے۔ اور اگر ایسا ہوتا، تو بیشتر رمضانوں میں قضاء روزوں کی کثرت ہوتی۔ اور اگر ایسی کوئی چیز ہوئی ہوتی، تو یقیناً منقول بھی ہوتی۔ ایسی کسی چیز کا منقول نہ ہونا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اور ابن عباسؓ کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے، الخ۔“ [۱]

آگے چل کر شیخ الاسلام رحمہ اللہ نہایت فیصلہ کن انداز میں فرماتے ہیں کہ: ”جس نے اس کی حد سافیت قصر یا اقلیم بتائی ہے، تو اس کا قول عقل اور شریعت دونوں کے خلاف ہے۔“ [۲]

سید سابق لکھتے ہیں کہ: ”جمہور اس بات کی طرف گئے ہیں کہ مطالع کے اختلاف کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ جب کسی شہر کے لوگ چاند دیکھ لیں، تو نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق: ”چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو، جملہ اہل ایان شہر پر روزہ واجب ہوگا۔ آپ ﷺ کا یہ خطاب تمام امت کے لئے عام ہے۔ پس اگر کسی فرد نے بھی چاند دیکھ لیا، تو وہ رویت سب کے لئے ہوگی۔ عکرمہ، قاسم ابن محمد، سالم اور اسحاقؓ اس بات کے قائل ہیں کہ ہر شہر کے لوگوں کے لئے ان کی رویت (ہی) کا اعتبار ہوگا، دوسرے شہر کی رویت ان کے لئے معتبر نہ

ہوگی۔ احناف کا اصح قول بھی یہی ہے، اور شافعیہ کا مذہب مختار بھی یہی ہے، اس روایت کے مطابق جسے کریبؒ نے روایت کیا ہے، الخ۔“ [۱]

سید سابق مزید کہتے ہیں: ”بلوغ المرام“ کی شرح ”فتح العلام“ میں ہے کہ: ہر شہر والوں کے لئے ان کی رویت ہی معتبر ہے۔ نیز ان متصل شہروں کی رویت بھی ان کے لئے معتبر ہے جو ان کی سمت میں ہوں۔“ [۲]

شیخ عبدالعزیز الحمد السلمان لکھتے ہیں: ”اگر کسی بلد میں ہلالِ رمضان کی رویت ثابت ہو جائے، تو تمام لوگوں پر روزہ لازم ہے۔ جس نے ہلال نہ دیکھا ہو، اس کا حکم بھی وہی ہے جو اسے دیکھنے والے کا ہے، کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ’صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ‘۔ یہ خطاب پوری امت کے لئے ہے، کیونکہ مہینہ دو ہلالوں کے مابین کا عرصہ ہوتا ہے۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ دن اس ماہ سے متعلق تمام احکام میں مؤثر ہے، تو یہی حکم روزہ کے لئے بھی ہوگا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ: اگر دو شہروں کے مابین اتنی قریبی مسافت ہو کہ جس کے بہ سبب ان کے مطالع مختلف نہ ہوں، مثلاً بغداد و بصرہ، تو اگر ان میں سے کسی ایک شہر میں رویتِ ہلال ہو جائے، تو دونوں شہر والوں پر روزہ لازم ہوگا۔ لیکن اگر ان کے مابین عراق و حجاز اور شام جیسا بعد ہو تو ان میں سے ہر بلد کے رہنے والوں کے لئے ان کی رویت ہی معتبر ہوگی۔ عکرمہؒ کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے کہا: ’لکل اہل بلد رؤیتہم‘، اور جیسا کہ کریبؒ سے مروی ہے، بیان کرتے ہیں: (پھر حدیث کریبؒ نقل کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ:) ترمذیؒ نے کہا ہے: ’ہذا حدیث حسن غریب‘، ورواہ مسلم ایضاً۔“ [۳]

اس بارے میں شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کی رائے سوال و جواب کی شکل میں پیش خدمت ہے۔ ”سوال: اسلامی ممالک میں ہلالِ رمضان یا ہلالِ شوال کا ظہور متفاوت ہوتا ہے۔ پس کیا ان ممالک میں سے کسی بھی ملک میں ہونے والی رویت سے تمام مسلمان روزہ رکھیں گے؟ جواب: اہل علم کے درمیان ہلال کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ پس ان میں سے کچھ کی رائے یہ ہے کہ: اگر کسی جگہ شرعی اعتبار سے رمضان کے ہلال کی رویت ثابت ہو جائے، تو تمام

[۱]۔ فقہ السنۃ، کتاب الصوم (مترجم) ص ۱ [۲]۔ الفقہ السنۃ، کتاب الصوم

(مترجم)، ص ۱۸ [۳]۔ الأسئلۃ والأجوبۃ الفقہیۃ ۱۳۵/۲

مسلمانوں پر روزہ لازم ہے۔ اور اگر اسی طرح شوال کے ہلال کی رویت ثابت ہو جائے، تو تمام مسلمانوں پر فطر لازم ہو جاتا ہے۔ یہی امام احمدؒ کا مشہور مذہب ہے، چنانچہ اس کے مطابق اگر مثال کے طور پر المملکت العربیۃ السعودیۃ میں رویت ہو جائے، تو اس رویت کے مطابق تمام اقطار کے مسلمانوں پر رمضان کے روزوں اور شوال کے فطر کے بارے میں عمل کرنا واجب ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [۱] نیز نبی ﷺ کے ارشاد: «إِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَصُومُوا، وَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَافْطُرُوا» کے عموم سے استدلال کرتے ہیں۔ علماء کا ایک دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ: نہ رمضان کے ہلال سے روزہ واجب ہے، اور نہ شوال کے ہلال سے فطر واجب ہے، لہذا ان لوگوں کے جنہوں نے یا تو خود ہلال دیکھا ہو، یا وہ لوگ جو اسے دیکھنے والوں کے مطالع ہلال کی حدود کے اندر رہتے ہوں، کیونکہ باتفاق اہل المعرفۃ مطالع ہلال میں اختلاف ہوتا ہے۔ پس اگر مطالع مختلف ہوں تو ہر بلد کے لئے اس کی رویت کے مطابق ہی فیصلہ دینا واجب ہے۔ جن بلاد کے مطالع ہلال ایک ہی ہوں، تو وہ ان کے ہی تابع ہیں، ورنہ نہیں۔ اس قول کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے، اور اس پر اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [۲] اور نبی ﷺ کے ارشاد: «إِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَصُومُوا، وَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَافْطُرُوا» یعنی بنفسہ انہی دلیلوں سے استدلال کیا ہے جن سے وہ لوگ بھی استدلال کرتے ہیں جن کی رائے وجوب حکم ہلال کا عام ہوتا ہے۔ لیکن ابن تیمیہؒ کے نزدیک اس آیت اور اس حدیث سے استدلال کی وجہ مختلف ہے۔ اگر اس حکم کو صرف شاہد اور الرائی (دیکھنے والے) کے ساتھ معلق رکھا جائے، تو اس کا تقاضہ یہ ہوگا کہ جو شہادت نہ دے، یا جس نے ہلال نہ دیکھا ہو، تو اس پر یہ حکم لازم نہ ہوگا۔ لہذا اگر مطالع مختلف ہوں تو ہلال کے احکام باعمم ثابت نہ ہوں گے۔ استدلال کی یہ وجہ بلا شک قوی ہے، اور قیاس و مشاہدہ دونوں اس کی تائید کرتے ہیں۔» [۳]

فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ نے اپنے بعض فتاویٰ میں بھی اس موضوع پر کافی سیر حاصل بحث کی ہے، جسے ہم طوالت کے خدشہ کے پیش نظر یہاں نقل کرنے سے گریز

کرتے ہیں۔ [۱]

اسی طرح ایک استفتاء کے جواب میں شیخ عبداللہ بن جریر حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

”اختلافِ مطالع، اور دو شہروں کے مابین رویتِ ہلال، میں تفاوت ہونے کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس اختلاف کے باعث بکثرت علماء کے نزدیک یہ رائج ہے کہ اگر تفاوتِ قابلِ محسوس ہو، تو ہر اہل بلد کی رویت انہیں کے لئے ہے۔ ان کی دلیل کریبؒ مولیٰ ابن عباسؓ کا قصہ ہے (پھر مختصر احدث ابن عباسؓ نقل کرتے ہیں)۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ان اہل بلاد پر جنہوں نے ہلال دیکھا ہو، اور جو بلاد ان کے سامنے ہوں، ان سب پر روزہ کے وجوب کو رائج قرار دیا ہے۔ اور یہ چیز محقق ہے کہ جب کسی شہر میں رویت ہو، تو اس کے بعد والے (یعنی مغربی) شہروں میں بھی اس کا نظر آنا ضروری ہے، کیونکہ ان شہروں میں سورج تاخیر سے غروب ہوتا ہے۔ اور سورج جتنی دیر سے غروب ہوتا ہے، شمس سے ہلال کا بعد اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے۔ نتیجہً ہلال کے ظہور اور تجلی میں اضافہ ہوتا ہے۔ لہذا اگر مثال کے طور پر بحرین میں رویت ہو، تو اس کے بعد والے شہروں یا علاقوں، مثلاً نجد، حجاز، مصر اور مراکش وغیرہ، سب پر روزہ واجب ہے۔ لیکن اس سے پہلے کے شہروں (یعنی مشرقی علاقوں)، مثلاً ہندوستان، سندھ اور ماوراء النہر پر روزہ واجب نہیں ہے۔“ [۲]

شیخ محمد امین اثری رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ نے بھی اس بارے میں بہت تفصیل سے گفتگو کی ہے، چنانچہ ”رویتِ ہلال کی بیرونی خبر کا حکم“ کے زیر عنوان لکھتے ہیں: ”اگر کسی بستی میں رمضان یا شوال کا چاند دیکھا گیا ہو، تو دوسری بستی یا دوسرے علاقے اور دوسرے ملک والے روزہ یا افطار میں ان کی شہادت پر عمل کریں یا نہ کریں، اس بارے میں علمائے امت کے مختلف اقوال ہیں، جن کو حافظ ابن حجرؒ نے ”فتح الباری“ میں، اور علامہ شوکانیؒ نے ”نبیل الاوطار“ میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک مشہور حدیث وارد ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: حضرت کریبؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ:.....

[۱]۔ انظر كتاب الدعوة (۵) ۱۵۲/۲ وثمانية وأربعون سؤالاً في الصيام اجاب عليه فضيلة الشيخ، ص ۳۱-۳۵

[۲]۔ فتاوى الصيام، جمع وترتيب محمد المسند ص ۱۲-۱۳

(پھر حدیث بیان کرتے ہیں، جو ان شاء اللہ آگے پیش کی جائے گی)۔ یہ حدیث اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ ہر شہر کی رویت انہی کے لئے ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ نے اپنی ”شرح مسلم“ میں حضرت کریمؐ کی اس حدیث کی روشنی میں اس طرح باب باندھا ہے: ”باب بیان أنَّ لِكُلِّ بِلَدٍ رُؤْيَتُهُمْ، وَأَنَّهُمْ إِذَا رَأَوْا الْهَلَالَ بِلَدِهِ، لَا يَثْبِتُ حُكْمَهُ لِمَا بَعْدَ عَنْهُمْ“، امام ابو داؤدؒ نے اپنی ”سنن“ میں اس طرح باب باندھا ہے: ”باب إِذَا رُؤِيَ الْهَلَالُ فِي بِلَدٍ قَبْلَ الْآخَرِينَ بِلَدِهِ“، امام ترمذیؒ نے اپنی ”جامع“ میں اس طرح باب باندھا ہے: ”باب مَا جَاءَ لِكُلِّ أَهْلِ بِلَدٍ رُؤْيَتُهُمْ“، اور امام نسائیؒ نے اپنی ”سنن“ میں عنوان باندھا ہے: ”إِخْتِلَافُ أَهْلِ الْآفَاقِ فِي الرُّؤْيَةِ“، اور ابن ابی شیبہؒ نے اپنی کتاب میں ان الفاظ میں باب باندھا ہے: ”وَفِي الْقَوْمِ يَرَوْنَ الْهَلَالَ، وَلَا يَرَاهُ الْآخَرُونَ“، یعنی ”قوم کے کچھ لوگ چاند دیکھیں، اور کچھ لوگ چاند نہ دیکھیں تو کیا حکم ہے؟“۔

ایک حدیث، جسے ابن اور لیس نے عبد اللہ بن سعید سے روایت کی ہے، میں ہے کہ: ”مدینہ میں لوگوں نے رویت ہلال کا ذکر کیا، اور کہا کہ اہل استارہ نے چاند دیکھا ہے، تو سالمؒ اور قاسمؒ نے کہا: مالنا، ولا اهل استارة“، یہ رویت اہل استارہ کے لئے ہے، ہمیں اس سے کوئی مطلب نہیں۔

شیخ علی ابن عبد الکافیؒ سبکیؒ فرماتے ہیں: ”کسی ایک شہر کی رویت کی بنیاد پر دوسرے تمام شہروں کے لئے اسے لازم قرار دینا بہت کمزور بات ہے۔ اس لئے کہ حضرت عمرؓ اور تمام خلفائے راشدین میں سے کسی سے یہ منقول نہیں ہے کہ اپنے یہاں چاند دیکھنے کے بعد وہ تمام شہروں کو اس کی تعمیل کا حکم دیتے رہے ہوں۔ اگر یہ چیز ضروری ہوتی، تو یہ حضرات ضرور اس کا اہتمام کرتے، ارح“۔ [العلم المنشور فی اثبات الشہور]

علامہ ابن منذرؒ نے عکرمہؒ، قاسمؒ، سالمؒ، ابن مبارکؒ اور اسحاق بن راہویہؒ سے نقل کیا ہے کہ: ”دوسرے شہروالوں کی رویت پر عمل نہیں ہوگا..... اور امام ترمذیؒ نے بھی اہل علم کی یہی رائے نقل کی ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسری رائے کا ذکر ہی نہیں کیا ہے۔

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں: ”لوگوں کا اس باب میں اختلاف ہے کہ جب کسی خبر دینے

والے نے کسی شہر کی روایت کی خبر دی، تو وہ دو حال سے خالی نہیں ہے، یا تو وہ خبر قریبی شہر کی ہوگی، یا دور شہر کی۔ اگر قریب کی ہے، تو دونوں شہروں کا ایک ہی حکم ہے۔ اور اگر دور کی ہے، تو ہر شہر کی روایت انہی کے لئے ہے۔ یہ روایت عکرمہ، قاسم اور سالم سے ہے۔ حضرت ابن عباسؓ و اسحاقؓ بھی اس کے قائل ہیں، اور اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے امام بخاریؒ نے ’لا اهل كل بلد رؤيتهم‘ کا باب منعقد کیا ہے۔ [الجامع لاحکام القرآن للقرطبی]

شوافع حضرات میں امام الحرمینؒ، امام غزالیؒ، اور امام بغویؒ بھی اسی بات کے قائل ہیں کہ: ہر شہر والوں کے لئے خود انہیں کی روایت معتبر ہوگی۔ فقہ شافعی کی فروع کی کتاب ”حاشیۃ الافناع“ میں بھی یہی لکھا ہے، اور رافعیؒ نے بھی اسی بات کو صحیح بتایا ہے۔ [۱]

شارح ترمذیؒ مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ فرماتے ہیں: ’جن شہروں کے مطالع میں اختلاف نہیں ہے، ان میں سے ایک کی روایت دوسرے کے لئے لازماً تسلیم کی جائے گی۔ ایک روایت میں یہی قول امام ابوحنیفہؒ کا بھی ہے۔ [تحفة الأحوذی]

مولانا عبید اللہ رحمائیؒ فرماتے ہیں: ’حنفیہ، مالکیہ اور عام شافعیہ کے محققین نے کہا ہے کہ: دو شہروں میں اگر ایسی قریبی مسافت ہو جس سے مطالع مختلف نہیں ہوتے، مثلاً بغداد اور بصرہ، تو ان دونوں شہروں کے رہنے والوں پر ان میں سے کسی ایک کی روایت پر روزہ رکھنا لازم ہوگا۔ اور اگر ان دونوں شہروں میں اتنی دوری ہو، جیسے عراق اور حجاز، تو ان شہر والوں پر اپنے اپنے شہروں کی روایت پر عمل کرنا ہوگا۔ [مرعاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح]

”مختارات النوازل“ میں ہے کہ: ’کسی شہر کے رہنے والوں نے چاند دیکھ کر اتیس دن روزے رکھے، اور دوسرے شہر والوں نے چاند دیکھ کر تیس دن روزے رکھے، تو اگر مطالع کا اختلاف نہیں ہے تو پہلے لوگوں پر ایک دن کی قضاء لازم ہے، ورنہ قضاء واجب نہیں ہے۔‘

شیخ محمد بن عبد الوہاب بن عبدالرزاقؒ لکھتے ہیں: ’ابن رشدؒ نے ”بداية المجتهد“ میں کہا ہے کہ: اس پر اجماع ہے کہ دور کے شہروں کی روایت معتبر نہ ہوگی، جیسے کہ اندلس اور حجاز۔ اور ابن جزئیؒ نے اپنی کتاب ”قوانین“ میں کہا ہے کہ: جب ایک شہر والے چاند دیکھیں، تو

دوسرے شہروالوں پر بھی اس کا حکم لازم ہوگا۔ اس رائے سے امام شافعیؒ کا بھی اتفاق ہے۔ ابن ہاشمؒ نے اس کی مخالفت کی ہے، اور کہا ہے کہ: بہت زیادہ دور کے شہروالوں پر یہ حکم لازم نہ ہوگا، جیسے کہ اندلس اور حجاز، اور اسی پر اجماع ہے۔ [خلاصة العذب الزلال فی مباحث رؤیة الهلال]

علامہ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں: 'اس بات پر علماء کا اجماع ہو گیا ہے کہ: جو شہر ایک دوسرے سے دور واقع ہیں ان کی رؤیت کا اعتبار نہیں ہوگا، جیسے کہ خراسان اندلس سے دور ہے۔ اس لئے کہ ہر شہر کے لئے ایک خاص حکم ہے، جو اس شہر کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ پس جو شہر آپس میں قریب ہیں، ان کی رؤیت ایک دوسرے کے لئے معتبر ہوگی۔ اور یہ بھی کہا کہ: خبر خواہ حکومت کی جانب سے ہو، یا دو عادل اشخاص کی طرف سے، یا جماعت مستفیضہ کی طرف سے، بہر حال قریبی شہروں کو شامل ہوگی، اور جو شہر زیادہ دور واقع ہیں ان کو شامل نہ ہوگی۔ ابن عرفہؒ نے اسی کو پسند کیا ہے۔ [التمہید لابن عبد البر]

امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ: جب کسی شہر میں لوگ چاند دیکھ لیں، اور دوسرے شہروالوں کو چاند نظر نہ آئے، اور شہر بھی باہم قریب ہوں، تو ان دونوں شہروں کا حکم ایک شہر کا حکم ہوگا، اور دوسرے شہروالوں کو بھی اتفاق رائے روزہ رکھنا لازم ہوگا۔ اور اگر دونوں شہر دور واقع ہوں، تو اس میں اختلاف ہے۔ لیکن صحیح تر رائے یہ ہے کہ: دوسرے شہر والے روزہ نہیں رکھیں گے۔ مصنف ابوالحق شیرازیؒ کی قطعی رائے یہی ہے۔ شیخ ابو حامدؒ اور بندینیؒ وغیرہم کی رائے بھی یہی ہے۔ اور اسی کو عبد ربیؒ، رافعیؒ اور اکثر علمائے دین نے صحیح بتایا ہے، الخ۔ [شرح المہذب وكذا فی النهاية المحتاج شرح المنهاج للرملي]

صيد لائی وغیرہم نے قطعیت کے ساتھ لکھا ہے کہ: 'دوری کا مفہوم یہ ہے کہ مطالع مختلف ہو جائیں، مثلاً حجاز، عراق، خراسان۔ اور قرب کے معنی یہ ہیں کہ مطالع میں اختلاف نہ ہو، جیسے بغداد، کوفہ، ری اور قزوین۔ امام نوویؒ نے اسی رائے کو صحیح بتایا ہے۔ [كذا فی الروضة والمنهاج وشرح المہذب]

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ: 'مطالع کے اختلاف کی بناء پر کسی ایک شہر کی

رویت پر تمام اہل ارض کے روزہ رکھنے، اور نہ رکھنے کو کیوں کر لازم قرار دیا جاسکتا ہے، جب کہ رسول اللہ ﷺ کی تمام احادیث اس حقیقت کا واشگاف لفظوں میں اعلان کرتی ہیں کہ ہر شہر والوں کے لئے ان کی رویت اپنے لئے ہی ہوگی۔ اور اسی پر حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؓ کا عمل بھی رہا ہے۔ ان میں سے کسی ایک سے بھی یہ منقول نہیں کہ انہوں نے اپنے یہاں کی رویت کی بنیاد پر دیگر علاقوں کے لوگوں کو کسی ایک دن کے روزہ کی قضاء کی بابت لکھا ہوا، الخ۔“

[۱]

ساتھ الشیخ علامہ عبداللہ محمد بن حمید رحمہ اللہ نے اس بارے میں بہت تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے، اور متعدد کبار ائمہ حنفیہ و مالکیہ و شافعیہ و حنبلیہ وغیرہم کے اقوال نقل کرنے کے بعد جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ انہی کے الفاظ میں یہ ہے: ”جملہ مذاہب فقہ کی آراء، اور ان کے نمائندہ ائمہ کے اقوال ہم نے آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ ان سب کی روشنی میں یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ دور دراز کے شہر والوں کے لئے دوسرے شہر والوں کی رویت کچھ اثر انداز نہ ہوگی، اگر ان کے مابین مطالع کا اختلاف موجود ہے۔ ساتھ ہی یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے آتی ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نہ تو کہیں اور لکھ کر اپنے یہاں کی رویت سے انہیں مطلع کرتے تھے، اور نہ دوسرے شہروں کی رویت کی بابت انہیں کسی قسم کی تلاش و جستجو ہوتی تھی۔ ان کا تمام تر اعتماد حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث پر تھا، نیز اس روایت پر جس میں آپ ﷺ صاف طور پر فرماتے ہیں کہ: ’چاندیکہ کر روزہ رکھو، اور چاند دیکھ کر عید مناد (صوموا لرؤیتہ، و افطروا لرؤیتہ)۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ ہر شہر والوں کے لئے ان کی رویت صرف انہیں کے لئے معتبر ہوگی۔ اس کے بعد ہم مزید اقوال نقل کرنے کی کچھ حاجت محسوس نہیں کرتے، الخ۔“ [۲]

عدم تکرار اور اختصار کے پیش نظر ہم نے یہاں کبار ائمہ و محققین حنفیہ و مالکیہ و شافعیہ و حنبلیہ وغیرہم کے منقولہ اقوال نقل کرنے سے قصد اگر یز کیا ہے۔ شائقین حضرات کے

لئے [۱] کا مراجعہ مفید ہوگا۔

اور شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمائی مبارکپوری رحمہ اللہ ”دوسرے مقام کی روایت کی خبر کا حکم“ کے زیر عنوان فرماتے ہیں: ”کسی مقام میں رمضان یا شوال کا چاند دیکھا گیا، تو اس مقام کی روایت سے دور مشرق میں واقع دوسرے مقام والوں کے لئے ان کی روایت اس وقت معتبر ہوگی جب کہ ان دوسرے مقامات کے مطالع مقام کی روایت کے مطلع سے مختلف نہ ہوں۔ موضع روایت سے دور مشرق میں واقع بلاد و امصار کے حق میں مغربی مقام کی روایت کے اعتبار، وعدم اعتبار کے معاملہ میں اتحاد و اختلاف مطالع کا لحاظ ضروری ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں شام (جو مدینہ سے شمال مغرب میں واقع ہے) کی روایت کا اعتبار بظاہر اس لئے نہیں کیا تھا کہ مدینہ کا مطلع شام کے مطلع سے مختلف ہے۔ لکل اهل بلد رؤیتهم“ یہ نہ تو حدیث مرفوع ہے، نہ کسی صحابی کا قول، بلکہ کسی فقیہ کا قول ہے۔ اس لئے حدیث مذکور کے مقابلہ میں قابل التفات نہیں۔“ [۲]

میں کہتا ہوں کہ قول: ”لکل اهل بلد رؤیتهم“ عکرمہ کا قول ہے، جیسا کہ اوپر متعدد مقامات پر مذکور ہو چکا ہے۔

خلاصہ کلام: ہمارے نزدیک اس بارے میں شیخ الاسلام، ابن قدامہ اور علامہ شوکانی وغیرہم رحمہم اللہ کا موقف ہی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ایک اہل بلد کی روایت دوسرے اہل بلد کے لئے معتبر ہے، جب کہ ہر دو بلاد کا مطلع ایک ہو، یا ان کے مابین صرف اتنا فرق ہو کہ اگر ایک بلد میں ہلال طلوع ہو کر نظر آیا ہو تو دوسرے بلد میں بھی اس کا طلوع ہونا، اور نظر آنا ممکن ہو۔ لیکن اگر ہر دو بلد کے مطالع اتنے مختلف ہوں کہ جب دونوں میں سے کسی ایک بلد میں ہلال طلوع ہو، تو دوسرے میں نہ ہو، بلکہ اس فرق سے تاریخ بدل جاتی ہو، تو ایسے ہر دو بلاد میں سے ایک بلد کی روایت دوسرے بلد کے لئے ہرگز کافی نہیں ہوگی، واللہ اعلم بالصواب۔

حدیث کریمہ ”— عہد صحابہ کی ایک نظیر: اب ہم اس بارے میں سب سے زیادہ تخریج مشق بنایا جانے والا اثر کریم، جسے حدیث ابن عباس بھی کہا جاتا ہے، پیش کرتے ہیں، اور اس کے

[۱]۔ تبیان الأدلة فی الثابت الأھلۃ، مترجم الشیخ محمد امین الأثری، ص ۷۹۔ ۱۱۰

[۲]۔ مجلہ ”صوت الحق“ ج ۳ ش ۹ ص ۸، مجریہ ۵ مارچ ۱۹۹۱ء

ساتھ محدثین کبار کی نظر میں اس کی شروح اور اس پر ان کا تبصرہ بھی نقل کرتے ہیں: ”عَنْ كُرَيْبٍ
 أَنَّ أُمَّ الْفَضْلِ بَعَثَتْهُ إِلَى مُعَاوِيَةَ بِالشَّامِ، فَقَالَ: فَقَدِمْتُ الشَّامَ، فَقَضَيْتُ حَاجَتَهَا،
 وَاسْتَهْلَ عَلَى رَمَضَانَ وَأَنَا بِالشَّامِ، فَرَأَيْتُ الْهِلَالَ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ، ثُمَّ قَدِمْتُ
 الْمَدِينَةَ فِي آخِرِ الشَّهْرِ، فَسَأَلَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ، ثُمَّ ذَكَرَ الْهِلَالَ، فَقَالَ: مَتَى
 رَأَيْتُمُ الْهِلَالَ؟ فَقُلْتُ: رَأَيْنَاهُ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ، فَقَالَ: أَنْتَ رَأَيْتَهُ؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ، وَرَأَاهُ
 النَّاسُ، وَصَامُوا، وَصَامَ مُعَاوِيَةُ، فَقَالَ: لَكُنَّا زَائِنَاهُ لَيْلَةَ السَّبْتِ، فَلَا نَزَالَ نَصُومُ
 حَتَّى نَكْمِلَ ثَلَاثِينَ، أَوْ نَرَاهُ، فَقُلْتُ: أَلَا تَكْتَفِي بِرُؤْيَا مُعَاوِيَةَ، وَصِيَامِهِ؟ فَقَالَ:
 لَا، هَكَذَا أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ“۔ [۱] (ترجمہ: (تابعی) کرب سے روایت ہے کہ اُم
 الفضل بنت الحرث نے مجھے معاویہ کی طرف ملک شام میں (کسی کام سے) بھیجا۔ پھر کہتے ہیں
 کہ: پس میں شام آیا، اور میں نے اس کام کو انجام دیا۔ میں ابھی شام میں ہی تھا کہ رمضان کا
 ہلال نظر آ گیا، اور جمعہ کی رات کو خود میں نے ہلال دیکھا۔ پھر میں مہینہ کے آخر میں مدینہ واپس
 آیا۔ عبد اللہ بن عباسؓ نے مجھ سے (وہاں کا حال) پوچھا۔ اس کے بعد انہوں نے ہلال کا تذکرہ
 کیا، اور پوچھا کہ: تم نے ہلال کب دیکھا تھا؟ میں نے کہا کہ: ہم نے جمعہ کی رات کو ہلال دیکھا
 تھا۔ انہوں نے پوچھا: کیا تم نے خود دیکھا تھا؟ میں نے کہا: ہاں۔ میں نے خود دیکھا، اور
 دوسرے لوگوں نے بھی دیکھا تھا۔ ان لوگوں نے روزہ رکھا، اور معاویہؓ نے بھی روزہ رکھا تھا۔
 ابن عباسؓ نے کہا: لیکن ہم نے تو ہفتہ کی رات کو ہلال دیکھا ہے، لہذا ہم تو روزہ رکھیں گے، حتیٰ
 کہ تیس روزے پورے ہو جائیں، یا اس سے پہلے ہلال دیکھ لیں۔ میں نے پوچھا: کیا آپ
 معاویہؓ کی رویت، اور ان کے روزوں پر اکتفاء نہیں کرتے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں، کیونکہ
 رسول اللہ ﷺ نے ہم کو ایسا ہی حکم دیا ہے)

واضح رہے کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کے متعلق فرمایا ہے: ”حدیث ابن

عباس حدیث حسن صحیح غریب، والعمل علی هذا الحديث عند اهل

[۱]۔ رواہ أحمد ۳۰۶/۱ (۲۷۹۰) ومسلم (۱۰۸۷) وابوداود مع العون ۲/۲۷۱
 والترمذی مع التحفة ۳۵/۲ والنسائی ۱۳۱/۳ والبیہقی ۲۵۱/۳ والدارقطنی مع
 التعليق ۱/۲، وقال: هذا اسناد صحيح، رواه ابن الجوزی فی ”التحقيق“ ۸۳/۲

العلم، ان لكل اهل بلد رؤيتهم“۔ [۱] (ترجمہ: ابن عباس کی حدیث ”حسن صحیح غریب“ ہے، اور اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے کہ ہر شہر والوں کے لئے انہیں کی رویت ہے)، اور علامہ زبلیؒ کہتے ہیں کہ: ”وہو حجة على المذهب“۔ [۲]

اس حدیث کے الفاظ: ”فقلت: ألا تكفي برؤية معاوية، وصيامه؟ فقال: لا، هكذا أمرنا رسول الله ﷺ“ کی شرح میں محدث عبدالرحمن مبارکپوریؒ لکھتے ہیں: ”هَذَا بَظَاهِرُهُ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ لِكُلِّ بَلَدٍ رُؤْيَتَهُمْ، وَلَا تَكْفِي رُؤْيَا أَهْلِ بَلَدٍ لِأَهْلِ بَلَدٍ آخَرَ“ (ترجمہ: یہ حدیث بظاہر اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہر بلد کے لئے ان کی ہی رویت ہے، اور ایک بلد کے رہنے والوں کی رویت دوسرے بلد کے باشندگان کے لئے کفایت نہیں کرتی ہے)۔ امام نوویؒ ”شرح مسلم“ میں فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب کے نزدیک صحیح تر بات یہ ہے کہ رویت تمام انسانوں کے لئے عام نہیں، بلکہ ان لوگوں کے لئے خاص ہے جو اتنے قریب ہوں کہ اس مسافت تک جانے پر انہیں نماز قصر نہ کرنی پڑتی ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ: اگر مطلع ایک ہی ہو تو ان پر رویت کا حکم لازم ہوگا، اور اس وقت بھی جب کہ اقلیم ایک ہی ہو، ورنہ نہیں۔ ہمارے بعض اصحاب کا قول یہ بھی ہے کہ: ایک جگہ کی رویت تمام اہل ارض کے لئے عام ہوتی ہے۔ اسی بناء پر وہ کہتے ہیں کہ: ابن عباسؓ نے جس وجہ سے کریبؒ کی خبر پر عمل نہیں کیا تھا وہ یہ تھی کہ ان کی خبر شہادت تھی، جو کہ فرد واحد سے ثابت نہیں ہوتی۔ لیکن اس حدیث سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اس خبر کو اس وجہ سے رد نہیں کیا تھا، بلکہ اس بناء پر رد کیا تھا کہ دور دراز مقام کے حق میں رویت کا حکم ثابت نہیں ہوتا ہے، انہی“۔ [۳]

اور ”فتح الودود“ میں حدیث کے الفاظ: ”هكذا أمرنا رسول الله ﷺ“ کے متعلق مذکور ہے کہ: ”اس بات کا احتمال ہے کہ ابن عباسؓ کے اس قول سے مراد یہ ہو کہ نبی ﷺ نے ہمیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم افطار کے حق میں ایک شخص کی شہادت قبول نہ کریں، یا ہمیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم اپنے اہل بلد کی رویت پر ہی اعتماد کریں، اور ان کے سوا دوسروں کی رویت پر اعتماد نہ کریں۔ مصنف (یعنی امام ابوداؤدؒ) کا جھکاؤ ترجمۃ الباب میں اس

دوسرے معنی ہی کی طرف ہے۔ لیکن چونکہ پہلا معنی بھی محتمل ہے، لہذا استدلال مستقیم نہیں،
اذا الاحتمال، یفسد الاستدلال، اتنی۔ [۱]

جب کہ علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ حدیث کے انہی الفاظ یعنی: ”ہکذا
أمرنا رسول الله ﷺ“ کی شرح میں فرماتے ہیں: ”جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ ایک
بلد کے لوگوں پر دوسرے بلد کے لوگوں کی روایت کا اعتبار لازم نہیں ہے، انہوں نے اسی حدیث
کریب کے ساتھ تمسک کیا ہے۔ اس حدیث سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ ابن عباسؓ نے اہل
شام کی روایت پر عمل نہیں کیا تھا۔ اور حدیث کے آخر میں انہوں نے فرمایا ہے: ”ہکذا أمرنا
رسول الله ﷺ“، اور یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ
چیز یاد رکھی تھی کہ ایک بلد کا دوسرے اہل بلد کی روایت پر عمل لازم نہیں ہے۔“ [۲]

علامہ ابن رشدؒ اثر کریب سے فائدہ اخذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ”بظاہر یہ اثر اس
بات کا متقاضی ہے کہ ہر بلد کی روایت صرف اسی کے لئے ہو، خواہ وہ بلد قریب ہو یا بعید۔ لیکن
نظر و مشاہدہ بلاد قریبہ اور بعیدہ کے مابین فرق کے لحاظ کا مطالبہ کرتا ہے، بالخصوص وہ بلاد جو کہ
طول و عرض میں بہت دور دور واقع ہوں۔“ [۳]

محدث مبارکپوریؒ کا امام ترمذیؒ پر نقد اور امام ابن حجرؒ کا اختلاف بین العلماء بیان کرنا: اس
حدیث کے متعلق امام ترمذیؒ کا کلام اوپر گزر چکا ہے۔ علامہ محدث عبدالرحمن مبارکپوریؒ امام
ترمذیؒ کے قول: ”والعمل علی هذا الحدیث عند اهل العلم، ان لكل اهل بلد
رویتهم“ کی شرح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”امام ترمذیؒ کے ظاہر کلام سے پتہ چلتا ہے کہ
اس بارے میں اہل علم کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں ہے، جیسا
کہ حافظ ابن حجرؒ نے ”فتح الباری“ میں بیان فرمایا ہے، لکھتے ہیں کہ: علماء نے اس بارے میں
مذہب پر اختلاف کیا ہے۔ اس بارے میں پہلا قول یہ ہے کہ: ہر شہر کے رہنے والوں کی روایت
انہیں کے لئے خاص ہے۔ ”صحیح مسلم“ میں ابن عباسؓ کی حدیث اس کی شاہد ہے۔
امام ابن المذہبؒ نے عکرمہ، قاسم، سالم اور اسحاقؓ سے اس قول کی حکایت کی ہے۔ امام ترمذیؒ نے

[۱]۔ کذا فی عون المعبود ۲/۲۷۱ [۲]۔ عون المعبود ۲/۲۷۱ [۳]۔ بدایۃ
المجتہد ۱/۲۸۸

اہل علم سے اس کی حکایت کی ہے، اور اس کے علاوہ دوسروں کا قول نقل نہیں کیا ہے۔ علامہ ماوردیؒ نے موجب الشافعیہ قول نقل کیا ہے۔ اس کے مقابل دوسرا قول یہ ہے کہ: اگر کسی شہر میں رویت ہو جائے، تو یہ تمام شہروں کے لئے لازم ہوگی۔ یہ چیز مالکیہ کے نزدیک مشہور ہے، لیکن امام ابن عبد البرؒ نے اس کے خلاف اجماع نقل کیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ: اس بات پر اجماع ہے کہ جن بلاد میں خراسان اور اندلس جیسا بُعد ہو، تو ایک شہر کی رویت دوسرے شہر کو فائدہ نہیں پہنچاتی ہے۔ امام قرطبیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے شیوخ نے کہا ہے کہ: اگر رویت ہلال کسی جگہ قطعی طور پر ظاہر ہو جائے، پھر دو آدمیوں کی شہادت وہاں سے کسی دوسری جگہ پہنچ جائے، تو ان پر بھی روزہ لازم ہو جائے گا۔ ابن ماجہونؒ کا قول ہے کہ: ان پر (دوسرے شہروں کی شہادت سے روزہ) لازم نہیں ہوگا، بلکہ جس بلد میں شہادت ثابت ہو، صرف اسی شہروں کے لئے مؤثر ہوگی۔ البتہ اگر کسی طرح حاکم اعلیٰ کے نزدیک شہادت کا اثبات ہو جائے (اور وہ رویت کا اعلان کر دے)، تو تمام لوگوں پر روزہ لازم ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کے حق میں جملہ بلاد ایک ہی بلد کے حکم میں ہیں، جب کہ اس کا حکم ان تمام بلاد میں نافذ ہو۔ بعض شافعیہ کا قول ہے کہ: اگر بلاد ایک دوسرے کے قریب قریب ہوں، تو ان سب کا ایک ہی حکم ہے۔ اور اگر دور دور ہوں، تو اس کا حکم دو طرح کا ہے۔ اول: اکثر کے نزدیک واجب نہیں ہے، دوم: ابو الطیبؒ اور ایک جماعت نے وجوب کو اختیار کیا ہے۔ امام بغویؒ نے امام شافعیؒ کے متعلق بھی اس قول کی حکایت کی ہے۔ [۱]

حدیث کریبؒ پر امام ابن قدامہ المقدسیؒ کا تبصرہ: فرماتے ہیں: ”جہاں تک حدیث کریبؒ کا معاملہ ہے، تو یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ: ابن عباسؓ نے اکیلے کریبؒ کے قول پر افطار نہیں کیا تھا، اور ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ لیکن جو چیز محل اختلاف ہے، وہ پہلے دن کے قضاء روزہ کے وجوب کی ہے، جو کہ حدیث میں موجود نہیں ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ ایک شہادت کی بناء پر لوگ تیس دن روزے رکھیں، پھر بھی انہیں ہلال نظر نہ آئے، تو کیا دو ممکنہ صورتوں میں سے ایسی صورت میں وہ افطار کریں گے؟ ہم کہتے ہیں کہ اس کا جواب دو طرح سے ہے۔ اول:

[۱]۔ تحفۃ الأحمودی ۳۶/۲، فتح الباری ۱۲۳/۴، نیل الأوطار ۱۱۸/۳، عون المعبود

ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ افطار کریں گے۔ کیونکہ جب انہوں نے اس کی (ایکلی) شہادت پر روزہ رکھا ہے، تو ان کا افطار کرنا بھی ان کے روزوں پر ہی مبنی ہوگا، جو کہ اس (فرد واحد) کی شہادت کے مطابق رکھا گیا تھا۔ لیکن یہاں چونکہ اہل مدینہ نے کریمؐ کے قول (شہادت) کی بناء پر روزہ نہیں رکھا تھا، لہذا ان کے قول کی بناء پر ان کے افطار کی بھی کوئی وجہ جواز موجود نہیں ہے۔

دوم: یہ حدیث دوسری صورت کی صحت پر دلالت کرتی ہے۔ [۱]

حدیث کریمؐ پر امام شوکانی کا بے لاگ تبصرہ: امام شوکانی حافظ ابن حجرؒ کے نقل کردہ مذکورہ بالا تمام اقوال پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: ”ان اہل اقوال کی دلیل کریمؐ کی یہ حدیث ہے۔ اور اس سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ ابن عباسؓ نے اہل شام کی روایت پر عمل نہیں کیا تھا، اور حدیث کے آخر میں انہوں نے فرمایا تھا: ”ھکذا أمرنا رسول اللہ ﷺ“۔ (ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ہم کو اسی طرح حکم دیا ہے)، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ نے رسول اللہ ﷺ کی یہ بات یاد رکھی تھی کہ ایک بلد (یا علاقہ) کے لوگوں کے لئے دوسرے علاقہ کی روایت پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے۔ جان لو کہ حجت تو ابن عباسؓ کی مرفوع روایت میں ہے، نہ کہ ان کے اجتہاد میں، جس سے لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے (کہ ایک بلد کی روایت دوسرے بلد کے لئے معتبر نہیں ہے۔ مگر اصلاً یہ ان کا اجتہاد تھا، جسے حجت قرار نہیں دیا جاسکتا ہے)۔ اور ابن عباسؓ نے جو یہ کہا ہے کہ: ”ھکذا أمرنا رسول اللہ ﷺ“ تو اس ”ھکذا“ کا ”مُشارٌ إلیہ“ ان کا وہ قول ہے جس میں انہوں نے بیان کیا: ”فلا نزال فنصوم، حتی نکمل ثلاثین“۔ (ترجمہ: ہم روزے رکھتے ہی رہیں گے، حتیٰ کہ تیس پورے کر لیں) ابن عباسؓ کا یہ قول دراصل رسول اللہ ﷺ کے اس حکم کی روشنی میں ہے جس کو شیخینؒ [۲] وغیرہما نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: ”لا تصوموا حتیٰ تروا الهلال، ولا تفطروا حتیٰ تروہ، فإن غم علیکم، فاکملوا العدة ثلاثین“۔ (ترجمہ: ہلال دیکھے بغیر نہ روزہ رکھو، اور نہ اسے دیکھے بغیر افطار کرو۔ اگر بادل یا غبار کی وجہ سے ہلال پوشیدہ ہو تو پھر تیس روزے پورے کرو) رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم چونکہ کسی ایک گوشہ کے باشندوں

کے لئے مخصوص نہیں ہے، بلکہ اس کا مخاطب ہر وہ مسلمان ہے جو اس کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس لئے اس حدیث سے ایک اہل بلد کی رویت کو دوسرے بلد کے باشندوں کے لئے لازم قرار دینے پر استدلال کرنا زیادہ واضح ہے، بہ نسبت اس استدلال کے کہ ایک اہل بلد کی رویت دوسرے اہل بلد کے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ جب کسی بلد کے لوگوں نے ہلال دیکھ لیا، تو گویا مسلمانوں نے اسے دیکھ لیا۔ لہذا جو چیز ان پر لازم آتی ہے، وہی دوسرے مسلمانوں پر بھی لازم آتی ہے۔“ [۱]

امام شوکانی مزید فرماتے ہیں: ”اگر ابن عباسؓ کے کلام میں موجود اشارہ کی توجہ اس طرف تسلیم کی جائے کہ ایک اہل بلد کی رویت دوسرے اہل بلد کے لئے لازم نہیں ہے، تو یہ عدم لزوم عقلی دلیل کے ساتھ مقید ہوگا۔ یعنی اگر در دراز علاقوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ جس سے مطالع میں اختلاف واقع ہو جائے، تو ابن عباسؓ کا اہل شام کی رویت پر عدم عمل، باوجود اس کے کہ دونوں شہروں میں اتنا بعد نہیں ہے کہ دونوں کے مطالع مختلف ہو جائیں، کسی دلیل کی بناء پر نہیں، بلکہ عمل بالا جہتہا قرار پائے گا۔ اگر عدم لزوم کو تقیید بالعقل مانا جائے، تو اس بارے میں کسی واقف کار کو کوئی شک نہیں ہے۔ اور اس بارے میں دلائل بھی فیصل ہیں کہ اہل الاقطار میں سے بعض دوسروں کی خبروں پر عمل کرتے، نیز تمام شرعی احکام میں ان کی شہادتوں کو قبول کرتے ہیں، بلا امتیاز اس امر کے کہ بعد بین القطرین سے ان کے مطالع میں اختلاف واقع ہوتا ہے یا نہیں۔ اور انہی تمام احکام شرعیہ میں سے رویت ہلال بھی ایک شرعی حکم ہے، لہذا بلا دلیل اس کی تخصیص ناقابل قبول ہے۔ اگر اس حدیث کی یہ تفسیر کر لی جائے کہ اس کے لئے صالح تسلیم کیا جائے، تو اس کے خلاف قیاس وارد ہونے کے باعث اگر نص معلوم ہو تو محل النص پر، اور اگر نص معلوم نہ ہو تو کم از کم اس کے مفہوم پر اقتصار کرنا چاہئے۔ ابن عباسؓ نے نہ تو نبی ﷺ کے الفاظ بیان کئے ہیں، اور نہ ہی آپ ﷺ کے الفاظ کے معانی کہ اس کے عموم اور خصوص پر غور و فکر کیا جاسکے۔ ہم تک یہ خبر بصیغہ مجمل پہنچی ہے۔ اگر اس کی مراد یہی تسلیم کی جائے، تو زیادہ سے زیادہ یہ اہل شام کی رویت پر اہل مدینہ کے عدم عمل کے قصہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ہم اس خبر سے اس سے زیادہ کچھ نہیں

سمجھتے کہ اس کے عموم کو مخصص کر سکیں۔ لہذا ہمیں چاہئے کہ اسی مفہوم پر اقتصار کریں جو کہ خلاف قیاس وارد ہے، اور اس کے ساتھ کسی چیز کا اضافہ والحاق نہ کریں۔ اور وہ یہ ہے کہ اہل مدینہ کے لئے اہل شام کی رویت پر عمل کرنا واجب نہیں ہے، مگر ان کے علاوہ دوسروں کی رویت پر واجب ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں کوئی اور حکمت پوشیدہ ہو جسے ہم نہیں سمجھ پا رہے ہیں۔ اگر الحاق اور تخصیص عموم کی صحت کو تسلیم کیا جائے، تو اس کی غایت وہ مقامات ہیں جن کے مابین اتنا ہی بُعد ہو جتنا کہ مدینہ اور شام کے مابین، یا اس سے زیادہ ہے۔ لیکن وہ مقامات جن کے مابین اس سے کم بُعد ہو، تو وہ اس غایت سے خارج ہیں، جیسا کہ ظاہر ہے۔ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ان لوگوں کی دلیل کیا ہے جو بذریعہ ڈاک، یا کسی علاقہ، یا شہر کی رویت کی خبر پر عمل کرنے سے منع کرنے کو معتبر سمجھتے ہیں؟ رویت ہلال کے بارے میں وہی بات قابل اعتماد ہونی چاہئے جس کی طرف مالکیہ اور زیدیہ کی ایک جماعت گئی ہے، اور ان میں جسے امام مہدیؑ نے اختیار کیا، اور امام قرطبیؒ نے اپنے شیوخ سے نقل کیا ہے۔ وہ بات یہ ہے کہ جب کسی ایک بلد کے لوگ ہلال دیکھ لیں، تو وہ رویت تمام بلاد کے لوگوں پر لازم ہو جاتی ہے۔ امام ابن عبدالبرؒ نے جو یہ کہا ہے کہ: یہ قول اجماع کے خلاف ہے، تو یہ بات قابل التفات نہیں ہے، وہ کہتے ہیں: کیونکہ اس بات پر اجماع ہے کہ جن شہروں میں غراسان اور اندلس جیسا بُعد ہو، ان میں کسی ایک جگہ کی رویت دوسرے بلد کے لئے معتبر نہیں ہوتی۔ (لیکن علامہ شوکانیؒ کہتے ہیں کہ:) جب ان (یعنی مذکورہ بالا علماء) کی جماعت اس امر کی مخالف ہے تو اجماع ہی مکمل نہ ہوا (پھر اس قول کو خلاف اجماع کیسے کہا جاسکتا ہے؟)۔ [۱]

بُعد و قرب کے معانی کی تعیین: بُعد کی تعریف اور ضبط کو کئی طرح سے بیان کیا گیا ہے: ”(۱) علمائے عراق اور صیدلانی نے بُعد کے لئے اختلاف مطالع کو قطعی اور قابل اعتماد قرار دیا ہے، یعنی جن بلاد کے مطالع میں اختلاف ہے وہ ایک دوسرے سے دور شمار ہوں گے۔ امام نوویؒ نے ”الروضة“ اور ”شرح المہذب“ میں اس قول کی صحت بیان کی ہے کہ: (تابعہ سے مطالع میں اختلاف واقع ہو جاتا ہے، مثلاً حجاز، عراق اور غراسان کے مابین۔ جب کہ تقارب

سے مطلع مختلف نہیں ہوتا، مثلاً بغداد و کوفہ یا رے و قزوین کے مابین۔ کیونکہ ان شہروں کا مطلع آپس میں ایک ہی ہے، لہذا اگر ان میں سے کسی ایک جگہ کے لوگ ہلال دیکھ لیں، تو دوسری جگہ کے لوگوں کے لئے ان کی یہ رویت معتبر ہوگی، اگرچہ وہ مطلع ایک ہونے کے باوجود تقصیر فی التأمل، یا کسی عارض کی بناء پر ہلال نہ دیکھ پائے ہوں) (۲) امام بغویؒ نے بعد کے لئے مسافت قصر کو قطعی قرار دیا ہے، یعنی جتنی مسافت پر نماز قصر نہیں کی جاتی، اس کے اندر واقع تمام بلاد قریب، اور مسافت قصر یا اس سے دور واقع تمام بلاد بعید شمار ہوں گے۔ رافعیؒ نے ”الصغیر“ میں اور نوویؒ نے ”شرح مسلم“ میں اس رائے کو صحیح قرار دیا ہے۔ [۱] (۳) اقلیم کا اختلاف۔ (۴) علامہ سرخسیؒ بیان کرتے ہیں کہ: جن بلاد میں کسی عارض (یعنی ابری یا گرد و غبار) کے بغیر ہلال کا خفاء تصور نہ کیا جاسکتا ہو، ان سب میں کسی ایک بلد کی رویت کا حکم دوسرے تمام بلاد میں لازم ہوگا۔ البتہ ان کے علاوہ دوسرے بلاد میں مؤثر نہ ہوگا۔ [۲] (۵) ابن مابخونؒ کا قول (اوپر) بیان کیا جا چکا ہے۔ (۶) اگر دو علاقوں کی جہت میں بلندی اور پستی کا اختلاف اس طرح ہو کہ ایک پہاڑی علاقہ ہو، اور دوسرا میدانی، یا ہر بلد علیحدہ اقلیم میں واقع ہو، تو ایک مقام کی رویت کا حکم دوسرے مقام پر لازم نہ ہوگا۔ اس کو علامہ مہدیؒ نے امام یحییٰؒ اور ہادویؒ سے ”البحر“ میں نقل کیا ہے۔ [۳]

[۱]۔ میں کہتا ہوں کہ یہ قول علامہ فورانیؒ، امام الحرمینؒ، غزالیؒ، بغویؒ اور دیگر مفسرین سے منقول ہے۔ امام الحرمینؒ نے اس پر اتفاق کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ: چونکہ مطالع کا اعتبار حساب اور تخمین کی حکیم کا محتاج ہے، لیکن تولد شریعت نے اس کا انکار کیا ہے، لہذا اس مسافت قصر کا اعتبار واجب ہے۔ کیونکہ شریعت نے بہت سے احکام مسافت قصر کے ساتھ مطلق کر رکھے ہیں۔ لیکن خود امام نوویؒ نے ”شرح المہذب“ میں اس قول کی تضعیف کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ: ”لان امر الهلال لا تعلق له بمسافة القصر، فالصحيح اعتبار المطالع“۔ [۲]۔ میں کہتا ہوں کہ شافعیہ کے نزدیک مشہور اقوال میں سے ایک قول دوسرے قول کے عین مقابل ہے۔ ان کا پہلا قول یہ ہے کہ: دوسرے اہل بلد پر روزہ واجب نہیں ہوتا، جیسا کہ علامہ شیرازیؒ، شیخ ابو حامدؒ اور بندہؒ وغیرہ نے قطعیت کے ساتھ بیان کیا ہے، اور اس قول کی عبد ربیؒ، رافعیؒ اور اکثر علماء نے تصحیح بھی فرمائی ہے۔ ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ: تمام اہل بلاد پر روزہ واجب ہو جاتا ہے۔ گویا ایک بلد کی رویت کا حکم دوسرے بلاد کے لئے متحدی ہوتا ہے۔ یہ علامہ صیرمیؒ کا قول ہے، اور قاضی ابو الطیبؒ، دارمیؒ اور ابو علیؒ احنیؒ وغیرہم نے اس قول کی تصحیح فرمائی ہے۔ لیکن امام نوویؒ نے پہلے قول کو ہی صحیح قرار دیا ہے۔ [۳]۔ فتح

الباری ۱/۲۳، نیل الأوطار ۳/۱۱۸-۱۱۹، عون المعبود ۲/۲۷۱-۲۷۲، تحفة

جب کہ تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ، کی مجلس منعقدہ ۳، ۴، ۵ مئی ۱۹۶۷ء میں علمائے ہند نے متفقہ طور پر بلا دقیریہ و بعیدہ کی جو تعریف بیان کی ہے وہ حسب ذیل ہے: (۳)
 بلا دقیریہ سے مراد یہ ہے کہ ان میں باہم اس قدر دوری واقع ہو کہ عادتاً ان کی رویت میں ایک دن کا فرق ہوتا ہے۔ ایک شہر میں ایک دن پہلے چاند نظر آتا ہے، اور دوسرے میں ایک دن کے بعد۔ ان بلا دقیریہ میں اگر ایک کی رویت دوسرے کے لئے لازم کر دی جائے، تو مہینہ کسی جگہ ۲۸ دن کا رہ جائے گا، اور کسی جگہ ۳۰ دن قرار پائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے۔

(۴) بلا دقیریہ وہ شہر ہیں جن کی رویت میں عادتاً ایک دن کا فرق نہیں پڑتا۔ ایک ماہ کی مسافت کی دوری، جو تقریباً ۵۰۰ یا ۶۰۰ میل ہوتی ہے، کو بلا دقیریہ قرار دیتے ہیں، اور اس سے کم کو بلا دقیریہ۔

مجلس اس سلسلہ میں ایک ایسے چارٹ کی ضرورت سمجھتی ہے جس سے معلوم ہو جائے کہ مطلع کتنی مسافت پر بدلتا ہے، اور کن کن ملکوں کا مطلع ایک ہے۔ ہندوستان و پاکستان کے بیشتر حصوں، اور بعض قریبی ملکوں مثلاً نیپال وغیرہ، کا مطلع ایک ہے۔ علماء ہند و پاک کا عمل ہمیشہ اسی پر رہا ہے، اور غالباً تجربہ سے بھی یہی ثابت ہے۔ ان ملکوں کے شہروں میں اس قدر بعد مسافت نہیں ہے کہ مہینہ میں ایک دن کا فرق پڑتا ہو۔ اس بنیاد پر ان دونوں ملکوں میں جہاں بھی چاند دیکھا جائے، شرعی ثبوت کے بعد اس کا ماننا ان دونوں ملکوں کے تمام اہل شہر پر لازم ہوگا۔“ [۱]

تجربات اور مشاہدات کی بناء پر بعض علم بیت و جغرافیہ کے ماہرین کا کہنا ہے کہ: ”غروب آفتاب کے وقت چاند اگر کسی ملک میں آٹھ درجے بلند ہے، تو وہ غروب آفتاب کے بعد تیس منٹ تک باقی رہے گا۔ ایسا چاند اس مقام رویت سے مشرقی علاقہ میں پانچ سو ساٹھ یا پانچ سو میل تک ضرور موجود ہوگا۔ تو گویا جہاں چاند نظر آجائے وہاں سے مشرق کی جانب پانچ سو ساٹھ یا کم از کم پانچ سو میل تک طلوع ہلال کا اعتبار ہوگا، اس سے آگے نہیں۔ اور مقام رویت

سے مغربی جانب کے ممالک میں مطلقاً رویتِ ہلال کا اعتبار ہوگا۔“ [۱]

شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی مبارکپوریؒ نے بھی علمائے فلکیات کے حوالہ سے اختلافِ مطلع کے لئے پانچ سو میل کی مسافت متعین کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: ”بعض علماء فلکیات کا کہنا ہے کہ مطلع پانچ سو میل کے قریب کی مسافت پر مختلف ہو جاتا ہے۔ بناء بریں ہندوستان کے کسی مغربی حصہ کی رویت اس کے مشرقی حصہ، مثلاً مشرقی بہار و بنگال، کے حق میں معتبر نہیں ہوگی۔“ [۲]

لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر بالفرض ہلال کی رویت دہلی میں ہوتی ہے تو علماء ہیئت کی مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں دہلی سے تقریباً پانچ سو، یا پانچ سو ساٹھ، یا زیادہ سے زیادہ چھ سو، میل تک مشرق میں ہلال ضرور موجود ہوگا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر دہلی ہی کو معیار یا ابتدائی نقطہٴ پیمائش کیوں مانا جائے، جب کہ ہلال اس کے کم از کم پانچ سو یا زیادہ سے زیادہ چھ سو میل دور تک مشرق میں بھی لازماً موجود ہوتا ہے؟ اگر دہلی سے پانچ سو یا چھ سو میل دور مشرقی جانب اس دوسرے شہر کو معیار یا ابتدائی نقطہٴ پیمائش مانا جائے تو اس کے آگے بھی تقریباً اتنی ہی دوری تک ہلال موجود ہونا چاہئے، پھر اگر اس تیسرے شہر کو معیار یا ابتدائی نقطہٴ پیمائش مانا جائے تو اس کے آگے بھی تقریباً اتنی ہی دوری تک ہلال ضرور موجود ہوگا، پھر اس کے مشرق میں بھی، اور اس کے مشرق میں بھی۔ گویا اس کی کوئی حد مقرر کرنا ناممکن ہوگا، لہذا یہ قول عملاً ناممکن، اور منطقی اعتبار سے قطعاً لغو ہے۔

[۱]۔ مجلہ ”صوت الحق“ ج ۹، ش ۳، ص ۲۹، مجریہ ماہ مارچ ۱۹۹۶ء

[۲]۔ مجلہ ”صوت الحق“ ج ۳، ش ۹، ص ۸،

مجریہ ماہ مارچ ۱۹۹۱ء

جدید ذرائع ابلاغ و مواصلات سے موصولہ ہلال کی خبروں کا حکم

بلاشبہ خطوط، اخبار اور رسائل کے مقابلہ میں ریڈیو (Radio)، ٹیلی ویژن (Television)، برقی تار (Telegram)، ٹیلیکس (Talex)، فیکس (Fax)، الیکٹرونک میل (E-Mail)، انٹرنیٹ (Internet)، نیٹ میننگ (Net-Meeting)، نیٹ کانفرنس (Net-Conference)، ای۔چیٹ (E-Chat)، واکس چیٹ (Voice-Chat)، ٹیلیفون (Telephone)، جوالات (Mobilephones) اور وائرلیس (Wireless) وغیرہ خبر رسانی کے جدید تر، سریع اور مؤثر ذرائع ہیں، اور انہیں رویتِ ہلال کی شہادت ایک جگہ سے دوسری جگہ سرعت پہنچانے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن چونکہ ان کا معاملہ شک و شبہ سے بالاتر نہیں ہوتا، اس لئے ایک خالص دینی و شرعی معاملہ میں ان ذرائع سے آنے والی خبر رویت پر کلی اعتماد کرتے ہوئے کوئی حکم لگانا درست نہیں ہے۔ اگر بدقت نظر دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ بالا ذرائع میں سے بالخصوص ٹیلیگرام، ٹیلیکس اور ای۔میل سے موصول ہونے والی ہلال کی خبر کی شرعی حیثیت اصلاً مشتبہ ہوتی ہے، کیونکہ اولاً اس میں آواز یا تحریر کو کوئی دخل نہیں ہوتا کہ اس سے خبر دہندہ کی پہچان ہو سکے۔ ثانیاً یہ ہے کہ ان کا ترسیل کے دوران درمیان میں کئی واسطے پڑتے ہیں جن کے متعلق یقینی طور پر یہ علم نہیں ہوتا کہ وہ مسلمان ہیں یا غیر مسلم؟ عادل ہیں یا غیر عادل؟ بلکہ ای۔میل کے ذریعہ ہیکرز (Hackers) کی دراندازیاں تو آئے دن سننے کو ملتی رہتی ہیں۔ البتہ اگر مختلف مقامات سے متعدد ٹیلیگرامس، ٹیلیکس یا ای۔میل آئیں اور تواتر کی حد کو پہنچ جائیں، تو ایسی صورت میں خبر معتبر مانی جائے گی۔ تواتر کے لئے کوئی مخصوص عدد متعین نہیں ہے، بلکہ جتنے عدد سے علم یقین حاصل ہو جائے، وہی مبلغ تواتر ہے۔ البتہ خطوط اور فیکس کے ذریعہ آنے والی خبر

صرف اسی وقت معتبر ہوگی جب کہ مقاماتِ رویت سے متعدد خطوط یا فیکس آئیں اور مرسل الیہ ان خطوط یا فیکس بھیجنے والوں کی تحریروں کو بخوبی پہچاننے بھی ہوں، ورنہ ظن غالب حاصل نہ ہوگا۔ جہاں تک نیٹ میٹنگ، نیٹ کانفرنس، ٹیلیفون، واکس چیٹ اور وائرلیس پر موصول ہونے والی ہلال کی خبروں کا تعلق ہے تو اس بارے میں خبر دہندگان کی آوازوں کو بالیقین پہچاننا شرط ہے۔

جہاں تک ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات، رسائل اور انٹرنیٹ پر پیش کی جانے والی ہلال کی خبروں کا تعلق ہے تو ان کے معتبر ہونے کے بارے میں والد محترم شیخ محمد امین اثری رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”روزہ - احکام و مسائل“ [ص ۴۳-۴۴] میں اور استاذی محترم شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ اپنے ایک وقیع مضمون میں چند شرائط بیان کی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

”ریڈیو کی خبر کے معاملہ میں حسب ذیل امور پر نظر رکھنی چاہئے: (۱) ریڈیو کی اجمالی خبر کہ فلاں شہر یا فلاں مقام میں چاند دیکھا گیا ہے، کل روزہ رکھا جائے گا، یا عید منائی جائے گی، مطلقاً قابل قبول نہیں ہوگی، اور اس طرح کی خبر پر صوم یا افطار درست نہیں ہے۔ اسی طرح ایک مقام کی خبر کے بارے میں مختلف شہروں کے ریڈیو اسٹیشنوں کا اعلان بھی قابل قبول نہیں ہے۔ (۲) ریڈیو سے رویتِ ہلال کا اعلان خبر ہے، شہادتِ اصطلاحی نہیں ہے، اس لئے اس میں شہادتِ مصطلحہ کے شرائط و قیود کا لحاظ و اعتبار نہیں ہوگا۔ (۳) ریڈیو کے جس اعلان پر صوم یا افطار کا حکم دیا جائے اس کے لئے ضروری ہے کہ تفصیل ہو، اور ذمہ دار علماء کی جماعت کی طرف سے ہو، یا کم از کم اس جماعت کی ذمہ داری کے حوالہ سے ہو کہ انہوں نے باضابطہ شرعی شہادت لے کر چاند ہو جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ مثلاً کوئی متدین مسلمان ریڈیو اسٹیشن سے یہ اعلان کرے کہ ہمارے شہر کی فلاں ذمہ دار رویتِ ہلال کمیٹی، یا جماعتِ علماء، یا امیر شریعت، یا مفتی (بہ تصریح نام قاضی یا امیر یا مفتی یا ارکان کمیٹی یا علماء) نے شرعی ثبوت کے بعد یہ اعلان کرایا ہے۔ اس طرح کی صراحت اور تفصیل کے ساتھ اعلان پر صوم اور افطار یعنی عید منانا درست ہوگا۔ ایسا

اعلان اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ رویت ہلال کمیٹی، یا جماعت علماء، یا قاضی شریعت، یا امیر شریعت، یا مفتی کارڈیو کے محکمہ کے ذمہ داروں سے باقاعدہ رابطہ قائم ہو۔ ریڈیو پر اعلان کرنے والا اگر کوئی متدین مسلمان نہ ہو بلکہ ریڈیو کا غیر مسلم ملازم ہو، اور وہ کسی ذمہ دار رویت ہلال کمیٹی یا جماعت علماء یا قاضی شریعت (بہ تصریح نام) کے فیصلہ کا اعلان بہ تفصیل بالا کرے، تو یہ خبر بھی قابل تسلیم و قبول ہوگی، اور اس پر اعتماد کر کے صوم و افطار کا حکم درست ہوگا۔ جس طرح توپ، نقارہ کی آواز اور ڈنڈھور جی کے اعلان پر فقہاء نے صوم اور افطار صوم جائز قرار دیا ہے۔ مگر واضح رہے کہ ریڈیو کی خبر سُن کر ہر شخص کو بطور خود فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، کیونکہ وہ مشہورہ خبر کی شرعی حیثیت کو نہیں سمجھ سکے گا۔ اس لئے سننے والوں کا فرض ہوگا کہ وہ اس معاملہ میں بھی اپنے یہاں کے ذمہ دار علماء کی طرف رجوع کریں، اور ان کے فیصلہ پر عمل کریں۔ یہ مسئلہ اور معاملہ شرعاً انفرادی نہیں، بلکہ اجتماعی ہے۔ (۴) ریڈیو سے بہ صورت مذکور (۳) جس مقام کی رویت کا اعلان ہو، اس مقام رویت سے دور مشرق میں واقع انہیں مقامات میں اس رویت کا اعتبار اور اس پر عمل ہوگا جن کے مطالع مقام رویت کے مطلع سے مختلف نہ ہوں، بلکہ ایک ہوں۔ یعنی ان کے یہاں کے افق پر بھی اسی شب میں چاند طلوع ہوتا ہو، مگر ابر یا گرد و غبار یا کسی اور وجہ سے نظر نہ آیا ہو۔ (۵) صوم، افطار، عید قربان، حج وغیرہ خالص دینی اور شرعی مسائل ہیں۔ ان کو دنیاوی معاملات، سیاسی خبروں یا غیر اسلامی حکومتوں کے کاروبار پر قیاس کرنا قطعاً غلط بات ہے۔ حکومتیں اپنے مفاد کے لئے اپنے اپنے ریڈیو اسٹیشنوں سے جس قسم کے غلط اور صحیح پروپیگنڈے کا کام لیتی ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ایسی حالت میں صوم و افطار صوم وغیرہ دینی معاملات میں ریڈیو کی خبر کے اعتبار کے لئے (۳) میں مذکورہ وسیعہ قیود و حدود کا اعتبار و لحاظ ضروری ہے۔“ [۱]

اُس شخص کا حکم جس نے تہاء ہلال دیکھا، مگر اس کی شہادت قبول نہ کی گئی ہو

ریح بیان کرتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے: ”جس شخص نے تہاء ہلال رمضان دیکھا تو وہ روزہ رکھے، اور جس نے تہاء ہلال شوال دیکھا ہو وہ افطار کرے، لیکن وہ اسے پوشیدہ رکھے۔“ [۱]

یونس بن عبدالاعلیٰ نے ابن وہبؒ سے روایت کی ہے کہ: ”امام مالکؒ نے اس شخص کے بارے میں جس نے تہاء ہلال رمضان دیکھا ہو فرمایا کہ: وہ روزہ رکھے، کیونکہ جب کہ اسے معلوم ہے کہ یہ ماہ رمضان کا دن ہے تو اس کو مفطر نہیں رہنا چاہئے۔ لیکن اگر کوئی تہاء ہلال شوال دیکھے تو وہ روزہ نہ چھوڑے، کیونکہ ایسا کرنے پر (فاسقوں اور بدعتیوں میں سے بعض) لوگ اس کو متہم کریں گے کہ ان میں سے ایک ایسے شخص نے روزہ چھوڑ دیا ہے جو ثقہ اور مأمون نہیں ہے۔ جب لوگوں کو ہلال نظر آئے گا تو وہ کہیں گے کہ ہلال تو ہم نے اب دیکھا ہے۔“ [۲]

امام مالکؒ کے اس قول کی شرح میں علامہ ذرقانیؒ فرماتے ہیں: ”امام رحمہ اللہ نے تہمت کے اس ذریعہ کو روکنے کی وجہ سے روزہ موقوف کرنے سے منع کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ، بلکہ بیشتر ائمہ کا قول بھی یہی ہے۔ امام شافعیؒ، امام ابو ثورؒ اور امام اشہبؒ کا قول ہے کہ اگر تہمت کا خوف ہو تو افطار نہ کرے، صرف مفطر ہونے کا اعتقاد کر لے۔ علامہ الباجیؒ کہتے ہیں کہ یہی صحیح بات ہے۔“ [۳]

تابعی کریمؒ کی جس حدیث کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے اس سے بھی اس مسئلہ پر استدلال کیا گیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ”اس حدیث سے اس شخص کے صوم و فطر

[۱]۔ سنن الدارقطنی مع التعليق ۱۷۰/۲ [۲]۔ سنن الدارقطنی مع التعليق ۱۷۰/۲
و کذا فی الموطأ مع شرح الزرقانی ۱۵۵/۲-۱۵۶ عن یحیی قال: سمعت مالکاً یقول بہ
[۳]۔ شرح الزرقانی علی الموطأ ۱۵۶/۲

کے وجوب پر استدلال کیا گیا ہے جس نے تنہا ہلال دیکھا ہو، اور اس کی شہادت ثابت نہ ہو پائی ہو۔ اس شخص کے روزہ کے بارے میں ائمہ اربعہ کا قول یہی ہے، لیکن فطر کے بارے میں ان کے مابین اختلاف ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ: وہ روزہ چھوڑ دے، لیکن اس کو مخفی رکھے۔ مگر اکثر ائمہ کا قول ہے کہ وہ احتیاطاً روزہ رکھے گا۔ [۱]

امام بغویؒ فرماتے ہیں: ”جس شخص نے تنہا ہلال دیکھا ہو اس کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ اکثر اس طرف گئے ہیں کہ: اس پر روزہ اور فطر دونوں لازم ہیں۔ امام شافعیؒ کا قول بھی یہی ہے، جس طرح کہ طلوع فجر کے بعد جسے رویت ہلال کا تنہا علم ہو، تو اس پر کھانے پینے سے اساک ضروری ہو جاتا ہے۔ لیکن حسنؒ اور عطاءؒ کا قول ہے کہ: وہ تنہا رویت کی بناء پر (آگے) ”روزہ اور عید سواد اعظم کے ساتھ ہی ہے“ کے زیر عنوان آنے والی ابو ہریرہؓ اور عائشہؓ کی حدیثوں کے ظاہری معانی کے مطابق نہ روزہ رکھے، اور نہ ہی فطر کرے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ: (ہلال رمضان کی) اپنی تنہا رویت سے روزہ تو رکھے گا، مگر (ہلال شوال کی تنہا رویت سے) فطر نہیں کرے گا۔“ [۲]

علامہ ابن قدامہ المقدسیؒ تنہا ہلال رمضان دیکھنے والے شخص کے متعلق فرماتے ہیں: ”جو شخص تنہا ماہ رمضان کا ہلال دیکھے وہ روزہ رکھے۔ مذہب کے مطابق یہ چیز مشہور ہے کہ: جب کوئی شخص تنہا ہلال رمضان دیکھے تو اس پر روزہ لازم ہے، خواہ وہ عادل ہو یا غیر عادل، اس نے حاکم کے سامنے شہادت دی ہو یا نہ دی ہو، اس کی شہادت قبول کی گئی ہو یا رد کر دی گئی ہو۔ یہی قول امام مالک، امام لیث، امام شافعی، اصحاب الرائے اور امام ابن السمد رحمہم اللہ کا بھی ہے۔ امام عطاءؒ اور امام اسحاق رحمہما اللہ کا قول ہے کہ: وہ روزہ نہ رکھے۔ حنبلیؒ نے امام احمدؒ سے روایت کی ہے کہ: وہ لوگوں کی جماعت کے ساتھ ہی روزہ رکھے گا۔ امام حسنؒ اور امام ابن سیرین رحمہما اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے، کیونکہ اس شخص کے لئے انتیس شعبان کی طرح اس دن پر بھی شعبان کا حکم ہی لاگو ہوگا۔ ہمارے نزدیک یہ چیز درست ہے کہ: جب اسے یقین ہو جائے کہ وہ رمضان کا دن ہے، تو اس پر اس دن کا روزہ اسی طرح لازم ہو جاتا ہے جس طرح کہ حاکم

کے روزہ رکھنے کا حکم جاری کرنے کی صورت میں لازم ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے علاوہ دوسروں کی نگاہ میں اس پر بھی بظاہر ماہ شعبان کا حکم ہی نافذ ہوتا ہو، لیکن باطن وہ جانتا ہو کہ وہ رمضان کا دن ہے، تو کسی عادل کی شہادت کی طرح اس دن کا روزہ اس پر لازم ہے۔ اگر اس دن وہ جماع کرنے کے باعث روزہ توڑ دے، تو اس پر کفارہ ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ اس پر کفارہ واجب نہیں ہوتا، کیونکہ کفارہ ایک عقوبت ہے، جو کہ حد کی طرح کسی مختلف فیہ فعل سے واجب نہیں ہوتی۔ لیکن ہمارے نزدیک اس نے چونکہ رمضان کے دن جماع کر کے روزہ توڑا ہے، اس لئے اس پر کفارہ واجب ہے، جس طرح کہ اس کی شہادت قبول ہو جانے کی صورت میں اس پر واجب ہوتا۔ نیز یہ کہ کفارہ کو ہم عقوبت تسلیم نہیں کرتے۔“ [المغنی ۱۵۶/۳]

آگے چل کر علامہ ابن قدامہ المقدسیؒ تہاء ہلال شوال دیکھنے والے شخص کے متعلق مزید فرماتے ہیں: ”جس شخص نے تہاء ہلال شوال دیکھا ہو، وہ روزہ نہ چھوڑے۔ یہ چیز امام مالک اور امام لیث رحمہما اللہ سے مروی ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: اس کے لئے اس طرح کھانا پینا جائز ہے کہ اسے کوئی دوسرا نہ دیکھ پائے، کیونکہ اس کو شوال ہونے کا یقین ہو چکا ہے۔ لہذا اس کے لئے کھانا پینا ایسی طرح جائز ہے جس طرح کہ اگر اس کے قول پر حجت قائم ہو جائے تو اس کے لئے جائز ہوتا۔ ہمارے نزدیک ابو رجاء سے مروی ابو قلابہ کی یہ روایت حجت ہے کہ: ”دو شخص مدینہ منورہ آئے، انہوں نے (دوران سفر) ہلال دیکھا تھا۔ مگر اگلی صبح مدینہ کے لوگ روزہ دار تھے، تو وہ دونوں عمر کے پاس گئے، اور ان سے اس بات کا تذکرہ کیا۔ عمرؓ نے ان میں سے ایک شخص سے پوچھا: کیا تم روزہ دار ہو؟ اس نے جواب دیا: نہیں، بلکہ مفطر (روزہ کھولے ہوئے) ہوں۔ آپ نے پوچھا: تو نے کس وجہ سے ایسا کیا؟ اس شخص نے جواب دیا: میں روزہ نہیں رکھ سکتا تھا، کیونکہ میں نے ہلال شوال دیکھا تھا۔ عمرؓ نے دوسرے شخص سے بھی یہی سوال پوچھا، تو اس نے جواب دیا کہ: میں روزہ دار ہوں۔ آپ نے پوچھا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا: میں مفطر نہیں رہ سکتا تھا، جب کہ دوسرے لوگ روزہ دار ہوں۔ پھر آپ نے اس شخص سے مخاطب ہو کر کہا جو کہ مفطر تھا: اگر یہ دوسرا شخص نہ ہوتا، تو میں تیرے سر پر مارتا۔ پھر آپ نے لوگوں میں عید گاہ کے لئے نکلنے کا اعلان کروایا۔ اس اثر کو سعید نے ابن عیینہ عن ایوب عن

ابھی رجاء کے طریق سے تخریج کیا ہے۔ عمرؓ نے تہاء رویت سے روزہ کھول دینے کے باعث اس شخص کو سزا دینے کا ارادہ کیا تھا، مگر اسکی گواہی کے ساتھ اس کے ساتھی کی گواہی سے چونکہ نصاب شہادت مکمل ہو گیا تھا، اس لئے آپؐ نے اس پر سے سزا کو نال دیا تھا۔ اگر اس کے لئے (صرف اپنی رویت کی بناء پر) روزہ کھولنا جائز ہوتا، تو عمرؓ نہ اسے منع فرماتے، اور نہ ہی اسے اس طرح ڈراتے دھمکاتے۔ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: وہ شخص بھی امام (یعنی حاکم)، اور مسلمانوں کی جماعت کے فطر کے دن ہی روزہ چھوڑے۔ ان دونوں (یعنی عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہما) کے عصر میں کسی کا ان دونوں کی مخالفت کرنا معروف نہیں ہے، پس یہ اس دور کا اجماع ہوا۔ چونکہ اس شخص پر بھی رمضان کے دن کا حکم نافذ ہوتا ہے، لہذا اس شخص کے لئے اس دن سے قبل والے دن ہی کی طرح روزہ موقوف کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر دلیل قائم ہو جائے، تو ایسی صورت میں ہمارے مسئلہ کے خلاف اس کے حکم میں فرق ہوگا، اور اس پر شوال کا حکم نافذ ہوگا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ: اس شخص کو تو شوال کے ہونے کا یقین ہوتا ہی ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ: اس کا یقین ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ اس تہاء دیکھنے والے کو اس رویت کا محض خیال اور وہم ہوا ہو، جیسا کہ مروی ہے: ”عمرؓ کے زمانہ میں ایک شخص نے کہا: میں نے ہلال دیکھا ہے، تو عمرؓ نے اس سے کہا کہ: اپنی آنکھیں مل کر پھر دیکھ۔ اس نے اپنی آنکھیں ملیں۔ پھر آپؐ نے اس سے پوچھا: کیا اب بھی تجھے ہلال نظر آتا ہے؟ اس نے جواب دیا: نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ہو سکتا ہے کہ کوئی بال تیرنی آنکھوں کے سامنے آ گیا ہو، اور تو نے گمان کر لیا ہو کہ وہ ہلال ہے، یا اسی کے ہم معنی چیز کی روایت کی۔“ [۱]

ادھر ہلال کا وہم ہونے کے متعلق عمرؓ کا جو اثر بیان کیا گیا ہے اس کی تائید ایک ماہر فلکیات کا یہ قول بھی کرتا ہے: ”عصر حاضر میں فضاء میں اڑنے والی مختلف اشیاء سے بھی رویت کا وہم ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ہوائی جہاز، یا ہیلی کوپٹر، یا خلائی سیارچہ (Satellite) میں سے کوئی چیز سورج کی روشنی کو اس طور پر منعکس کرے کہ دیکھنے والے کو ہلال کا گمان ہو جائے۔ کبھی ہلالی (C) شکل کے ہوائی جہاز کے دخانی، یا بادی ٹکڑے سے بھی ہلال کا وہم ہو سکتا ہے۔ کبھی آنکھ کی پتلی یا عینک پر کوئی باریک بال لگے رہنے سے بھی ایسا وہم ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات

ہلال دیکھنے کا حد درجہ شوق بھی نفسیاتی طور پر ایسا خیال پیدا کر دیتا ہے کہ گویا اس نے ہلال دیکھا ہے، حالانکہ اس نے دیکھا نہیں ہوتا۔“ [۱]

علامہ ابن رشد فرماتے ہیں: ”فقہاء کے مابین رویت کے حصولِ علم کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ اس کے دو طریقے ہیں: پہلا طریقہ حسی ہے، اور دوسرا طریقہ خبر کا ہے۔ پس حسی طریقہ کے متعلق علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص تنہا ہلالِ صوم دیکھے، اس پر روزہ رکھنا واجب ہے، سوائے عطاء بن اُبی رباحؓ کے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ: وہ تنہا شخص اس وقت روزہ نہ رکھے جب تک کہ اس کے ساتھ کسی دوسرے شخص کو بھی رویت نہ ہوئی ہو۔ لیکن اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا تنہا شخص اپنی رویت پر روزہ موقوف کرے گا یا نہیں؟ امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ اس طرف گئے ہیں کہ وہ روزہ موقوف نہیں کرے گا۔ لیکن امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ: وہ افطار (روزہ موقوف) کرے گا۔ یہی قول امام ابو ثورؒ کا بھی ہے، کیونکہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے روزہ اور فطر کو رویت ہو جانے پر واجب قرار دیا ہے، اور رویت حسی ہوتی ہے۔ اگر رویت کی خبر پر روزہ رکھنے کے متعلق اجماع نہ ہوتا تو اس حدیث کے ظاہر کے مطابق خبر رویت پر روزہ کا وجوب بعید ہوتا۔ جن لوگوں نے ہلالِ صوم اور ہلالِ فطر کے مابین فرق و امتیاز کیا ہے، ان کے نزدیک اس کا سبب اس ذریعہ کا سد باب کرنا ہے کہ فاسق لوگ یہ دعویٰ نہ کر سکیں کہ انہوں نے ہلال دیکھا ہے، پس وہ روزہ موقوف کر دیں، حالانکہ انہوں نے ہلال نہ دیکھا ہو۔ اسی باعث امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: اگر تہمت کا خوف ہو تو وہ کھانے پینے سے رُکا رہے، لیکن اپنے فطر کا اعتقاد رکھے۔ جب کہ امام مالکؒ نے اس بارے میں شاذ رائے اختیار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: جس نے تنہا ہلال دیکھ کر افطار کیا، تو اس پر اس روزہ کی قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ: اس پر صرف قضاء لازم ہے، کفارہ نہیں ہے۔“ [۲]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”رمضان اور شوال کے ہلال کی منفرد رویت والے شخص کے بارے میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے کہ آیا وہ تنہا روزہ رکھے گا، اور تنہا ہی فطر بھی کرے گا؟ یا تنہا نہ روزہ رکھے گا، اور نہ ہی تنہا فطر کرے گا، بلکہ لوگوں کے ساتھ

روزہ رکھے گا، اور انہی کے ساتھ فطر بھی کرے گا؟ یا تنہا روزہ تو رکھے گا، مگر لوگوں کے ساتھ ہی فطر کرے گا؟ اس بارے میں مذہب امام احمدؒ وغیرہ میں تین مختلف اقوال معروف ہیں۔ [۱]

جس شخص نے تنہا ہلال دیکھا ہو، اور اس کی رویت محقق ہو، تو کیا وہ تنہا افطار کرے گا؟ اور تنہا ہی روزہ رکھے گا؟ یا کہ اس کا روزہ و افطار جمہور لوگوں کے ساتھ ہوگا؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے شیخ الاسلام رحمہ اللہ ایک اور مقام پر مزید تفصیل سے لکھتے ہیں: ”اگر کوئی شخص تنہا ہلال رمضان یا ہلال شوال دیکھے، تو کیا اس پر خود اپنی رویت کے مطابق روزہ رکھنا، یا اسی طرح خود اپنی ہی رویت کے مطابق روزہ موقوف کر دینا، ضروری ہے؟ یا یہ کہ وہ صرف لوگوں کے ساتھ ہی روزہ رکھے گا، اور انہیں کے ساتھ افطار بھی کرے گا؟ اس بارے میں تین اقوال ملتے ہیں، اور یہ تینوں اقوال امام احمدؒ سے منقول ہیں۔ اول: اس پر روزہ رکھنا ضروری ہے، اور اگر وہ روزہ موقوف کرے تو خفیہ طور پر کرے۔ یہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔ دوم: وہ روزہ تو رکھے، مگر افطار لوگوں کے ساتھ ہی کرے۔ یہ امام احمدؒ، امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کا مشہور مذہب ہے۔ سوم: وہ لوگوں کے ساتھ روزہ رکھے، اور انہی کے ساتھ روزہ موقوف کرے۔ ان اقوال میں سے آخر الذکر قول نبی ﷺ کے اس ارشاد کے زیادہ قریب تر ہے، فرمایا کہ: ’صومکم یوم تصومون، وفطرکم یوم تفطرون، واضحاکم یوم تضحون‘۔ اس حدیث کی روایت امام ترمذیؒ نے کی ہے، اور فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ نے بھی اس کی روایت کی ہے، لیکن اس میں صرف فطر اور اضحیٰ کا ہی ذکر کیا ہے۔ امام ترمذیؒ نے عبد اللہ بن جعفر..... عن ابی ہریرۃ سے روایت کی ہے، بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ’الصوم یوم تصومون، والفطر یوم تفطرون، والاضحیٰ یوم تضحون‘۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ: بعض اہل علم نے اس حدیث کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ: اس کا معنی یہ ہے کہ صوم اور فطر تمام لوگوں، بلکہ سواۃً اعظم کے ساتھ ہی ہے۔ امام ابوداؤدؒ نے ایک دوسری اسناد کے ساتھ بھی اس حدیث کی روایت کی ہے، فرماتے ہیں: حدثنا محمد بن عبید..... عن ابی ہریرۃ ذکر النبی ﷺ فیہ فقال: ’وفطرکم یوم تفطرون، واضحاکم یوم

تضحون، وکل عرفة موقف، وکل منی منحور، وکل فجاج مکة منحور، وکل جمع موقف۔..... ہلال اس چیز کا نام ہے جس کو دیکھ کر آواز بلند کی جائے (یعنی اعلان کیا جائے)۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہلال کو لوگوں کی عبادت کے وقتوں اور حج کے موسم کو جاننے کے لئے بنایا ہے، اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ لوگ اسے دیکھ کر باہم اعلان کریں، اور مہینہ کا شروع ہونا ان پر واضح ہو جائے۔ ورنہ نہ تو یہ ہلال ہوگا، اور نہ ہی مہینہ۔ اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے شرعی احکام، مثلاً روزہ، فطر، قربانی اور حج، کو ہلال اور شہر (بمعنی مہینہ) کے ساتھ معلق فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَهْلِیَّةِ، قُلْ هِيَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ [۱] (ترجمہ: لوگ آپ سے ہلال کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ یہ لوگوں (کی عبادت) کے وقتوں اور حج کے موسم کے لئے ہے)، پس اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے واضح فرمادیا ہے کہ ہلال لوگوں کی عبادت کے وقتوں اور حج کے موسم کو جاننے کے لئے ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ: ﴿كُتِبَ عَلَیْكُمْ الصَّیَامُ﴾ [۲] (ترجمہ: تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا ہے) سے آیت: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ هُدًی لِّلنَّاسِ﴾ [۳] (ترجمہ: ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کو ہدایت دینے والا ہے) تک۔ یعنی ماہ رمضان کے روزے واجب قرار دیئے گئے ہیں، اور یہ چیز تمام مسلمانوں کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ لیکن ہلال کے بارے میں لوگوں کے درمیان اختلاف ہے کہ کیا صرف آسمان پر ظاہر ہو جانے کا نام ہلال ہے، اگرچہ لوگوں کو اس کا علم ہی نہ ہو پائے؟ اور کیا اس سے مہینہ بھی شروع ہو جاتا ہے؟ یا ہلال فقط اس کو کہتے ہیں کہ جس کا لوگوں میں اعلان و شہرت ہو جائے؟ اور کیا مہینہ لوگوں میں اس کی شہرت ہو جانے سے ہی شروع ہوتا ہے؟ اس بارے میں علماء کے دو قول ملتے ہیں۔ جو لوگ پہلی بات کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ: جس نے تہاء ہلال دیکھ لیا، وہ روزہ کی میقاتِ زمانی میں داخل ہو گیا۔ اس کے حق میں ماہ رمضان شروع ہو گیا، اور وہ رات درحقیقت رمضان کی رات ہے، اگرچہ اس کے علاوہ کسی کو اس ہلال کا علم نہ ہو۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جس نے ہلال نہ دیکھا ہو، مگر اس پر اس کا طلوع ہونا ظاہر ہو جائے، تو وہ اس دن کے

روزہ کی قضاء کرے گا۔ اسی پر ماہ شوال اور ماہ ذوالحجہ کے بارے میں بھی قیاس کیا گیا ہے۔ لیکن میرے علم میں نہیں ہے کہ ماہ ذوالحجہ کے بارے میں کسی نے یہ کہا ہو کہ جس نے تہاء اس ماہ کا ہلال دیکھا ہو وہ تمام حاجیوں کے بغیر ہی تہاء عرفہ کا وقوف کرے گا، اگلے دن قربانی کرے گا، حجرۃ العقبہ کو کنکریاں مارے گا، اور دوسرے تمام حاجیوں کے بغیر ہی حلال ہو جائے گا۔ لیکن ماہ شوال کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ بیشتر علماء نے اس ماہ کو ماہ ذوالحجہ کے ساتھ جوڑا ہے، پس کہتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں کے ساتھ ہی افطار کرے گا۔ لیکن دوسری جماعت کہتی ہے کہ فطر بھی صوم کی طرح ہی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اکتیس دنوں کے روزے رکھنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ ان اقوال کا متضاد ہونا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس ماہ کا ذوالحجہ کے مثل ہونا ہی درست بات ہے۔ ایسی صورت میں ہلال، اور مہینہ کے لئے لوگوں کے مابین اس کی شہرت پانا، اور لوگوں کا اس بارے میں اعلان (آواز بلند) کرنا، شرط قرار پایا۔ یہاں تک کہ اگر دس لوگوں نے ہلال دیکھا ہو، لیکن عام اہل بلد کے نزدیک اس کی شہرت نہ ہوئی ہو، خواہ ان سب کی شہادتیں رد کئے جانے کے باعث، یا اس بناء پر کہ ان میں سے کسی نے شہادت ہی نہ دی ہو، تو ان سب کا حکم بھی وہی ہے جو کہ دوسرے تمام مسلمانوں کا حکم ہے۔ لہذا جب وہ تمام مسلمانوں کے ساتھ ہی وقوف عرفہ کریں گے، انہی کے ساتھ قربانیاں کریں گے، اور انہی کے ساتھ عید کی نماز پڑھیں گے، تو بعینہ وہ تمام مسلمانوں کے ساتھ روزہ بھی رکھیں گے۔ اور یہی مفہوم ہے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا: 'صومکم یوم تصومون، وفطرکم یوم تفطرون، واضحاکم یوم تضحون'۔ چنانچہ امام احمدؒ سے ایک روایت میں منقول ہے کہ: مطلع کے صاف اور ابر آلود ہونے کی دونوں صورتوں میں حاکم اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ ہی روزہ رکھا جائے گا۔ امام احمدؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

اس بناء پر مہینہ کے حکم میں بھی اختلاف ہوا ہے۔ آیا یہ تمام اہل بلد کے لئے مہینہ متصور ہوگا؟ یا ان سب کے حق میں یہ مہینہ شمار نہیں ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس امر کی حقیقت کو واضح کرتا ہے: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [۱] (ترجمہ: تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو پائے اسے روزہ رکھنا چاہئے) روزہ کا یہ حکم ان کے لئے ہے جنہوں نے رمضان کا مہینہ

پایا ہو، اور ظاہر ہے کہ کسی مہینہ کا پانا لوگوں میں اس کی شہرت پا جانے سے ہی ممکن ہے، تاکہ وہ فیصلہ کر سکیں کہ آیا انہیں یہ مہینہ مل سکا ہے یا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ: "اِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَصُومُوا، وَاِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَافْطُرُوا، وَصُومُوا مِنَ الْوَضَحِ إِلَى الْوَضَحِ"، یا جماعت سے متعلق اسی طرح کے دوسرے خطابات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی ایسی جگہ پر ہو جہاں کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا فرد نہ ہو، اور وہاں وہ ہلال دیکھے تو روزہ رکھے، کیونکہ وہاں اُس کے سوا کوئی اور نہیں ہے، الخ۔" [۱]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس بارے میں ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ: "وہ شخص جس نے تہاء ہلالِ رمضان دیکھا ہو، اور اس کی شہادت رد کر دی گئی ہو، تو نہ اس پر روزہ لازم ہے، اور نہ ہی دوسروں پر۔ روزہ کے بارے میں اس قول کو امام احمدؒ سے حنبلیؒ نے نقل کیا ہے۔ اسی طرح وہ تہاء شخص نہ قیام عرفہ کرے گا، اور نہ ہی قربانی کرے گا۔ اس بارے میں نزاع اس اصل پر مبنی ہے کہ آیا ہلال کو اس وقت ہلال کہا جاسکتا ہے جب کہ وہ فقط آسمان میں طلوع ہو جائے، اگرچہ نہ اس کا طلوع ہونا ظاہر ہو، اور نہ ہی اس کی شہرت ہو پائے؟ یا ہلال اس وقت تک ہلال نہیں کہلاتا جب تک کہ وہ مشہور اور ظاہر نہ ہو جائے، جیسا کہ کتاب وسنت سے مستدل ہے؟ اتنی۔" [۲]

اس بارے میں شیخ الاسلام رحمہ کے بعض دوسرے اقوال کے لئے [۳] کا مراجعہ بھی مفید ہوگا۔

اس بارے میں علامہ سید سابق فرماتے ہیں: "ائمہ فقہ اس بات پر متفق ہیں کہ جس شخص نے تہاء رمضان کا ہلال دیکھا ہو وہ روزہ رکھے۔ حضرت عطاءؒ کا قول ہے کہ: "وہ روزہ نہیں رکھے گا، تاوقتیکہ اس کے علاوہ اس کے ساتھ کسی دوسرے شخص نے بھی چاند نہ دیکھا ہو۔" اور سوال کا ہلال تہاء دیکھنے والے کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ وہ روزہ نہ چھوڑے۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ ہلال دیکھنے والا روزہ نہیں رکھے گا، جیسا کہ امام شافعیؒ اور امام ابو ثورؒ کا قول ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے روزہ اور افطار کو رؤیتِ ہلال پر واجب قرار دیا ہے، اور تہاء فرد جس نے چاند دیکھا

[۱]۔ مجموع فتاویٰ ۱۱۴/۲۵ ۱۱۸۔ [۲]۔ الاختیارات الفقہیہ ص ۱۰۶ [۳]۔

مجموع فتاویٰ ۲۰۴/۲۵ ۲۰۶۔

ہے، اسے رویت یقینی طور پر حاصل ہوگئی ہے۔ اور رویت ایسا معاملہ ہے جس کا دار و مدار محسوسات پر ہے، جس میں کسی غیر کی شرکت کی حاجت نہیں ہوتی ہے۔“ [۱]

فضیلۃ الشیخ علامہ محمد صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اُس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ اس پر روزہ رکھنا لازم ہے، کچھ کہتے ہیں کہ اس پر روزہ اس بناء پر لازم نہیں ہے کہ ہلال تو وہ ہوتا کہ جس کے بارے میں لوگ آوازیں بلند کریں، اور جو لوگوں کے درمیان مشہور ہو جائے۔ یا محض غروب آفتاب کے بعد اس کے نظر آجانے سے ہی، خواہ لوگوں میں اس کی شہرت ہو یا نہ ہو، یہ ہلال کہلاتا ہے؟ جو چیز مجھ پر ظاہر ہوئی وہ یہ ہے کہ جو اسے دیکھے، اور اسے اپنی رویت کا یقین بھی ہو، مگر وہ کسی ایسے دور دراز مقام پر ہو کہ ہلال دیکھنے میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہ ہو، یا وہاں کسی نے اس کے ساتھ ہلال دیکھنے کی کوشش نہ کی ہو، تو اس پر روزہ رکھنا لازم ہے، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے عموم کی بناء پر: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [۲]، اور نبی ﷺ کے اس فرمان کی بناء پر بھی: 'اِذَا رَايْتُمُوهُ فَصُومُوا'۔ لیکن اگر وہ شہر میں ہو، اور اس نے محکمہ میں (یعنی قاضی کے سامنے) گواہی بھی دی ہو، مگر قاضی نے اس کی شہادت رد کر دی ہو، تو وہ اس حال میں خفیہ طور پر روزہ رکھے گا تا کہ اعلانیہ لوگوں کی مخالفت نہ ہو۔“ [۳]

شیخ محمد امین اثری رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ عنوان ”اس شخص کا حکم جس کی شہادت نہ مانی گئی ہو“ کے تحت فرماتے ہیں: ”اگر ایک شخص نے چاند دیکھا مگر کسی وجہ سے اس کی گواہی نہیں مانی گئی، تو دیکھنے والے کے حق میں تو چاند ہو ہی گیا۔ لہذا مہینہ رمضان کا ہو تو یہ اکیلا ہی روزہ رکھے۔ لیکن اگر اس حساب سے ۳۰ روزے پورے ہو جانے پر عید کا چاند نظر نہ آئے، تو اب یہ شخص تنہا عید نہیں کر سکتا۔ اسے چاہئے کہ وہ لوگوں کے ساتھ ایک دن کا روزہ اور رکھے، اور اگلے دن سب مسلمانوں کے ساتھ ہی عید کرے۔“ [۴]

اسی طرح شیخ عبدالعزیز الحمد المسلمان لکھتے ہیں: ”جس شخص نے تنہا ہلال رمضان

[۱]۔ فقہ السنۃ، کتاب الصوم (مترجم) ص ۱۸-۱۹ [۲]۔ البقرۃ: ۱۸۵ [۳]۔ [۴]۔ ثمانیۃ وأربعون سؤالاً فی الصیام اجاب علیہ فضیلۃ الشیخ، ص ۳۵-۳۶ [۳]۔ روزہ احکام و مسائل، ص ۴۴

دیکھا ہو، اور اس کی گواہی رد کر دی گئی ہو، تو اس پر روزہ کا لزوم، نیز طلاق اور عتق وغیرہ کے تمام احکام، جو اس ماہ کے ساتھ معلق ہوں، ان کا اطلاق ضروری ہے، جیسا کہ نبی ﷺ کے ارشاد: 'صوموا لرؤیتہ، وافطروا لرؤیتہ' کے عموم سے واضح ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ اسے چونکہ ماہ رمضان کے ہونے کا یقین ہو جاتا ہے، لہذا دوسرے انسانوں کے برخلاف اس پر روزہ، اور اس کے احکام کی پابندی لازم ہے۔ لیکن جس شخص نے تہاء شوال کا ہلال دیکھا ہو تو وہ روزہ نہیں کھولے گا، کیونکہ حدیث میں عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: 'الفطر یوم یفطر الناس، والأضحیٰ یوم یضحی الناس'۔ [۱] اور "سنن ابو داؤد" و "سنن ابن ماجہ" میں ہے کہ: 'الفطر یوم یفطرون الناس، والأضحیٰ یوم یضحون'۔ (پھر امام ابن قدامہؒ کا منقولہ بالاقول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:) اور ابورجاء نے ابوقلابہ سے روایت کی ہے کہ: 'دو شخص مدینہ منورہ آئے، اور نہ ہی اسے اس طرح ڈراتے دھمکاتے'۔ [۲]

میں کہتا ہوں کہ ابوقلابہ سے مروی عمرؓ کا یہ اثر المصنف لعبد الرزاق [۳]، المحلی [۴] اور المغنی [۵] میں مذکور ہے۔

شیخ ابوبکر الجزائری حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "جو شخص ہلال رمضان دیکھ لے اس پر روزہ رکھنا واجب ہو جاتا ہے، خواہ اس کی شہادت قبول نہ ہوئی ہو۔ لیکن جو شخص ہلال شوال دیکھے تو وہ روزہ موقوف نہ کرے، کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: 'الصوم یوم تصومون، والفطر یوم تفترون، والأضحیٰ یوم تضحون'۔ [۶]

[۱]۔ رواہ الترمذی، وقال: حسن صحیح غریب
[۲]۔ ۱۳۶/۲ - ۱۳۷/۱
[۳]۔ المصنف لعبد الرزاق ۱۶۵/۳
[۴]۔ المحلی ۲۳۸/۶
[۵]۔
[۶]۔ منهاج المسلم ص ۳۹۳
المغنی ۱۶۰/۳

اُس شخص کا حکم جو کسی عادل سے رؤیتِ ہلال کی خبر سنے، مگر اس کی شہادت قبول نہ کی گئی ہو

امام غزالیؒ تہاء ہلال دیکھنے والے صرف اس شخص کے لئے ہی صوم کو واجب قرار نہیں دیتے جس کی شہادت رد کر دی گئی ہو، بلکہ ہر اس شخص پر روزہ کو لازم قرار دیتے ہیں جو کسی عادل (کی شہادت) کے قول کو سنے، اس کے قول کو درست جانے، اور اسے اس کے صدق کا ظن غالب ہو۔ اگرچہ قاضی نے اس کے قول کے مطابق فیصلہ نہ کیا ہو، کیونکہ ہر بندہ کو اپنی عبادات میں اپنے ظن کے بموجب اتباع کرنی چاہئے۔ فرماتے ہیں: ”ومن سمع عدلاً، ووثق بقوله، وغلب علی ظنہ صدقہ، لزم الصوم، وان لم يقض القاضي به، فليتبع كل عبد فی عبادتہ موجب ظنہ“۔ [۱]

اسی طرح امام ابنِ قدامہ المہدٰیؒ فرماتے ہیں کہ: ”اگر کوئی خبر دینے والا کسی شخص کو رؤیتِ ہلال کی خبر دے، اور وہ اس کے قول کو ثقہ جانے، تو اُس پر روزہ رکھنا لازم ہے، اگرچہ حاکم کے نزدیک اس خبر کی شہادت ثابت نہ ہو پائی ہو، کیونکہ وقتِ عبادت کے متعلق خبر میں خود خبر دینے والا، اور جن کو خبر دی جا رہی ہو، سبھی مشترک ہوتے ہیں۔ اس کی یہ خبر رسول اللہ ﷺ سے نقل کی جانے والی کسی حدیث کی روایت، یا نماز کا وقت شروع ہونے کی خبر کے مانند ہوتی ہے۔ اس چیز کو ابنِ عقیلؒ نے بیان کیا ہے، اور اس کا مقتضی یہ ہے کہ: اس پر خبر کو قبول کرنا لازم ہے، اگرچہ حاکم نے اس کی خبر کو رد ہی کر دیا ہو، کیونکہ حاکم کے لئے خبر دینے والے شخص کے کوائف سے لاعلمی کی بناء پر اس کی خبر کو رد کرنا جائز ہے، لیکن اس سے اس خبر کی عدم عدالت ثابت نہیں ہوتی۔ یہ ممکن ہے کہ حاکم اس شخص کی عدالت سے لاعلم ہو، مگر دوسرے لوگ اس کی عدالت سے واقف ہوں“۔ [۲]

[۱]۔ اسرار الصوم للغزالی، تحقیق د. محمد بن لطفی الصباغ ص ۱۵

[۲]۔ المغنی ۱۵۹/۳

جب دو شخصوں کو رویت ہلال ہو، مگر وہ شہادت نہ دیں، یا حاکم ان کی شہادت رد کر دے

اس بارے میں علامہ ابن قدامہ المقدسیؒ فرماتے ہیں کہ: ”اگر دو شخص ہلال شوال دیکھیں، مگر حاکم کے پاس اس کی گواہی نہ دیں، تو جو ان کی شہادت سنے، اور ان کی عدالت سے واقف ہو، اس کے لئے روزہ فطر کرنا جائز ہے۔ اور خود ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے بھی ایک دوسرے کے قول کے مطابق فطر کرنا جائز ہے، کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ”وَإِذَا شَهِدَ اثْنَانِ فَصُومُوا، وَافْطَرُوا“۔ اور اگر وہ دونوں شخص حاکم کے پاس گواہی تو دیں، مگر حاکم ان کے احوال سے لاعلم ہونے کی بناء پر ان کی شہادت کو رد کر دے، تو جس کو ان کی عدالت کا علم ہو، اس کے لئے ان دونوں کے اقوال کے مطابق فطر کرنا جائز ہے۔ کیونکہ حاکم نے اپنے حکم کی وجہ سے ان کی شہادت کو رد نہیں کیا ہے، بلکہ اپنے عدم علم کی بناء پر فیصلہ کرنے سے توقف کیا ہے۔ پس اس کا یہ توقف دلیل قائم ہونے کے انتظار میں حکم جاری کرنے سے رُکے رہنے کے مثل ہے۔ لہذا اگر اس توقف کے بعد حاکم کے نزدیک ان دونوں کی عدالت ثابت ہو جائے تو وہ اس کا حکم جاری کر سکتا ہے۔ اگر ان دونوں افراد میں سے کوئی اپنے دوسرے ساتھی کی عدالت سے واقف نہ ہو تو ایسی صورت میں اس کے لئے فطر کرنا جائز نہیں ہے، الا یہ کہ حاکم اس کا حکم جاری کر دے، کیونکہ وہ اپنی تنہا رویت کی بناء پر روزہ کو موقوف نہیں کر سکتا ہے۔“ [۱]

روزہ اور عید سواوا عظیم کے ساتھ ہی ہے

اوپر ابو ہریرہؓ اور عائشہؓ کی جن احادیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ عن ابی ہریرۃ أن النبی ﷺ قال: "الصَّوْمُ يَوْمٌ تَصُومُونَ، وَالْفِطْرُ يَوْمٌ تُفْطِرُونَ، وَالْأَضْحَى يَوْمٌ تُصَحُّونَ"۔ [۱] (ترجمہ: روزہ اسی دن ہے جب تم سب روزہ رکھتے ہو، افطار اسی دن ہے جب تم سب افطار کرتے ہو، اور قربانی اسی دن ہے جب تم سب قربانی کرتے ہو)

امام ابویسٰی الترمذیؒ نے حدیث المقبری عن ابی ہریرہؓ کو "حدیث حسن غریب" قرار دیا ہے۔ امام دارقطنیؒ، امام ابوداؤدؒ اور امام منذریؒ نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے [۲]، علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں: "رجال اسنادہ ثقات"۔ [۳]، اور علامہ محمد ناصر الدین الالبانیؒ فرماتے ہیں: "اسنادہ حسن، رجالہ کلہم ثقات، معروفون، وفی عثمان بن محمد، وهو ابن المغیرۃ بن الأحنس، کلام یسیر، لا ینزل حدیثہ عن رتبۃ الحسن، الخ"۔ [۴]، لیکن حدیث محمد بن المنکدر عن ابی ہریرہؓ کے متعلق علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اسناد هذا الحديث صحيح، وكذا ما بعده"۔ [۵]، حالانکہ علامہ عظیم آبادی رحمہ اللہ ہی فرماتے ہیں کہ: "وابن المنکدر لم یسمع من ابی ہریرۃ"۔ [۶]، اسی طرح "البدر المنیر" میں بھی مذکور ہے کہ: "ابن المنکدر لم یسمع من ابی ہریرۃ، ولم یلقہ، قالہ ابن معین وابوزرعۃ، آتئی"۔ [۷]، علامہ محمد بن ناصر

[۱]۔ أخرجه الترمذی مع التحفة ۳۷۲/۳ والبغوی فی "شرح السنة" ۲۳۷/۶-۲۳۸
والدارقطنی مع التعليق ۱۶۳/۲ من حدیث المقبری عن ابی ہریرۃ وأخرجه ابوداؤد مع
العون ۲۶۹/۲ والدارقطنی مع التعليق ۱۶۳/۲، ۲۲۵-۲۲۴/۲، والبیہقی
۲۵۲-۲۵۱/۳ من حدیث محمد بن المنکدر عن ابی ہریرۃ وأخرجه ابن ماجہ (۱۶۶۰)
من حدیث محمد بن سیرین عن ابی ہریرۃ [۲]۔ کذا فی النیل ۶۱۳/۲ والتحفة
۳۷۲/۳ [۳]۔ نیل الأوطار ۶۱۳/۲ [۴]۔ إرواء الغلیل ۱۳/۳ [۵]۔ التعليق
المغنی ۲۲۳/۲ [۶]۔ التعليق المغنی ۲۲۳/۲ [۷]۔ کذا فی عون المعبود ۲۶۹/۲

الدين الالبائي بھی فرماتے ہیں کہ: ”فالسند صحيح، لولا أنه منقطع، فإن ابن المنكدر لم يسمع مسند أبي هريرة، كما قال البزار وغيره“۔ [۱]

لیکن میں کہتا ہوں کہ علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ نے ایک اور مقام پر یہ احتمال ظاہر کیا ہے کہ: ”امام ترمذی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ ابن المنکدر کو عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع ہے۔ پس اگر ان کا عائشہ سے سماع ثابت ہو جائے، تو ممکن ہے کہ انہیں ابو ہریرہ سے بھی سماع حاصل ہو، کیونکہ وہ عائشہ کے بعد فوت ہوئے تھے“۔ [۲]، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ”الْفِطْرُ يَوْمٌ يُفِطِرُ النَّاسُ، وَالْأَضْحَى يَوْمٌ يُضْحِي النَّاسُ“۔ [۳]

امام ترمذی فرماتے ہیں: ”وهذا حديث حسن غريب صحيح من هذا الوجه“۔ [۴]، امام بیہقی کا قول ہے: ”ومحمد بن المنكدر عن عائشة مرسل“۔ [۵] لیکن امام ترمذی نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ: ”سألت محمداً، قلت له: محمد بن المنكدر سمع من عائشة؟ قال: نعم، يقول في حديثه: سمعت عائشة“۔ [۶] (ترجمہ: میں نے محمد (یعنی امام بخاری) سے پوچھا کہ: کیا محمد بن المنکدر کو عائشہ سے سماع ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: ہاں، وہ اپنی حدیثوں میں کہتا ہے: سمعت عائشة یعنی میں نے عائشہ سے سنا ہے)، علامہ محمد بن ناصر الدین الالبائی نے عائشہ کی اس حدیث کو دو وجہوں کے باعث ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔ [۷]، لیکن میں کہتا ہوں کہ ابو ہریرہ کی مذکورہ بالا حدیث اس کے لئے شاہد ہے۔ واضح رہے کہ امام شافعی نے بھی اپنی ”مسند“ میں اس کو عن عطاء مرسل روایت کیا ہے۔ [۸]۔ حافظ ابن حجر کا قول ہے کہ: ”صوب الدارقطني وقفه في العلل“۔

[۱]۔ إرواء الغلیل ۱۱/۳ [۲]۔ التعليق المغنی ۲۲۵/۲ [۳]۔ أخرجه الترمذی مع التحفة ۷۱/۲ والبغوي في ”شرح السنة“ ۲۳۷/۲ والدارقطني مع التعليق ۲۲۵/۲ من حديث معمر عن محمد بن المنكدر عن عائشة، وأخرجه الشافعي في ”مسنده“ ۱۶۸/۱ من طريق إبراهيم بن محمد عن عبد الله بن عطاء بن إبراهيم، مولى صفية بنت عبد المطلب، عن عروة بن الزبير عن عائشة [۴]۔ جامع الترمذی مع التحفة ۷۱/۲، وكذا في التعليق المغنی ۲۲۵/۲ [۵]۔ كذا في التعليق المغنی ۲۲۵/۲ [۶]۔ جامع الترمذی مع التحفة ۷۱/۲ [۷]۔ إرواء الغلیل ۱۲/۳ [۸]۔ كذا في التعليق المغنی ۲۲۵/۲

[۱]۔ علامہ شوکانی اور علامہ محدث مبارکپوری نے بھی امام دارقطنیؒ کے قول کی تصویب فرمائی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: ”واخرجه الدارقطني. أيضاً، وقال: وقفه عليها، هو الصواب“۔ [۲]

خلاصہ بحث بقول علامہ محمد ناصر الدین اللہ البانیؒ یہ کہ: ”ان الحديث بمجموع طرقه صحيح، إن شاء الله“۔ [۳]

امام ترمذی ابو ہریرہؓ کی زیر بحث حدیث کے معانی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”وفسر بعض أهل العلم هذا الحديث، فقال: إنما معنى هذا (أن) الصوم والافطار مع الجماعة وعظم الناس“۔ [۴] (ترجمہ: بعض اہل علم نے اس حدیث کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ روزہ اور فطر (مسلمانوں) کی جماعت اور لوگوں کی اکثریت (یعنی سواۃ اعظم) کے ساتھ ہے)، یعنی اگر تمام مسلمان، یا ان کی اکثریت، رؤسہ ہلال کے فیصلہ پر متفق ہو جائے تو باقی لوگوں کو ان کی مخالفت نہیں کرنی چاہئے۔ وہ ان کے ساتھ روزہ رکھیں، اور ان کے ساتھ ہی عید منائیں۔

علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ امام ترمذیؒ کے اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”یعنی اللہ کے نزدیک روزہ اور فطر وہی مقبول ہے جو مذکور بالا صفت کے ساتھ ہو“۔ [۵]

ابو ہریرہؓ وعائشہؓ کی اوپر پیش کی جانے والی حدیثوں کے متعلق ”سبل السلام“ میں مذکور ہے: ”فيه دليل على انه يعتبر في ثبوت العيد الموافقة للناس، وان المنفرد بمعرفة يوم العيد بالرؤية يجب عليه موافقة غيره، ويلزمه حكمهم في الصلوة والافطار والاضحية، انهم“۔ [۶]

امام منذریؒ اس حدیث کے متعلق ”تلخیص السنن“ میں لکھتے ہیں: ”بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ: اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یوم شک میں احتیاطاً روزہ نہ رکھا جائے،

[۱]۔ کذا فی التعلیق المغنی ۲/۲۲۵ [۲]۔ نیل الأوطار ۲/۱۳، تحفة الأحوذی ۳۷۲ [۳]۔ إرواء الغلیل ۱۳/۳ [۴]۔ جامع الترمذی مع التحفة ۳/۳۷۲، شرح السنة ۶/۲۳۸، عون المعبود ۲/۲۶۹، نیل الأوطار ۲/۶۱۳ [۵]۔ عون المعبود ۲/۲۶۹ [۶]۔ کذا فی تحفة الأحوذی ۷۱/۲

بلکہ اس دن روزہ رکھا جائے جس دن کہ تمام لوگ روزہ رکھیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ: اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ جو شخص چاند کی منازل کے حساب کی مدد سے ہلال کا اندازہ کر کے اس کا طلوع ہونا جان جائے، اس کے لئے اس سے روزہ رکھنا اور فطر کرنا جائز ہے، مگر جو اسے نہیں جانتے ان کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ: اگر کوئی شخص تنہا ہلال دیکھے، مگر قاضی اس کی شہادت کے مطابق فیصلہ نہ کرے، تو جس طرح دوسرے تمام لوگوں کے لئے وہ روزہ کا دن نہیں ہوتا، اسی طرح اس تنہا شاہد کے لئے بھی وہ روزہ کا دن نہ ہوگا، انتہی۔“

[۱]

امام منذریؒ کا مندرجہ بالا قول نقل کرنے کے بعد امام شوکانیؒ فرماتے ہیں: ”محمد بن حسن الشیبائیؒ اس آخری بات کی طرف گئے ہیں، اور کہتے ہیں کہ: جس شخص کو تنہا مہینہ کے ہلال کی رویت ہوئی ہو، اس پر بھی لوگوں کے (اجتماعی) روزہ اور حج کا حکم ہی متعین ہوگا، اگرچہ یہ حکم اس چیز کے خلاف ہی ہو جس کا کہ اس کو یقین ہے۔ عطاء اور حسنؒ سے بھی اسی قول کے مثل مروی ہے۔ لیکن جمہور نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے، چنانچہ کہتے ہیں کہ: جس چیز کا ابے یقین ہے، اس پر اسی کا حکم متعین ہوگا۔ (پھر جو کچھ امام خطابیؒ نے ذکر کیا ہے اسی کے مثل اس حدیث کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ امام خطابیؒ کا یہ قول آگے عنوان ”اگر لوگوں کو رویت ہلال میں غلطی واقع ہو جائے“ کے تحت بیان کیا جائے گا، واللہ التوفیق)۔ اس حدیث کے معانی میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ: یہ اس بات کی خبر دیتی ہے کہ لوگ گروہ بندی سے کام لیتے، اور ہر ہدایت طریقہ نبویؐ کی مخالفت کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک گروہ حساب سے کام لیتا ہے، اور لوگوں میں سے ایک امت اسی پر قائم ہے۔ ایک گروہ روزہ اور وقف عرفہ کو مقدم کرتا، اور اسی کو شعار بنا لیتا ہے۔ یہ لوگ باطنیہ فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں، اور باقی لوگ ہدایت نبویؐ پر قائم ہیں۔ یہ فرقہ وہ ہے جو ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔ حدیث میں وارد لفظ: ”الناس“ (لوگوں) سے مراد یہی فرقہ ہے، اور یہی سواد اعظم ہے، اگرچہ عددًا قلیل ہی ہو۔“ [۲]

[۱]۔ کذا فی عون المعبود ۲/۲۶۹، تحفۃ الأحوذی ۲/۳۷۲، نیل الأوطار ۲/۲۱۴

[۲]۔ نیل الأوطار ۲/۲۱۴، تحفۃ الأحوذی ۲/۳۷۲

دن میں نظر آنے والے ہلال کا حکم

دن میں دکھائی دینے والے ہلال کے متعلق بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ”اگر یہ زوال سے پہلے دکھائی دے تو وہ گزشتہ رات کا مانا جائے گا۔ چنانچہ اگر یہ ہلال رمضان کا ہو تو اس دن روزہ رکھ لینا چاہئے، اور اگر شوال کا ہو تو جلد سے جلد افطار کر لینا چاہئے۔ اگر ہلال بعد زوال دیکھا گیا تو آئندہ رات کا تصور کیا جائے گا، چنانچہ اس طرح دکھائی دینے والا ہلال اگر ماہ رمضان کا ہو تو اس دن روزہ نہیں رکھنا چاہئے۔ اور اگر شوال کا ہو تو افطار نہیں کرنا چاہئے، بلکہ شام تک روزہ پورا کر لینا ضروری ہے۔“ [۱]

اس بارے میں امام احمدؒ انس رضی اللہ عنہ کے متعلق بطریق اسماعیل بن ابراہیم حدیثنا یحییٰ بن ابی اسحاق بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ”میں نے ظہر کے وقت، یا اس کے آس پاس ہلال دیکھا۔ پس لوگوں میں سے ایک شخص نے روزہ افطار کر لیا۔ پھر ہم انس بن مالکؓ کے پاس آئے، اور ہم نے انہیں روایت ہلال کی خبر دی، اور جس شخص نے روزہ افطار لیا تھا اس کے بارے میں بھی بتایا۔ آپ نے فرمایا: آج میرے لئے ۳۱ دن پورے ہو رہے ہیں، اور وہ اس طرح کہ حکم بن ایوب نے لوگوں کے روزہ شروع کرنے سے پہلے مجھے پیغام بھیجا تھا کہ میں اگلی کل روزہ دار ہوں گا۔ پس مجھے ان کے خلاف عمل کرنا ناپسند ہوا، لہذا میں نے بھی روزہ رکھ لیا، اور آج کے دن بھی میں رات تک (اپنا روزہ) پورا کروں گا۔“

[۲]

اور ابن مسعودؓ کے متعلق مروی ہے کہ: ”ایک دفعہ دن کے وقت شوال کا ہلال دیکھا گیا تو ابن مسعودؓ نے اس دن کا روزہ نہیں توڑا، لیکن اگلے دن آپ نے عید کی نماز کے لئے عید گاہ کا رخ کیا تھا۔“ [۳]

[۱]۔ کذا فی ”روزہ - احکام و مسائل“، ص ۴۵ [۲]۔ کذا فی زاد المعاد ۴/۲۲ [۳]۔ المصنف

امام مالکؒ بیان کرتے ہیں کہ: ”انہیں یہ خبر پہنچی ہے کہ عثمان بن عفانؓ کے دورِ خلافت میں ہلالِ نوسرِ شام ہی دیکھا گیا، لیکن انہوں نے اس وقت تک روزہ نہیں کھولا جب تک کہ شام نہ ہوگئی، اور سورج غروب نہ ہو گیا۔“ [۱]

اور علی بن ابی طالبؓ کا قول ہے کہ: ”جب تم ابتدائے نہار میں ہلال دیکھو تو روزہ چھوڑ دو، لیکن انتہائے نہار میں ہلال نظر آنے پر روزہ نہ چھوڑو، کیونکہ اس سے سورج ہٹ جاتا ہے۔“ [۲]

اور امام بیہقیؒ نے باسناد صحیح عن سالم بن عبد اللہ بن عمر روایت کی ہے کہ: ”لوگوں نے دن میں ہلالِ فطر دیکھا، لیکن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنا روزہ رات تک پورا کیا، اور کہا: ’لا حتیٰ یری من حیث یرونہ باللیل‘۔ ابن عمر ہی سے ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں: ’لا یصلح ان یفطروا حتیٰ یروہ لیلاً من حیث یری‘۔

امام بغویؒ کا قول ہے کہ: ”اگر لوگ دن میں ہلال دیکھیں تو وہ مستقبل کی رات کا ہے، خواہ انہوں نے اسے زوال سے قبل دیکھا ہو یا بعد میں، اور وہ دن گزشتہ ماہ کا شمار ہوگا۔“ [۳]

یہی بیان کرتے ہیں کہ: ”میں نے امام مالکؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص دن کے وقت شوال کا ہلال دیکھے تو وہ افطار نہ کرے، بلکہ اس دن کا روزہ مکمل کرے، کیونکہ یہ ہلال آنے والی رات کا ہے۔“ [۴]

علامہ ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اگر دن میں ہلال دکھائی دے، خواہ زوال سے قبل ہو یا زوال کے بعد، تو وہ آنے والی رات کا ہے۔ امام احمدؒ سے جو روایت مشہور ہے وہ یہ ہے کہ: اگر ماہ رمضان کے آخر میں دن کے وقت ہلال دکھائی دے، خواہ زوال سے قبل ہو یا زوال کے بعد، تو اس ہلال کی رویت پر روزہ نہ افطارا جائے۔ عمر ابن الخطابؓ، ابن مسعودؓ، ابن عمرؓ اور انس رضی اللہ عنہم، نیز امام اوزاعیؒ، امام مالکؒ، امام لیثؒ، امام شافعیؒ، امام اسحاقؒ اور امام ابو

[۱] - مؤطا الامام مالک مع شرح الزرقانی ۱۵۵/۲ [۲] - المصنف لعبد الرزاق ۱۶۳/۴

المصنف لابن ابی شیبہ ۱۱۷/۱، مسند زید بن علی ۸۵/۳، المحلی ۲۳۹/۶، کنز العمال (۲۳۳۰۴) [۳] - شرح السنة ۲۳۹/۶ [۴] - مؤطا الامام مالک مع شرح الزرقانی

حنیفہ رحمہ اللہ کا قول بھی یہی ہے۔ امام ثوری اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ: اگر زوال سے قبل ہلال نظر آئے تو وہ گزشتہ شب کا ہے، اور اگر زوال کے بعد نظر آئے تو آئندہ شب کا ہے۔ یہ چیز عثر سے بھی مروی ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: 'صوموا لرؤیتہ، وافطروا لرؤیتہ'۔ اس کی روایت سعیدؒ نے کی ہے۔ انہوں نے یہ روایت بھی کی ہے کہ: 'پس صوم و فطر واجب ہے، چونکہ جو ہلال زوال سے قبل ہو، تو وہ گزشتہ شب سے قریب تر ہوتا ہے'۔ یہ روایت امام احمدؒ سے بھی حکایت کی گئی ہے۔ ہمارے نزدیک ابو وائل کی (اسی عنوان کے تحت آگے بیان کی جانے والی) روایت اور صحابہ میں سے ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ کے اقوال جہت ہیں۔ اور ان کی اخبار اس پر محمول ہیں کہ جب زوال کے بعد، یعنی سر شام، ہلال دکھائی دے۔ پھر یہ خبر اگلے دن کے روزہ اور فطر کی متقاضی بھی ہے۔ پس اگر یہ روایت ابتدائے رمضان میں ہو تو بھی یہی صحیح ہے کہ وہ ہلال اگلی شب کا ہے۔ یہ قول امام مالک، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ کا ہے۔ لیکن ایک دوسری روایت میں امام احمدؒ سے اس طرح مروی ہے کہ: وہ ہلال گزشتہ شب کا ہے، لہذا احتیاطاً للعبادة قضاء کے ساتھ اس دن کے بقیہ حصہ کا امساک (کھانے پینے سے زکے رہنا) بھی لازم ہے۔ لیکن آپ کا پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے، کیونکہ جو ہلال ماہ رمضان کے آخر میں نماز عصر کے بعد نظر آنے پر آئندہ شب کا ہوتا ہے، وہی ہلال اس ماہ کی ابتداء میں بھی آئندہ شب کا ہونا چاہئے۔ [۱]

علامہ ابن رشدؒ نے بھی اس بارے میں کافی تفصیل سے بحث کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ: "وقت رویت کے اعتبار کے سلسلہ میں علماء کے مابین اختلاف ہے، لیکن وہ اس بات پر متفق ہیں کہ اگر ہلال زوال آفتاب کے بعد (یعنی شام) میں نظر آجائے تو نئے مہینہ کی ابتداء دوسرے دن سے ہوگی۔ لیکن اس بارے میں ان کے درمیان اختلاف باقی ہے کہ اگر چاند دن کے تمام اوقات میں نظر آتا رہے، یعنی قبل اور بعد از زوال آفتاب، تو جمہور کا مذہب یہ ہے کہ جو چاند دن کے اول وقت (یعنی قبل از زوال) نظر آئے، تو اس کا حکم بھی شام میں نظر آنے والے چاند ہی کی طرح اگلے دن کا ہے۔ یہ قول امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام ابو حنیفہؒ اور ان کے جمہور

اصحاب کا ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ کے اصحاب میں سے امام ابو یوسفؒ، نیز امام ثوریؒ اور امام مالکؒ کے اصحاب میں سے امام ابن حبیبؒ کا قول ہے کہ: اگر ہلال زوال سے قبل نظر آئے تو وہ گزشتہ رات کا ہے، اور اگر زوال کے بعد نظر آئے تو آنے والی شب کا ہے۔ ان فقہاء کے درمیان اس اختلاف کا سبب، تجربہ اور سمیل تجربہ کو غیر معتبر سمجھتے ہوئے انہیں چھوڑ کر، اس بارے میں وارد اخبار کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اس بارے میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کوئی قابل رجوع اثر وارد نہیں ہے، البتہ عمرؓ سے دواثر مروی ہیں، جن میں سے ایک عام، اور دوسرا مفسر ہے۔ ایک جماعت عام کی طرف گئی ہے، اور دوسری مفسر کی طرف۔ عام اثر بطریق اعمش عن ابی وائل شقیق بن سلمہ اس طرح مروی ہے: ہمارے پاس عمر بن خطابؓ کا فرمان پہنچا، جب کہ ہم خاقین نامی شہر میں تھے، کہ: ان الأہلۃ بعضہا اکبر من بعض، فاذا رأیتم الهلال نہاراً، فلا تفطروا، حتی یشہد رجلاً: انہما رایاہ بالأمس۔ (ترجمہ: بعض (ماہ کا) ہلال دوسرے (ماہ کے) ہلال سے بڑا ہوتا ہے۔ پس اگر تم دن میں ہلال دیکھو تو روزہ موقوف نہ کرو یہاں تک کہ دو شخص یہ گواہی دیں کہ انہوں نے اسے کل دیکھا تھا)، اور خاص اثر کی روایت امام ثوریؒ نے اس طرح کی ہے، بیان کرتے ہیں کہ: 'عمر بن الخطابؓ کے پاس یہ خبر پہنچی کہ ایک جماعت نے زوال کے بعد ہلال دیکھا، اور روزہ افطار لیا (موقوف کر دیا)۔ پس عمرؓ نے ان کو ملامت کرتے ہوئے یہ حکم لکھ بھیجا کہ: اذا رأیتم الهلال نہاراً قبل الزوال، فافطروا، واذا رأیتموہ بعد الزوال، فلا تفطروا۔' (ترجمہ: اگر تم زوال سے قبل ہلال دیکھو تو روزہ افطار لو، لیکن اگر زوال کے بعد ہلال دیکھو تو نہ افطارو)۔ قاضی فرماتے ہیں کہ: قیاس و تجربہ اس بات کا متقاضی ہے کہ اگر سورج غائب نہ ہو تو چاند بھی نظر نہ آئے، ورنہ یہ چیز بعید از قیاس ہوگی، یا پھر اس وقت اسے قوس رؤیت سے بڑا ہونا چاہئے۔ اور اگر چاند بڑائی یا چھوٹائی میں مختلف ہوتا ہو، تو یہ چیز بھی بعید ہے کہ وہ سائر میں اتنا بڑا ہو جائے کہ سورج غروب نہ ہو تب بھی نظر آنے لگے، اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن اس بارے میں تجربہ قابل اعتماد ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے اور وہ یہ کہ اس بارے میں قبل یا بعد از زوال کے مابین کوئی فرق نہیں ہے، نیز جو چیز معتبر ہے وہ سورج کا چھپنا یا نہ چھپنا ہے۔' [۱]

اس بارے میں علامہ زرقانیؒ اور ابن حجر عسقلانیؒ وغیرہ کا قول اوپر ”ماہ رمضان کے آغاز و اختتام میں رویتِ ہلال کا اعتبار، اور تقدیم کی ممانعت“ کے زیرِ عنوان گزر چکا ہے، فرماتے ہیں کہ: ”رویتِ ہلال، خواہ دن میں ہو یا رات میں، اس سے روزہ واجب ہو جائے گا، اور یہ رویت اگلے دن کے روزہ پر محمول ہوگی۔ بعض علماء نے زوال سے قبل، اور زوال کے بعد ہونے والی رویت کے درمیان فرق کیا ہے۔ لیکن شیعہ نے اجماع سے اختلاف کرتے ہوئے اس کو مطلقاً واجب قرار دیا ہے۔“ [۱]

علامہ زرقانیؒ مزید فرماتے ہیں کہ: ”اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ زوال کے بعد ہونے والی رویت آنے والی شب کے ہلال کی ہوتی ہے۔ اور اگر یہ زوال سے قبل ہو تو جمہور کے نزدیک یہ بھی ابی وائل کی حدیث کی بناء پر اسی طرح ہے (پھر ابی وائل کی حدیث نقل کرتے ہیں)۔ لیکن امام ثوری، ابن وہب، ابو یوسف اور ابن حبیب رحمہم اللہ نے اسے نفعی سے مروی عمرؓ کے اثر کی بناء پر گزشتہ شب کا ہلال بتایا ہے (پھر ابراہیم نفعیؒ کی روایت کا تذکرہ کرتے ہیں، اور امام ابن عبد البرؒ سے اول الذکر اثر کی صحت اور ثانی الذکر اثر کا انقطاع نقل کرتے ہیں)۔“ [۲]

میں کہتا ہوں کہ ابو وائل کی مذکورہ بالا حدیث کی تفصیل ان شاء اللہ آگے عنوان ”اگر ہلال خلاف معمول بڑا نظر آئے، یا اتنی پر دیر تک موجود رہے، تو وہم میں پڑنا مناسب نہیں ہے“ کے تحت پیش کی جائے گی۔ جہاں تک عمرؓ کے دوسرے اثر کا تعلق ہے تو ابراہیم نفعیؒ نے اس کی روایت اس طرح کی ہے: ”عتبہ بن فرقد سواد میں تھے۔ لوگوں نے دن کے آخری حصہ میں ہلال دیکھ کر افطار کر لیا۔ جب عمرؓ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے انہیں لکھا: اگر ہلال دن کے ابتدائی حصہ میں نظر آئے تو وہ درحقیقت گزشتہ دن کا ہلال ہے، لہذا اس دن تم روزہ نہ رکھو۔ اور اگر ہلال دن کے آخری حصہ میں نظر آئے تو وہ ہلال دراصل آنے والے دن کا ہے، لہذا تم روزہ پورا کر لو۔“

[۳]

[۱]۔ شرح الزرقانی علی الموطأ ۱۵۳/۲ وفتح الباری ۱۲۱/۳ [۲]۔ شرح الزرقانی علی الموطأ ۱۵۵/۲-۱۵۶ [۳]۔ المصنف۔ لابن أبی شیبہ ۱۲/۱۲، المصنف لعبد الرزاق ۱۶۳/۳، سنن الکبریٰ للبیہقی ۲۱۳۰/۳، المحلی ۲۳۹/۲، المجموع ۳۰۰/۲، التفسیر للقرطبی ۳۰۳/۲، کنز العمال (۲۳۳۰۰)

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے، کیونکہ ابراہیم نخعیؒ نہ تو عمرؓ سے ملے ہیں، اور نہ ہی انہوں نے عمرؓ کا زمانہ پایا تھا۔ [۱]، علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں کہ: ”امام ابن عبد البرؒ کا قول ہے کہ یہ روایت منقطع ہے، کیونکہ نخعیؒ نے عمرؓ کو نہیں پایا تھا۔ اور امام الباجیؒ کہتے ہیں کہ نخعیؒ سے اس کو روایت کرنے والے رواۃ مجہول ہیں۔“ [۲]، اس بارے میں میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن رشدؒ کا یہ فرمانا کسی حد تک درست ہے کہ قبل یا بعد از زوال نظر آنے والے ہلال کے حکم کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی کوئی صریح حدیث وارد نہیں ہے، البتہ زوال کے بعد نظر آنے والے ہلال کے متعلق بطریق ربعی بن حراش عن رجل من اصحاب النبی ﷺ مروی ہے کہ:

”قال: اختلف الناس فی آخر یوم من رمضان، فقدم اعرابیان، فشهدا عند النبی ﷺ باللہ لأهل الهلال أمس عشية، فامر رسول اللہ ﷺ الناس أن یفطروا۔“ [۳] (ترجمہ: رمضان کے آخری دن کے متعلق لوگوں نے اختلاف کیا۔ پھر دو اعرابی نبی ﷺ کے پاس آئے، اور انہوں نے اللہ کی قسم کے ساتھ شہادت دی کہ انہوں نے کل شام ہلال دیکھا تھا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو روزہ افطار کرنے کا حکم دیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: کل صبح وہ عید گاہ بھی جائیں)

واضح رہے کہ علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ اس حدیث میں وارد لفظ: ”عشية“ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: ”دن کا وہ حصہ جو زوال آفتاب سے غروب آفتاب کے مابین ہوتا ہے، جسے فارسی میں شام کا وقت کہتے ہیں۔“ [۴] اور علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں: ”یہ زوال کے بعد سے دن کے آخر تک کا دورانیہ ہے۔“ [۵]

امام دارقطنیؒ کی ایک اور روایت میں ربعی بن حراش ہی سے شام کے وقت (عشية) کی تصریح کے بغیر مروی ہے کہ: ”ان النبی ﷺ أصبح صائماً، لتمام الثلاثین من رمضان، فجاء اعرابیان، فشهدا: أن لا إله إلا الله، وإنهما أهلاه بالأمس،

[۱]۔ انظر شرح المہذب ۲/۲۷۶۔ ۲۸۰ [۲]۔ شرح الزرقانی علی الموطا ۲/۱۵۶

[۳]۔ رواہ أحمد ۵/۳۶۲ وابو داود مع العون ۲/۲۷۳۔ ۲۷۴، وزاد فی رواية: وأن یغدوا إلی مصلاهم، ورواہ الدارقطنی مع التعلیق ۲/۱۶۹، وقال: هذا إسناد حسن ثابت [۴]۔

عون المعبود ۲/۲۷۳ [۵]۔ شرح الزرقانی علی الموطا ۲/۱۵۵

فأمرهم، فأفطروا“ - [١]

[١] - رواه الدارقطني ١٦٨/٢، وقال: هذا صحيح

دن میں رویتِ ہلال ثابت ہو جانے کی صورت میں روزہ اور عیدین کا حکم

شیخ محمد امین اثری رحمانی مبارکپوریؒ فرماتے ہیں: ”عید کے دن ہرگز روزہ نہیں رکھنا چاہئے، کیونکہ اس دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ چنانچہ اگر رمضان کی انتیس تاریخ کو چاند نہ دیکھا جاسکا، اور اس لئے اگلے دن رمضان کی تیس تاریخ سمجھتے ہوئے روزہ رکھ لیا گیا، پھر دن ہی میں کسی معتبر ذریعہ سے معلوم ہو گیا کہ کل چاند ہو گیا ہے، تو سب کو روزہ توڑ دینا چاہئے، اگر چہ دن کے ختم ہونے میں چند سیکنڈ ہی کیوں نہ رہ گئے ہوں۔ نیز چاند کی خبر ملتے وقت اگر عید کی نماز کا وقت نکل نہ گیا ہو، اور لوگ جمع ہو سکتے ہوں، تو اسی دن عید کی نماز بھی پڑھ لی جائے گی، اور اگر اتنا موقع نہ ہو تو اگلے دن نماز ادا کریں۔“ [۱]

عثمان بن عفانؓ کے متعلق مروی ہے کہ: ”ان کے دور میں ایک موقع پر شوال کا ہلال نظر آنے کی شہادت دن کے وقت ہم پہنچی، جس کے نتیجے میں کئی لوگوں نے اپنے روزے افطار لئے۔ جب عثمانؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے مسجد میں کھڑے ہو کر لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ: جہاں تک میرا تعلق ہے، تو میں اپنے روزہ کو رات تک پورا کروں گا۔“ [۲]

اور علی بن ابی طالبؓ کے متعلق مروی ہے کہ: ”کچھ لوگوں نے علیؓ کے پاس آ کر شہادت دی کہ انہوں نے ہلال دیکھ کر روزہ شروع کیا تھا، اور پورے تیس روزے رکھے تھے۔ علیؓ نے کہا کہ: ہم نے تو صرف اٹھائیس ہی روزے رکھے ہیں۔ پھر آپؓ نے ان لوگوں کے ہاتھ پر قرآن مجید رکھ کر یہ حلف لیا کہ ہم اللہ اور قرآن مجید کی آیات کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم نے جھوٹ نہیں بولا ہے۔ جب انہوں نے یہ حلف اٹھالیا، تو آپؓ نے لوگوں کو روزہ ختم کرنے کا حکم دیا، نیز اگلے دن عید کی نماز ادا کرنے، اور ایک دن کا روزہ قضاء کرنے کا حکم بھی جاری کیا۔ آپؓ

نے اگلے دن عید کا حکم اس لئے دیا تھا کہ ان شاہدوں نے آپ کے پاس زوال کے بعد آ کر یہ گواہی دی تھی۔ [۱]

یہ بیان کرتے ہیں کہ: ”میں نے امام مالکؒ سے سنا ہے کہ جب لوگ عید کے دن یہ سمجھ کر روزہ رکھے ہوئے ہوں کہ یہ رمضان کا دن ہے، پھر کوئی قابل اعتماد شخص آ کر ان کو یہ بتائے کہ رمضان کا ہلال ان کے روزہ رکھنے سے ایک دن پہلے دیکھا گیا تھا، اور یہ کہ آج اکتیسواں دن ہے، تو جس گھڑی یہ خبر ان کو پہنچے وہ روزہ کھول لیں۔ اگر ان کو یہ خبر زوال کے بعد ملی ہو تو وہ عید کی نماز نہیں پڑھیں گے۔“ [۲]

زوال کے بعد خبر ملنے کی صورت میں عید کی نماز نہ پڑھنے کے بارے میں علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں کہ: ”عید کی نماز کا وقت نکل جانے کی وجہ سے لوگ نہ اس دن نماز پڑھیں گے، اور نہ اگلے دن۔ اگر وہ اس کی قضاء کریں تو یہ فرائض کے ساتھ اس کی مشابہت ہوگی، حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ سنتوں کی قضاء نہیں کی جاتی۔ امام احمدؒ اور نسائیؒ وغیرہ میں جو روایت ہے اس کی بناء پر بعض علماء کہتے ہیں کہ لوگ عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں میں اس کی قضاء کریں گے (پھر نسائیؒ وغیرہ کی روایت کردہ حدیث نقل کرتے ہیں)۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ رحمہما اللہ سے اس بارے میں دو قول منقول ہیں۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ عید الفطر میں یہ نماز نہیں پڑھی جائے گی، کیونکہ یہ عید تو ایک ہی دن ہوتی ہے۔ لیکن عید الاضحیٰ کے موقع پر یہ نماز پڑھی جائے گی، کیونکہ اس عید کے تین دن ہوتے ہیں۔“ [۳]

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”اگر کوئی شخص تیسویں شعبان کی شب میں روایت ہونے کی شہادت دن میں مغرب تک دے، تو لوگوں پر باقی دن کا امساک ضروری ہے، خواہ یہ شہادت ایک ہی اقلیم کی ہو، یا دو مختلف اقلیموں کی۔“ [۴]

فضیلۃ الشیخ علامہ محمد صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”اگر لوگوں کو دن کے دوران ماہ رمضان کے شروع ہونے کا علم ہو، تو ان پر امساک واجب ہے۔ کیونکہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ دن رمضان کا ہے، تو ان پر اس دن کا امساک واجب ہو گیا۔ لیکن کیا ان پر اس دن کی

[۱]۔ مسند زید بن علی ۷/۳ [۲]۔ موطا الامام مالک مع شرح الزرقانی ۱۵۶/۲

[۳]۔ شرح الزرقانی علی الموطا ۱۵۶/۲ [۴]۔ مجموع فتاویٰ ۱۰۵/۲۵

قضاء بھی ضروری ہے؟ اس بارے میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے۔ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ ان کے لئے قضاء ضروری ہے، کیونکہ انہوں نے اس پہلے دن کے روزہ کی نیت نہیں کی تھی، بلکہ ان کے اس دن کا ایک جزء بغیر نیت ہی کے گزر گیا ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ: "انما الأعمال بالنیات، وانما لكل امریء ما نوى"۔ لیکن بعض اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ ان پر قضاء لازم نہیں ہے، کیونکہ وہ جہل (لاعلمی) کی وجہ سے مفطر تھے، اور جاہل (لاعلم) اپنے جہل کی بناء پر معذور ہوتا ہے۔ لیکن قضاء زیادہ محتاط، اور بری الذمہ ہونے کا بہتر ذریعہ ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "دع ما یروییک الی ما لا یرییک"۔ اور یہ صرف ایک دن ہی کی تو بات ہے جو کہ آسان ہے، اور اس میں کوئی زیادہ مشقت بھی نہیں، بلکہ راحت نفس اور اطمینان قلب ہے۔" [۱]

امام بغویؒ فرماتے ہیں: "وَمَنْ أَصْبَحَ يَوْمَ الشَّكِّ مُفْطَرًا، فَشَهِدَ الشَّهَادَةَ: أَنَّهُ مِنْ رَمَضَانَ، فَعَلِيهِ إِمْسَاكُ بَقِيَةِ النَّهَارِ، وَيَقْضَى يَوْمًا مَكَانَهُ، وَكَذَلِكَ مِنْ نَسِيِ النَّيَّةِ"۔ [۲] (ترجمہ: جو شخص یوم شک کی صبح اٹھے، پھر شہود گواہی دیں کہ آج رمضان ہے، تو اس پر باقی پورے دن امساک (کھانا پینا ترک) کرنا، اور اس دن کے بدلہ ایک دن کے روزہ کی قضاء کرنا ضروری ہے۔ یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جو (فرض) روزہ کی نیت کرنا بھول جائے)

آگے چل کر آں رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: "اگر لوگ تیسویں رمضان کی صبح روزہ دار ہوں، پھر دو شخص گزشتہ کل رؤیت ہلال ہونے کی شہادت دیں، تو حاکم لوگوں کو روزہ افطار کرنے کا حکم دے۔ اور اگر شہادت زوال سے قبل مل جائے تو لوگوں کے ساتھ عید کی نماز پڑھی بھی جائے۔ لیکن اگر شہادت زوال کے بعد ملے، تو اس بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ آیا اگلے دن لوگوں کے ساتھ عید کی نماز پڑھی جائے گی یا نہیں؟ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اگلے روز لوگوں کے ساتھ عید کی نماز پڑھی جائے۔ یہی قول امام اوزاعیؒ، امام ثوریؒ، امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کا، نیز امام شافعیؒ کے دو اقوال میں سے ایک ہے۔ ابوعمیر بن انس نے اصحاب رسول

[۱] ثمانية وأربعون سؤالاً في الصيام اجاب عليه فضيلة الشيخ، ص ۳۷-۳۸

[۲] -شرح السنة ۶/۲۴۲

اللہ ﷺ میں سے اپنے چچاؤں سے روایت کی ہے کہ: "ان رکباً جاؤا إلى النبی ﷺ، فشهدوا أنهم رأوا الهلال بالأمس، فأمرهم أن يفطروا، وإذا أصبحوا أن يغدوا إلى مصلاتهم" (ترجمہ: نبی ﷺ کے پاس کچھ سوار آئے، اور انہوں نے شہادت دی کہ کل انہوں نے ہلال دیکھا تھا، تو آپ ﷺ نے لوگوں کو روزہ کھولنے، اور اگلی صبح عید گاہ جانے کا حکم دیا)۔ لیکن ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ لوگ عید کی نماز نہ اس دن پڑھیں گے، اور نہ اگلے دن۔ یہ قول امام مالکؒ اور امام ابو ثورؒ کا، اور امام شافعیؒ کے دو اقوال میں سے ایک ہے، فرماتے ہیں کہ: کیونکہ یہ وہ عمل ہے جس کا وقت مقرر ہے۔ اگر اس کا وقت گزر جائے تو دوسرے اوقات میں اسے نہیں کیا جاسکتا ہے، مثال کے طور پر وقف عرفہ۔ لیکن پہلا مسلک اس بارے میں سنت ماثورہ کے باعث زیادہ صحیح ہے۔ [۱]

امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں: "اگر ہلال فطر بسبب ایر نظر نہ آئے، پھر اگلے دن زوال کے بعد اس کا علم ہو، تو لوگ آئندہ روز عید کی نماز پڑھیں۔ یہی حکم عید الاضحیٰ کے لئے بھی ہے۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ: عید کی نماز عید کے روز کے علاوہ نہیں پڑھی جائے گی۔ امام شافعیؒ سے دونوں مذہبوں کے مطابق اقوال منقول ہیں۔ (پھر امام ابن الجوزیؒ استدلال کے طور پر ابو عمیر بن انسؒ کی مذکورہ بالا حدیث پیش کرتے ہیں)۔ [۲]

میں کہتا ہوں کہ ابو عمیر بن انسؒ کی جس روایت کا اوپر تذکرہ آیا ہے اس کی تخریج امام احمدؒ نے اپنی "مسند" [۳] میں، امام ابو داؤدؒ نے اپنی "سنن" [۴] کی "کتاب الصلاة: باب إذا لم يخرج الإمام للعید من یومه، ینخرج من الغد" میں، امام نسائیؒ نے اپنی "سنن" [۵] میں "صلاة العیدین: باب الخروج إلى العیدین من الغد" کے تحت، امام ابن ماجہؒ نے اپنی "سنن" [۶] میں "الصیام: باب ماجاء فی الشهادة علی رؤية الهلال" کے تحت، امام دارقطنیؒ نے اپنی "سنن" [۷] میں دو مختلف اسانید کے ساتھ، امام طحاویؒ نے "شرح معانی الآثار" [۸] میں، امام ابن حبانؒ نے اپنی "صحیح" [۹] میں، امام بیہقیؒ

[۱]۔ شرح السنة ۲۴۹/۶-۲۵۰ [۲]۔ التحقیق فی احادیث الخلاف ۵۱۴/۱ [۳]۔

مسند احمد ۲۴۹/۳ [۴]۔ سنن أبی داود مع العون ۴۵۰-۴۴۹/۱ [۵]۔ سنن

النسائی ۱۸۰/۳ [۶]۔ سنن ابن ماجہ (۱۶۵۳) [۷]۔ سنن الدارقطنی مع التعليق

۱۷۰/۲ [۸]۔ شرح معانی الآثار ص ۲۲۶ [۹]۔ صحیح ابن حبان (۳۴۵۶)

نے ”السنن الکبریٰ“ [۱] میں اور امام ابن الجوزیؒ نے ”التحقیق فی احادیث الخلاف“ [۲] میں کی ہے۔ امام ابن حبانؒ، امام دارقطنیؒ، امام ابن المنذرؒ، امام ابن السکونؒ، امام ابن حزمؒ، امام بیہقیؒ، امام خطابیؒ، امام نوویؒ (نے ”الخلاصۃ“ میں) اور امام ابن حجرؒ (نے ”بلوغ المرام“ میں) اس کی ”تصحیح“ فرمائی ہے۔ امام شافعیؒ نے بھی اسے تعلیقاً لاکر اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ [۳]

واضح رہے کہ امام احمدؒ، امام ابن ماجہؒ اور امام دارقطنیؒ کی روایتوں میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ: ”وہ سوار نبی ﷺ کے پاس دن کے آخری حصہ میں آئے تھے۔“ امام طحاویؒ کی روایت کے بعض طرق میں بھی یہ وارد ہے کہ: ”ان لوگوں نے زوال کے بعد شہادت دی تھی۔“

علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: ”مدینہ میں لوگوں نے رمضان کی تیسویں شب کو ہلال نہیں دیکھا تھا، چنانچہ ان لوگوں نے اس دن کا روزہ رکھا تھا۔ پھر دن کے دوران ایک قافلہ آیا، اور قافلہ والوں نے شہادت دی کہ انہوں نے تیسویں شب کو ہلال دیکھا تھا۔ پس نبی ﷺ نے انہیں روزہ کھولنے اور اکتیسویں روز نماز عید ادا کرنے کا حکم دیا، جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے بیان کیا ہے۔ اور امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث ان لوگوں کے لئے دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ: اگر عید کی نماز کا وقت نکلنے کے بعد عید ہونا ثابت ہو تو عید کی نماز دوسرے دن پڑھی جائے۔ اس کی طرف امام اوزاعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ گئے ہیں، اور یہی قول امام شافعیؒ کا بھی ہے۔ (اور اہل بیت میں سے ہادیؒ، قاسمؒ، ناصرؒ، مؤید باللہؒ اور ابو طالبؒ بھی اسی کے قائل ہیں، مگر ابو طالبؒ نے اسے اس قید کے ساتھ مشروط رکھا ہے کہ: جب شبہ کی وجہ سے پہلے دن نماز ترک کی گئی ہو)۔ اور حدیث کے ظاہر سے پتہ چلتا ہے کہ دوسرے دن نماز قضاء نہیں، بلکہ اداء ہے۔ امام خطابیؒ نے امام شافعیؒ سے روایت کی ہے کہ: اگر زوال سے قبل لوگوں کو عید کا علم ہو جائے تو وہ نماز پڑھیں، ورنہ اس دن پڑھیں، اور نہ اگلے دن۔ کیونکہ یہ مقررہ وقت کا عمل ہے جو دوسرے اوقات میں نہیں کیا جاسکتا

[۱]۔ السنن الکبریٰ ۳/۳۱۶ [۲]۔ التحقیق فی احادیث الخلاف ۱/۵۱۴ [۳]۔ کذا

ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ: امام مالکؒ اور امام ابو ثورؒ کا قول بھی یہی ہے۔ مگر امام خطابیؒ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی سنت کی اتباع اولیٰ ہے۔ ابو عیمر کی یہ حدیث صحیح ہے، لہذا اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ امام منذریؒ فرماتے ہیں: ان کی مراد یہ ہے کہ لوگوں کو زوال سے تھوڑا قبل اس کا علم ہوا ہو، یا زوال کے بعد، اس معاملہ میں کوئی فرق نہیں ہے، برخلاف امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام ابو ثورؒ کے، کیونکہ حدیث میں ایسی کوئی چیز موجود نہیں ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہو کہ انہوں نے زوال کے بعد اس کی شہادت دی تھی۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام ابو ثورؒ بھی اسی چیز سے احتجاج کرتے ہیں کہ حدیث میں ایسی کوئی چیز مذکور نہیں ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہو کہ انہوں نے زوال کے بعد شہادت دی تھی، تم کلام المنذری۔ میں (یعنی شمس الحق عظیم آبادیؒ) کہتا ہوں کہ: امام احمدؒ، امام ابن ماجہؒ اور امام دارقطنیؒ کی روایتوں سے مجھے علم ہوا ہے کہ انہوں نے آخر النہار میں اس کی شہادت دی تھی۔ اس حدیث کی تخریج امام ابن حبانؒ نے اپنی ”صحیح“ میں کی ہے، اور امام ابن المنذرؒ، امام ابن السکنؒ، امام ابن حزمؒ، امام خطابیؒ اور امام ابن حجرؒ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور امام ابن عبد البرؒ کا یہ قول مردود قول ہے کہ ابو عیمر مجہول ہے، کیونکہ جنہوں نے ابو عیمر سے روایت کی صحت بیان کی ہے وہ اسے پہچانتے ہیں، جیسا کہ حافظ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔“ [۱]

اس بارے میں ربیع بن حراش کی دو حدیثیں اوپر ”دن میں نظر آنے والے ہلال کا حکم“ کے زیر عنوان گزر چکی ہیں۔ ایک اور حدیث میں ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ: ”قال: أصبح الناس صياماً لتمام ثلاثين، فجاء رجلان، فشهدوا: انهما رآيا الهلال بالأمس، فأمر رسول الله ﷺ الناس فافطروا“۔ [۲]

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں: ”آپ ﷺ کی سنت یہ تھی کہ اگر عید کی نماز کا وقت نکل جانے کے بعد دو گواہ رویت ہلال کی شہادت دیتے تو آپ ﷺ روزہ افطار دیتے، اور لوگوں کو بھی روزہ افطار کرنے کا حکم فرماتے، اور اگلے دن عید کی نماز اس کے وقت پر ادا فرماتے تھے۔“

[۱]۔ عون المعبود ۴/۳۵۰، نیل الأوطار ۲/۶۱۲ [۲]۔ قال الهیثمی فی ”مجمع الزوائد“ ۳/۱۴۷: رواه الطبرانی فی ”الکبیر“، وقال: لم یقل فی هذا الحدیث عن ابن مسعود، إلا اسحاق بن إسماعیل الطالقانی، قلت: وهو ثقة

اور شیخ عبدالعزیز الحمد المسلمان فرماتے ہیں: ”اگر دن کے دوران ہلال رمضان کی رویت پر دلیل قائم ہو جائے، تو جن لوگوں پر روزہ واجب ہے ان پر باقی دن کا امساک کرنا لازم ہے، اگرچہ دن کے دوران (یعنی دلیل قائم ہونے سے قبل) انہوں نے کھایا پیا ہی ہو۔ چونکہ (ایسی صورت میں) وہ پورے دن کے امساک سے معذور ہیں، لہذا جس چیز پر انہیں قدرت حاصل ہے اسے بجالانا ہی ان پر واجب ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [۲] (ترجمہ: پس جہاں تک تمہاری استطاعت ہو اللہ سے ڈرتے رہو)، اور ارشاد نبوی ہے: ”إِذَا أَمَرْتُمْ بَأْمَرٍ، فَأَتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ“۔ اس کے ساتھ ان لوگوں پر بھی جنہوں نے رات میں نیت نہ کی ہو اس دن کی قضاء ضروری ہے، کیونکہ رات میں ہر دن کے روزہ کی نیت کی تعیین کا وجوب مستند شرعی ہے۔ شیخ تقی الدین ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ صرف امساک کرے گا، قضاء نہیں کرے گا۔ اور اگر رویت کا علم غروب آفتاب کے بعد ہی ہو پائے، تو بھی اس پر قضاء لازم نہیں ہے۔ لیکن اگر رمضان کے آخر میں دن کے دوران، زوال سے قبل یا زوال کے بعد، ہلال نظر آ جائے تو اس رویت سے روزہ نہیں کھولا جائے گا۔ یہ عمرؓ، ابن مسعودؓ، ابن عمرؓ، انسؓ، امام اوزاعیؒ، امام مالکؒ، امام لیثؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام اسحاقؒ کا قول ہے، کیونکہ ابواصل سے مروی ہے، بیان کرتے ہیں کہ: ”ہمارے پاس عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان پہنچا کہ: بعض مرتبہ کا ہلال دوسری مرتبہ کے ہلالوں سے بڑا ہوتا ہے۔ لہذا اگر تمہیں دن میں ہلال نظر آئے تو غروب آفتاب تک، یا دو مسلمانوں کی یہ گواہی دینے تک روزہ نہ کھولو کہ ان دونوں نے کل رات کو ہلال دیکھا تھا۔“ اس اثر کی روایت امام دارقطنیؒ نے کی ہے۔ چنانچہ ایسے ہلال کی رویت سے نہ روزہ رکھنا واجب ہے، اور نہ روزہ کھولنا مباح ہے۔“ [۳]

میں کہتا ہوں کہ عمرؓ کے مذکورہ بالا اثر کی تفصیل ان شاء اللہ آگے عنوان ”اگر ہلال خلاف معمول بڑا نظر آئے، یا اُفق پر دیر تک موجود ہے، تو وہم میں پڑنا مناسب نہیں ہے“ کے تحت بیان کی جائے گی۔

ہلالِ شعبان کی نگرانی، اور ایامِ شعبان کے شمار کا اہتمام

ماہِ رمضان کے اہتمام کے پیشِ نظر شعبان کا ہلال دیکھنے کا بھی خاص اہتمام کرنا چاہئے، اور اس کی تاریخیں شمار کرنے، اور انہیں یاد رکھنے کی بھی خاص فکر و کوشش ہونی چاہئے۔ جب اس ماہ کے ۲۹ دن پورے ہو جائیں تو رمضان کا ہلال دیکھنے کی کوشش کی جانی چاہئے، تاکہ کسی دھوکہ یا غفلت سے ماہِ رمضان کا کوئی روزہ نہ چھوٹ جائے۔ ماہِ رمضان کی ابتداء کو بالضبط جاننے کے لئے ہلالِ شعبان کی نگرانی، اور اس کا تحفظ کرنا از حد ضروری ہے۔ متعدد احادیث میں رسول اللہ ﷺ سے ایامِ شعبان کے باہتمام شمار کی تاکید وارد ہے، چنانچہ ابو ہریرہؓ سے مروی ہے:

”قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَحْضَرُوا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ“۔ [۱] (ترجمہ: رمضان کے لئے شعبان کے ہلال کا خوب اچھی طرح شمار (حاطہ) کرو)

واضح رہے کہ بقول امام عراقی: ”یہی وہ اکیلی حدیث ہے جسے امام ترمذی نے امام مسلم بن حجاج (صاحب ”الصحیح“)، سے اپنی ”جامع“ میں روایت کی ہے۔ یہ روایت الاقران میں سے ہے، کیونکہ ان دونوں اماموں کے بہت سے شیوخ باہم مشترک تھے“۔ [۲]

اس حدیث کی شرح میں علامہ عبدالرحمن مبارکپوریؒ فرماتے ہیں کہ: ”رمضان کے سبب، یا رمضان کے روزوں کی محافظت کی غرض سے، ماہِ شعبان کے ایام کا شمار کیا کرو۔ علامہ ابنِ الملک کا قول ہے: تاکہ تم ماہِ رمضان کے دخول کو جان سکو۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ: ”الاحصاء“ بانواع جہد عدد و شمار کا مبالغہ ہے۔..... ابنِ حجرؒ کا قول ہے کہ: اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے شمار و ضبط میں اس طرح مجتہد رہو کہ ہلال کے مطالع پر تخری کے ساتھ تمہاری نظر

[۱]۔ جامع الترمذی مع التحفة ۳۳/۲، وقال ابو عیسیٰ: حدیث ابی ہریرۃ لا نعرفہ مثل

هذا، إلا من حدیث ابی معاویۃ، الخ [۲]۔ کذا فی تحفة الأحوذی ۳۳/۲

ہو، اور اس کی یہ درپہ منزلوں کو شمار کرتے رہو، تاکہ رمضان کے ہلال کا تمہیں علی بصیرت حقیقی اور اک ہو سکے، اور تم سے اس کے فوت ہونے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے، جیسا کہ ”مرواۃ المفاتیح“ میں مذکور ہے۔ [۱]

میں کہتا ہوں کہ امام ترمذیؒ کی یہ حدیث مختصر امروہی ہے۔ امام دارقطنیؒ نے اسی سند کے ساتھ اس کی روایت ان الفاظ میں کی ہے: ”قال رسول اللہ ﷺ: احصوا ہلال شعبان لرمضان، ولا تخلطوا برمضان، إلا أن یوافق ذلک صیاماً کان یصومہ أحدکم، وصوموا لرؤیتہ، وأفطروا لرؤیتہ، فإن غم علیکم، فإنہا لیست تغمی علیکم العدة“۔ [۲]

علامہ جلال الدین سیوطیؒ ”قوت المغتذی“ میں فرماتے ہیں: ”یہ حدیث مختصر امروہی ہے۔ امام دارقطنیؒ نے اسے تمام روایت کیا ہے، اور اس میں یہ زیادتی کی ہے: ولا تخلطوا برمضان، الخ“۔ [۳]

امام بغویؒ نے اسی حدیث کو باسناد جید ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: ”عن أبی ہریرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ: احصُوا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ، وَلَا تَصَلُّوا رَمَضَانَ بِشَيْءٍ، إِلَّا أَنْ يُوَافِقَ ذَلِكَ صَوْمًا كَانَ يَصُومُهُ أَحَدُكُمْ“۔ [۴]

اس بارے میں ایک روایت رافع بن خدیج سے بھی مروی ہے، بیان کرتے ہیں: ”قال: قال رسول اللہ ﷺ: احصوا عدة شعبان لرمضان، ولا تقدموا الشهر بصوم، فإذا رأيتموه فصوموا، وإذا رأيتموه فافطروا، فإن غم علیکم، فأكملوا العدة ثلاثين يوماً، ثم أفطروا، فإن الشهر هكذا، وهكذا، وهكذا، وخس إبهامه في الثالثة“۔ [۵]، لیکن میں کہتا ہوں کہ اس کی اسناد میں راوی واقدی بہت زیادہ ضعیف ہے۔

اس بارے میں ایک حدیث عائشہؓ سے بھی مروی ہے جس میں وہ رسول اللہ ﷺ کا

[۱]۔ تحفة الأحوذی ۳۳/۲ [۲]۔ رواہ الدارقطنی مع التعليق ۱۶۳-۱۶۲/۲

[۳]۔ کذا فی تحفة الأحوذی ۳۳/۲ [۴]۔ شرح السنة ۲۴۰/۶ [۵]۔ رواہ

الدارقطنی مع التعليق ۱۶۳/۲

معمول اس طرح بیان کرتی ہیں: ”كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَتَحَقَّقُ مِنْ شَعْبَانَ، مَا لَا يَتَحَقَّقُ مِنْ غَيْرِهِ، ثُمَّ يَصُومُ لِرُؤْيَا رَمَضَانَ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْهِ، عَدَّ ثَلَاثِينَ يَوْمًا، ثُمَّ صَامَ“۔ [۱] (ترجمہ: رسول اللہ ﷺ شعبان کی تاریخیں جس قدر اہتمام سے یاد رکھتے تھے، اتنے اہتمام سے کسی دوسرے ماہ کی تاریخیں یاد نہیں رکھتے تھے۔ پھر رمضان کی رویت ہونے پر روزہ رکھتے تھے، لیکن اگر (۲۹ شعبان کو) رمضان کا ہلال پوشیدہ رہتا تو (شعبان کے) تیس دن شمار کر کے پھر روزے رکھتے تھے)

امام حاکم نے اسے ”صحیح علی شرط الشيخین“ کہا ہے، امام ذہبی نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ: ”هذا اسناد حسن صحيح“۔ [۲]، لیکن امام ابن الجوزی کہتے ہیں: ”میں کہتا ہوں کہ یہ امام دارقطنی کی طرف سے عصیت ہے۔ امام تکی بن سعید معاویہ بن صالح سے راضی نہ تھے۔ ابو حاتم الرازی کا قول ہے: لا یحتج بہ“۔ [۳]، لیکن علامہ زیلعی اور علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ: ”التنقیح“ میں ہے کہ یہ عصیت امام دارقطنی کی طرف سے نہیں، بلکہ خود امام ابن الجوزی کی طرف سے ہے، کیونکہ راوی معاویہ بن صالح ثقہ و صدوق ہے۔ امام احمد بن حنبل، امام عبد الرحمن بن مہدی اور امام ابو زرعہ نے اس کی توثیق کی ہے۔ امام ابن ابی حاتم کہتے ہیں: ”سألت عنه، فقال: حسن الحديث، صالح الحديث۔ امام مسلم نے اپنی ”صحیح“ میں اس سے احتجاج کیا ہے، حالانکہ وہ کسی ثقات کے خلاف روایت نہیں کرتے۔ امام تکی بن سعید کا اس سے راضی نہ ہونا غیر قادح ہے، کیونکہ امام تکی کی شرط رجال میں شدید تھی۔ اسی لئے ان کا قول ہے: لو لم أرو إلا عن من أَرْضَى، ما رویت إلا عن خمسة۔ اور امام ابو حاتم کا ”لا یحتج بہ“ والا قول بھی غیر قادح ہے، کیونکہ انہوں نے اس کا سبب بیان نہیں کیا ہے۔ نیز اس لفظ کا استعمال انہوں نے اصحاب الصحیح کے بہت سے ثقات الاثبات رجال، مثلاً خالد الحذاء وغیرہ، کے متعلق

[۱]۔ رواہ ابوداود مع العون ۲/۲۶۹۔ وابن حبان (۸۶۹) والحاکم ۲۳۳/۱ والبیہقی ۲۰۶/۳ والدارقطنی مع التعليق ۱۵۶/۲-۱۵۷ وأحمد ۱۳۹/۶ وابن الجوزی فی ”التحقیق“ ۵/۲، وصححه الشوکانی وغیرہ فی النیل ۱۱۵/۳، فقال: وحديث عائشة صححه أيضاً الحافظ [۲]۔ سنن الدارقطنی مع التعليق ۱۵۷/۲

[۳]۔ التحقیق فی احادیث الخلاف ۷/۲

بھی، سبب بیان کئے بغیر، بتکار کیا ہے، واللہ اعلم۔“ [۱]

علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ مزید فرماتے ہیں کہ: ”امام منذریؒ کا قول ہے: امام دارقطنیؒ نے کہا کہ یہ اسناد صحیح ہے۔ یہ ان کا اختتام کلام ہے، اور اسکی اسناد کے تمام رجال کے ساتھ ”صحیحین“ میں علی الاتفاق والافراد احتجاج کیا گیا ہے۔ معاویہ بن صالح حضرمی حمصی قاضی اندلسؒ پر اگرچہ بعض ائمہ نے کلام کیا ہے، لیکن امام مسلمؒ نے اس سے اپنی ”صحیح“ میں احتجاج کیا ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: امام علیؒ یعنی ابن المدینیؒ کا قول ہے کہ: امام عبدالرحمن بن مہدیؒ اس کی توثیق کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ وہ نزیل اندلس تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابو زرعة الرازیؒ نے بھی اسے ثقہ بتایا ہے۔“ [۲]

پس معلوم ہوا کہ امام ابن الجوزیؒ کی اس حدیث پر قدح درست نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

اس بارے میں بطریق عبدالوہاب حدثنی ایوب مروی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اہل بصرہ کو یہ فرمان لکھا تھا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث عین ابن عمرؓ کی آپ ﷺ سے مروی حدیث کے مطابق پہنچی ہے۔ (پھر راوی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ:) بہتر ہے کہ ہم بیشکی اس کا اندازہ کر لیں۔ چونکہ ہم نے ماہ شعبان کا ہلال تیسویں شب میں فلاں اور فلاں دن دیکھا ہے، تو تیس تاریخ کے اعتبار سے ان شاء اللہ روزہ فلاں اور فلاں دن ہوگا، الا یہ کہ لوگ تیس تاریخ سے پہلے ہی ہلال رمضان دیکھ لیں، تو روزہ ۲۹ شعبان کے اعتبار سے رکھا جائے گا۔ اس روایت کے اصل الفاظ اس طرح ہیں: ”کَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى أَهْلِ الْبَصْرَةِ، بَلَّغْنَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ نَحْوَ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ (أَي: الشَّهْرُ تِسْعٌ وَعَشْرُونَ، فَلَا تَصُومُوا حَتَّى تَرَوْهُ، وَلَا تَفْطُرُوا حَتَّى تَرَوْهُ، فَإِنْ غَمَّ عَلَيْكُمْ، فَاقْدُرُوا لَهُ ثَلَاثِينَ - [۳]) زَادَ وَإِنْ أَحْسَنَ مَا يُقَدَّرُ لَهُ إِنَّا رَأَيْنَا هَلَالَ شَعْبَانَ لِكَذَا وَكَذَا، فَالْصَّوْمُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ لِكَذَا وَكَذَا، إِلَّا أَنْ يَرَوْا الْهَلَالَ

[۱] - نصب الراس، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱

قبل ذلك“۔ [۱]

اس روایت کے بارے میں علامہ منذریؒ فرماتے ہیں کہ: ”عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت روایات کی بناء پر ہی یہ فیصلہ فرمایا تھا۔“ [۲]
 میں کہتا ہوں کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تاکید حکم، اور ذاتی عمل کی بناء پر خیر القرون میں ہلال شعبان کی نگرانی کا خصوصی اہتمام کیا جاتا تھا، واللہ اعلم۔

[۲]۔ کذا فی عون المعبود ۲/۲۶۸

[۱]۔ سنن أبی داود مع العون ۲/۲۶۸

ہلال دیکھنے کا استحباب

علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں: ”لوگوں کے لئے شعبان کی تیسویں شب کو ہلال دیکھنا، اور اسے تلاش کرنا مستحب ہے تاکہ اپنے روزوں میں وہ اس سے احتیاط برتیں، اور اختلاف سے محفوظ رہیں۔..... علامہ غزالیؒ کے (منقولہ) کلام میں اختصار ہے، اور اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ: جب ماہ شعبان کے انتیس دن گزر جاتے، تو لوگ ہلال کو تلاش کرتے، اگر اسے دیکھ لیتے تو روزہ رکھتے تھے۔ لیکن اگر مطلع صاف ہوتا، اور ہلال نظر نہ آتا، تو روزہ نہ رکھتے تھے، الخ۔“ [۱]

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق نافع سے مروی ہے کہ: ”فکان ابن عمر إذا کان شعبان تسعاً وعشرين نُظِرَ له، فإن رأى فذاک، وإن لم ير، ولم يحل دون منظره سحاب، ولا قتره، أصبح مفطراً..... الخ۔“ [۲] (ترجمہ: جب شعبان کی انتیس تاریخ ہوتی تو ابن عمرؓ کے لئے ہلال دیکھا جاتا تھا۔ پس اگر ہلال نظر آ جاتا تو خیر (یعنی وہ صبح روزہ رکھتے)، اور اگر ہلال نظر نہ آتا اور مطلع ہلال کے ارد گرد ابر یا غبار بھی حائل نہ ہوتا تو وہ صبح مفطر اٹھتے تھے..... الخ)

بلکہ امام احمد بن حنبلؒ نافع کی ایک روایت لائے ہیں جس میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق مروی ہے: ”فکان ابن عمر إذا مضى من شعبان تسع وعشرون، بیعت من ينظر، فإن رأى فذاک، وإن لم ير، ولم يحل دون منظره سحاب، ولا قتره، أصبح مفطراً، وإن حال دون منظره سحاب، أو قتره، أصبح صائماً، قال: وكان لا يفطر إلا مع الناس۔“ [۳] (ترجمہ: جب شعبان کے انتیس دن گزر جاتے تو ابن عمرؓ ہلال دیکھنے والوں کو بھیجتے تھے۔ پس اگر ہلال نظر آ جاتا تو خیر (وہ صبح روزہ رکھتے)، اور اگر ہلال نظر نہ آتا، اور مطلع ہلال کے ارد گرد نہ ابر چھایا ہوتا اور نہ غبار، تو وہ روزہ نہ رکھتے تھے۔ اگر

[۱] - المغنی ۸۸-۸۷/۳ سنن ابی داود مع العون ۲۶۸-۲۶۷/۲ [۲] - سنن ابی داود مع العون ۲۶۸-۲۶۷/۲ [۳] - سنن الدارقطنی مع التعليق ۱۶۱/۲، التحقيق فی احادیث الخلاف ۷۲/۲، عون المعبود ۲۶۸/۲، فتح الباری ۱۲۲/۳

مطلع ہلال کے گرد ابر یا غبار حائل ہوتا تو وہ صبح روزہ رکھا کرتے تھے۔ نافع بیان کرتے ہیں کہ: وہ افطار نہ کیا کرتے تھے، مگر لوگوں کے ساتھ ()

ابو حامد الغزالیؒ نے بھی روزہ کے چھ ”واجبات الظاہرہ“ میں سے ”رؤیت ہلال کے ذریعہ ماہ رمضان کی ابتداء کی مراقبت“ کو پہلا واجب قرار دیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: ”مراقبہ اول شہر رمضان، وذلك برؤية الهلال، فإن غم، فاستكمال ثلاثين يوماً من شعبان، ونفى بالرؤية العلم“۔ [۱]

فضیلۃ الشیخ علامہ محمد صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت: ’تروائی الناس الهلال، فأخبرت النبي ﷺ: أنى رأيتہ، فصامہ، وأمر الناس بصيامہ‘ کے مطابق ہلال کا دیکھنا، خواہ وہ رمضان کا ہلال ہو یا شوال کا، عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایک جانا پہچانا امر تھا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریقہ اکمل اور اتم ہے“۔ [۲]

اُس شخص کا حکم جسے ماہ رمضان کے بارے میں اشتباہ ہو جائے، یا جس کے لئے رویت کا جاننا ممکن نہ ہو

علامہ بغویؒ فرماتے ہیں کہ: ”اگر کسی قیدی کو ماہ رمضان کے بارے میں اشتباہ ہو جائے، پس وہ اجتہاد سے پورے ماہ کے روزے رکھے تو یہ اس کے لئے جائز ہے۔ اور اگر بعد میں اس پر یہ واضح ہو کہ اس سے خطا غلطی ہو گئی ہے تو بھی اس کا روزہ صحیح ہوگا۔ لیکن اگر اس سے خطا پھیل ہو گئی ہو تو اس پر قضاء واجب ہے۔ اسی طرح اگر وہ نماز کے وقت کے لئے اجتہاد کرے، اور اس کی نماز وقت نکلنے کے بعد واقع ہو تو اس پر قضاء نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ قضاء کا مکلف ہو، تو وقت نکلنے کے بعد تو قضاء ہی ہوتی ہے، قضاء کی قضاء ممکن نہیں ہے۔ لیکن اگر وقت سے قبل یہ خطا واقع ہو جائے تو اس پر قضاء کرنا ضروری ہے۔“ [۱]

امام ابن قدامہ مقدسیؒ فرماتے ہیں: ”اگر کسی قیدی کو مہینوں کے بارے میں اشتباہ لاحق ہو جائے، اور وہ ماہ رمضان کے ارادہ سے کسی مہینہ میں روزے رکھ لے، تو اگر وہ مہینہ حقیقہ ماہ رمضان سے موافقت رکھتا ہو، یا اس کے بعد پڑتا ہو تو جائز ہے، لیکن اگر وہ مہینہ ماہ رمضان سے قبل پڑتا ہو تو جائز نہیں ہے۔ فی الجملہ اگر کوئی شخص محبوس ہو، یا تہ خانہ میں قید ہو، یا شہروں سے دور بعض ایسے علاقوں میں ہو کہ جہاں اس کے لئے خبروں کے ذریعہ مہینوں کا جاننا ممکن نہ ہو، چنانچہ اس پر مہینے مشتبہ ہو جائیں، تو اسے چاہئے کہ وہ تحری اور اجتہاد سے کام لے۔ جب اسے علامتوں کی بناء پر اپنے نفس میں ماہ رمضان کے شروع ہونے کا ظن غالب حاصل ہو جائے تو وہ روزہ رکھے۔ ایسی صورت میں وہ مندرجہ ذیل چار احوال میں سے کسی ایک حالت سے ضرور گزر رہا ہے: پہلی صورت: اس پر اس کا حال منکشف ہی نہ ہو پائے، تو اس کا روزہ درست اور

جائز ہے۔ کیونکہ اس نے اپنا فرض اپنے اجتہاد کے مطابق اداء کر دیا ہے۔ جس طرح کہ اگر کوئی ابراہم آلودن میں اجتہاد سے نماز پڑھ لے تو اس کی نماز جائز ہوتی ہے۔ دوسری صورت: اس پر یہ منکشف ہو جائے کہ اس نے ماہ رمضان کے موافق، یا اس کے بعد روزہ رکھا ہے، تو عامۃ الفقہاء کے قول کے مطابق اس کا روزہ جائز ہے۔ لیکن حسن بن صالح کے متعلق حکایت کی گئی ہے کہ وہ ان دونوں حالتوں میں اس کے روزہ کو جائز نہیں سمجھتے تھے، کیونکہ اس نے شک کی بناء پر یہ روزہ رکھا ہوتا ہے۔ پس جس طرح یوم شک کو رکھے گئے روزہ کے بارے میں اگر یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ رمضان کا دن تھا تو اس کے لئے اس دن کا روزہ نہ جائز ہوتا ہے اور نہ صحیح۔ اسی طرح ان دونوں حالتوں میں رکھا گیا اس کا روزہ بھی نہ جائز ہوتا ہے اور نہ صحیح۔ لیکن چونکہ اس نے اپنے احوال کے مطابق اجتہاد کے ذریعہ اپنا فرض اداء کر دیا ہوتا ہے، اس لئے اگر وہ صائب ہو، یا اس کو حقیقت حال کا علم ہی نہ ہو پائے، تو جائز ہے۔ جس طرح کہ اگر قبلہ کی سمت میں کسی کو شبہ واقع ہو جائے، یا ابراہم والے دن نماز کے وقت میں شبہ ہو، تو اجتہاد سے پڑھی گئی نماز درست ہوتی ہے۔ یوم شک اور اس صورت حال میں فرق ہے، کیونکہ یوم شک محل اجتہاد نہیں ہوتا۔ جب علامتیں متعین ہو جائیں تو شریعت نے روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اگر علامتیں موجود نہ ہوں تو روزہ جائز نہیں ہوتا۔ تیسری صورت: اس کا روزہ ماہ رمضان سے قبل والے مہینہ کے موافق ہو۔ پس عامۃ الفقہاء کے قول کے مطابق اس کا روزہ جائز نہیں ہے۔ بعض شافعیہ نے کہا ہے کہ: دو صورتوں میں سے ایک صورت میں اس کا روزہ جائز ہے، جس طرح کہ اگر یوم عرفہ کے متعلق اشتباہ ہو جائے، اور لوگ اس سے قبل وقوف عرفہ کر لیں، تو جائز ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک: چونکہ وہ مقررہ وقت سے پہلے عبادت بجالاتا ہے، اس لئے جائز نہیں ہے، جس طرح کہ ابراہم آلودن میں قبل از وقت نماز کا حکم ہے۔ جہاں تک حج کا تعلق ہے تو ہم اسے بھی تسلیم نہیں کرتے، الا جب کہ اس بارے میں تمام کے تمام لوگ خطاء کر جائیں، اور ان پر اس سے بڑی بھاری مشقت آن پڑے۔ پس اگر ان میں سے کسی ایک شخص، یا چند لوگوں سے ایسا ہو جائے، تو ان کے لئے یہ جائز نہیں ہے۔ اور اس لئے بھی کہ روزہ کی قضاء کے برخلاف ایسی صورت میں قضاء ممکن نہیں ہوتی۔ چوتھی صورت: اس کے روزوں کے بعض دن ماہ رمضان سے موافقت رکھتے ہوں، اور بعض دن

اس سے موافقت نہ رکھتے ہوں۔ پس جو ایام ماہ رمضان، یا اس کے بعد والے مہینہ کے موافق ہوں، تو وہ روزے جائز ہیں۔ لیکن جو دن ماہ رمضان سے قبل ماہ کے موافق ہوں، تو ان دنوں کے روزے جائز نہیں ہیں۔“ [۱]

آں رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ: ”اگر ایسے شخص کے روزے ماہ رمضان کے بعد والے ایام میں پڑیں، تو اس چیز کا اعتبار کیا جائے گا کہ اس نے جو روزے رکھے ہیں وہ ماہ رمضان کے چھوٹے ہوئے دنوں کے روزے ہیں۔ خواہ وہ روزے دو ہلالوں کے مابین والے دورانہ کے موافق ہوں، یا اس کے غیر موافق۔ یا اسی طرح وہ دونوں مہینے مکمل (یعنی ۳۰ دن کے) ہوں، یا ناقص (یعنی ۲۹ دن کے)۔ اس سے کم دنوں کے روزے جائز نہیں ہیں۔ قاضی فرماتے ہیں کہ: علامہ خرقی کا نماز ظاہر کلام صحیح نہیں ہے کہ: وہ جس مہینہ میں روزے رکھے اگر وہ دو ہلالوں کے مابین کے دورانہ سے موافقت رکھتے ہوں تو جائز ہیں، خواہ وہ دونوں مہینے مکمل ہوں یا ناقص، یا ان میں سے ایک مہینہ مکمل اور دوسرا ناقص ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ [۲] (ترجمہ: تو وہ اور دنوں میں گنتی کو پورا کر لے)، اور چونکہ اس سے ماہ رمضان کے روزے چھوٹے ہیں، لہذا امر نیض اور مسافر کی طرح اس سے جتنے دنوں کے روزے چھوٹے ہوں، وہ اتنی ہی مدت کے روزے رکھے گا۔ علامہ خرقی کے کلام میں اس تفصیل سے تعرض نہیں کیا گیا ہے۔..... اگر اس شخص کے روزے دو ہلالوں یا دو مہینوں کے مابین پڑیں، اور اس کے روزوں کے دوران عید کا دن پڑ جائے، تو وہ اسے شمار نہ کرے۔ اسی طرح اگر اس کے روزوں کے درمیان ایام تشریق پڑ جائیں، تو کیا وہ شمار کئے جائیں گے؟ اس بارے میں اس کے فرض روزوں کی صحت کی بناء پر دو روایتیں ہیں۔ (فصل) اگر قیدی کو ماہ رمضان کے شروع ہونے کا ظن غالب نہ ہو، پھر بھی وہ روزے رکھ لے، تو اس کے روزے جائز نہیں ہیں، اگرچہ اس کے روزے ماہ رمضان سے موافقت ہی کر جائیں۔ کیونکہ اس نے وہ روزے شک کی حالت میں رکھے ہیں، اس لئے جائز و درست نہیں ہوتے، جس طرح کہ شک کی رات اس طرح نیت کرنے والے کے روزہ کا معاملہ ہے کہ: اگر کل رمضان ہوا تو یہ میرا فرض

روزہ ہوگا۔ اگر ایسے شخص کو بغیر کسی علامت کے ظن غالب ہو جائے، تو اس بارے میں قاضی فرماتے ہیں کہ: اس پر روزہ رکھنا واجب ہے۔ لیکن اگر اسے مہینہ کا علم ہو جائے تو وہ اس کی قضاء کرے۔ جس طرح کہ اگر کسی پر قبلہ کے دلائل پوشیدہ رہیں، پس وہ اپنے حسبِ حال نماز پڑھ لے، تو اصل سمت قبلہ جاننے پر وہ اپنی نماز دہراتا ہے۔..... علامہ خرقی کا ظاہر کلام یہ ہے کہ: وہ تحری سے کام لے۔ جب اسے ماہ رمضان کے شروع ہونے کا ظن غالب ہو جائے، تو اس کے روزے درست ہیں، خواہ اس کا ظن کسی دلیل پر مبنی نہ ہو۔ کیونکہ دلیل کی معرفت اسی وسعت میں نہیں ہوتی، اور اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی وسعت کے مطابق ہی مکلف ٹھہراتا ہے۔ (فصل) اگر ایسا شخص ظنی روزے رکھے، اور وہ روزے ماہ رمضان سے موافقت کر جائیں، تو اس کے روزے جائز نہیں ہیں۔ یہ چیز امام احمدؒ سے منصوص ہے۔ امام شافعیؒ نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ مگر اصحاب الرائے کا قول ہے کہ: جائز ہیں، اور یہ رمضان کے روزوں کی نیت کی تعیین پر مبنی ہے۔ [۱]

اسی طرح شیخ عبدالعزیز الحمد السلمان لکھتے ہیں کہ: ”قید، یا نشی علائقہ، یا اندھیری جگہ، یا گھنے جنگل، (یا غار) میں مسلسل رہنے والوں کو اگر مہینہ کے شمار میں اشتباہ ہو جائے، یا اسی طرح جو دارالکفر میں اسلام قبول کرے، اور اسے ماہ رمضان کے روزوں کے وجوب کا علم تو ہو جائے، مگر اسے یہ معلوم نہ ہو کہ کس مہینہ کو رمضان کہا جاتا ہے، لہذا وہ صحیح بات جاننے کی حتی المقدور کوشش اور اجتہاد کرے، اور اپنی غایت درجہ جہد نیز اپنے غالب ظن کے مطابق رمضان سمجھتے ہوئے روزہ رکھ لے، تو اس کا روزہ جائز ہے۔ اگرچہ اسے اس بات کا شک باقی ہی رہے کہ نہ معلوم اس کا روزہ رمضان سے پہلے واقع ہوا ہے، یا بعد میں؟ جس طرح اگر کوئی موسم ابر آلود ہونے کی صورت میں حد درجہ کوشش کر کے نماز پڑھ لے، اور اسے یہ شک باقی رہے کہ آیا اس نے وقت سے قبل نماز پڑھی ہے، یا بعد میں؟ اور اس پر یہ واضح نہ ہونے پائے کہ آیا اس کی نماز، یا روزہ، دخول وقت سے قبل تھا، تو اس کی نماز اور روزہ دونوں جائز ہیں۔ اگر اس کا روزہ رمضان، یا اس کے بعد کے کسی مہینہ میں واقع ہو، تو چونکہ اس نے اپنے مخصوص حالات کے مطابق بذریعہ اجتہاد اپنا فرض اداء کیا ہے، پس اگر درست ہو جائے، یا اسے اصل صورت حال کا

علم ہی نہ ہو، تو بہر صورت جائز ہے۔ جس طرح کہ کسی مسافر پر قبلہ کی سمت میں اشتباہ ہو جانے کی صورت میں بذریعہ اجتہاد نماز پڑھنا درست ہوتا ہے۔ لیکن اگر ایسے شخص کا روزہ شوال اور ذوالحجہ کے مہینوں میں پڑ جائے، اور بعد میں اسے اصل صورت حال کا علم ہو، تو وہ عید اور ایام تشریق کے دنوں کی قضاء کرے گا۔ کیونکہ ان دنوں میں رمضان کا روزہ درست نہیں ہے، اگرچہ اس نے مہینوں کے مشتبہ ہونے کے باعث ہی ان دنوں میں روزے رکھے ہوں۔“ [۱]

جہاں تک بلاد کفار میں مسلمانوں کے روزہ رکھنے کا معاملہ ہے تو اس بارے میں فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ بعض کفار کے ملکوں میں، جہاں رویت شرعی نہیں ہوتی، مسلمان کیسے روزہ رکھیں؟ تو ان کے لئے یہ ممکن ہے کہ شرعی طریقہ پر ہلال کا اثبات کریں، اور وہ اس طرح کہ اگر ان کے لئے ممکن ہو تو ہلال دیکھنے کی کوشش کریں۔ اگر اس مسئلہ میں ہم علماء کے پہلے قول کو لیں (یعنی اگر بلاد مسلمین میں سے کسی بلد میں شرعاً رویت ثابت ہو جائے، تو اس کے مقتضی کے مطابق بقیہ تمام مسلمانوں پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے)، تو اگر ان کے لئے خود ہلال دیکھنا ممکن نہ ہو، اور کسی اسلامی ملک میں رویت ثابت ہو جائے، تو وہ اس رویت کے مقتضی کے مطابق عمل کریں، خواہ انہوں نے ہلال دیکھا ہو، یا نہ دیکھا ہو۔ اگر ہم علماء کے دوسرے قول کو لیں، جو یہ ہے کہ اگر ایک بلد کا مطلع ہلال دوسرے بلد سے مختلف ہو، اور وہ لوگ جس ملک میں ہیں وہاں ان کے لئے تحقیق رویت ممکن نہ ہو، تو وہ اپنے سے قریب تر اسلامی ملک کا اعتبار کریں گے، کیونکہ یہ اعلیٰ تر اختیار ہے جس پر عمل کرنا ان کے لئے ممکن ہے۔“ [۲]

[۱] الأسئلة والأجوبة الفقهية ۱۳۹/۲ مختصراً
[۲] کتاب الدعوة (۵) ۱۵۶/۲
وثمانية وأربعون سؤالاً في الصيام أجاب عليه فضيلة الشيخ، ص ۳۱

اگر لوگوں کو رویتِ ہلال میں غلطی واقع ہو جائے

امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ: ”جن معاملات کا ذریعہ اجتہاد ہو، ان میں لوگوں پر سے خطاء مرفوع ہے۔ پس اگر کوئی جماعت جدوجہد کرے، مگر انہیں تیس دنوں کے بعد ہی ہلال (شوال) نظر آئے، لہذا وہ (تیس) دنوں کی مدت پوری ہونے تک روزہ نہ چھوڑیں، پھر ان کے نزدیک یہ ثابت ہو جائے کہ وہ مہینہ تو انتیس دنوں کا تھا، تو ان کے روزہ اور فطر کا موقع تو گزر چکا، لہذا ان پر نہ تو کوئی گناہ ہے، اور نہ کوئی عیب۔ اسی طرح حج کا معاملہ بھی ہے۔ پس اگر لوگوں کو یومِ عرفہ کی تعیین میں خطاء ہو جائے، تو ان پر اعادہ نہیں ہے۔ اسی طرح ان کی قربانیاں بھی درست ہیں۔ یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر نرمی اور کرم ہے۔ اگر لوگوں کو اس بات کا مکلف ٹھہرایا جاتا کہ اگر ان سے گنتی یا شمار میں خطاء ہو گئی ہو تو وہ اسے دہرائیں، تو نہ وہ دوسری بار خطاء کرنے سے مأمون رہتے، اور نہ تیسری اور چوتھی بار خطاء کرنے سے ان کو سلامتی حاصل ہوتی۔ پس جس معاملہ کا ذریعہ اجتہاد ہو، وہ خطاء سے مأمون نہیں ہو سکتا، اکتی“۔ [۱]

اس بارے میں امام بغویؒ فرماتے ہیں: ”اگر ہلالِ رمضان کی رویت میں خطاء ہو جائے، اور لوگ ماہ شعبان کے تیس دن پورے کرنے کے بعد روزے شروع کریں، پھر (آنے والی کسی خبر کی بناء پر) یہ ثابت ہو جائے کہ ماہ شعبان انتیس ہی دن کا تھا، تو ان پر اس پہلے دن کی قضاء واجب ہوگی، مگر اس بارے میں ان پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔..... اسی طرح اگر حاجیوں کو یومِ عرفہ کی تعیین میں خطاء ہو جائے، اور وہ (۹ ذوالحجہ کی بجائے) دسویں ذوالحجہ کو وقفِ عرفہ کریں، تو ان کا حج صحیح ہوگا، کیونکہ اگر وہ اس کی قضاء کے مکلف ہوتے تو قضاء میں بھی ایسی خطاء سے مأمون نہ ہوتے۔ چنانچہ ان پر سے یہ خطاء مرفوع ہے۔ لیکن اگر رویتِ ہلال میں ایک دن پہل کی خطاء ہو جائے، اور لوگ آٹھویں ذوالحجہ کو وقفِ عرفہ کر لیں (اور نویں تاریخ تک ان کو

[۱]۔ کذا فی عون المعبود ۲/۲۶۹، تحفة الأخوذی ۲/۳۷۷، نیل الأوطار ۲/۶۱۲، شرح

اپنی خطا کا علم ہو جائے) تو ان پر توقف کا اعادہ ضروری ہے، کیونکہ ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔

[۱]

اس بارے میں امام ابو داؤد ایک روایت اس طرح لائے ہیں: ”عن الحسن فی رجل کان بمصر من الأمصار، فصام يوم الاثنين، وشهد رجلان انهما رأيا الهلال ليلة الأحد، فقال: لا يقضى ذلك اليوم الرجل، ولا أهل مصره، الا أن يعلموا ان أهل مصر من أمصار المسلمين قد صاموا يوم الأحد، فيقضونه۔“ [۲] (ترجمہ: حسن سے اس شخص کے بارے میں مروی ہے کہ جو شہروں میں سے کسی شہر میں ہو، اور دو شنبہ کے دن سے روزہ رکھے۔ پھر دو شخص یہ شہادت دیں کہ ان دونوں نے یک شنبہ کی رات کو ہلال دیکھا تھا، تو آپ نے فرمایا ہے کہ: وہ شخص اس دن کی قضاء نہیں کرے گا، اور نہ ہی اس کے اہل شہر، الا یہ کہ ان کو اس بات کا علم ہو جائے کہ مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر کے باشندوں نے یک شنبہ کے دن روزہ رکھا ہے، تو پھر وہ اس دن کی قضاء کریں گے)

اور علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ ”سنن أبی داود“ کے باب ”إذا اخطأ القوم الهلال“ کی شرح میں فرماتے ہیں: ”یہ باب اس بیان میں ہے کہ اگر کوئی قوم رؤیت ہلال میں اجتہاد کرے، مگر اس سے اس بارے میں خطا ہو جائے، مثلاً ان لوگوں کو ہلال تیسویں دن کے بعد ہی نظر آئے، چنانچہ وہ (تیس دن) کی تعداد پوری کریں، پھر ان کے نزدیک یہ ثابت ہو جائے کہ مہینہ انتیس ہی دن کا تھا، تو اس بارے میں کیا حکم ہے۔“ [۳]

اور شیخ محمد بن ابراہیم بن عبد اللہ التوہجری فرماتے ہیں: ”شعبان کی تیسویں رات کو مطلع صاف ہونے کے باوجود ہلال دکھائی نہ دے تو لوگ صبح مفطر رہیں۔ اسی طرح اگر مطلع کے ارد گرد غبار یا ابر حائل ہو تو بھی اگلی صبح مفطر رہیں۔ اگر لوگ اٹھائیس دن روزے رکھ چکیں اور ہلال نظر آجائے، تو ان پر عید کے بعد ایک دن کا روزہ رکھنا لازم ہے۔ اور اگر ایک شہادت کی بناء پر لوگ تیس دن روزے رکھ چکیں، پھر بھی ہلال نظر نہ آئے، تو ہلال نظر آنے تک وہ روزہ نہ چھوڑیں۔“ [۴]

[۱]۔ شرح السنة ۲۴۹/۶ [۲]۔ سنن أبی داود مع العون ۲۴۲/۲ [۳]۔

عون المعبود ۲۶۹/۲ [۴]۔ مختصر الفقہ الإسلامی للتوہجری ص ۵۳۵

تیس روزے پورے ہونے پر بھی اگر رویت ثابت نہ ہو، تو کیا کریں؟

اگرچہ اس بارے میں اوپر شیخ محمد التویجری کے منقولہ اقتباس میں ضمناً کچھ گفتگو ہو چکی ہے، لیکن اس کے متعلق علامہ ابن قدامہ المقدسیؒ کا تفصیلی قول اس طرح ہے: ”اگر لوگ دو گواہوں کی شہادت کی بنیاد پر تیس دن روزے رکھ چکیں، پھر بھی ہلال شوال نظر نہ آئے، تو اس کی صرف ایک ہی شکل ہے کہ وہ افطار کریں گے۔ لیکن اگر انہوں نے ایک شہادت کی بنیاد پر ۳۰ روزے رکھے ہوں، پھر انہیں ہلال شوال نظر نہ آئے تو اس کی دو شکلیں ہیں۔ اول: وہ روزے نہیں چھوڑیں گے، کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ”وان شهد اثنان، فصوموا، وافطروا“، اور اس لئے بھی کہ ان کا ہلال شوال کی شہادت کی طرح ایک شہادت پر استناد افطار کرنا جائز نہیں ہے، دوم: وہ روزہ افطار لیں گے۔ یہ چیز امام شافعیؒ سے منصوص ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں بھی اس قول کی حکایت کی گئی ہے۔ اس افطار کی وجہ یہ ہے کہ جب شہادت کی بناء پر روزہ رکھنا واجب ہوا، تو اس کی مدت کے اشکال پر فطر بھی واجب ہوگا۔ یہ چیز اگر اصلاً ثابت نہ ہو، تو بھی تبعا ثابت ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ عورت کی شہادت سے نسب ثابت نہیں ہوتا، لیکن ولادت سے نسب ثابت ہو جاتا ہے۔ پس اگر ولادت کے اثبات سے تبعا للولادة نسب ثابت ہوتا ہو، تو اسی طرح یہاں بھی تبعا فطر ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اگر لوگوں نے ابرو غبار کی وجہ سے روزہ رکھا ہو، تو ایسی صورت میں وہ افطار نہیں کریں گے، کیونکہ ان کا روزہ رکھنا دراصل احتیاط کی وجہ سے تھا۔ لہذا اس طرح پر روزہ سے خروج جائز نہیں ہے، واللہ اعلم“۔ [۱]

اسی طرح شیخ عبدالعزیز الحمد المسلمان فرماتے ہیں: ”اگر لوگ دو عادل گواہوں کی شہادت پر تیس دن روزے رکھ چکیں، اور انہیں ہلال شوال نظر نہ آئے، تو وہ روزے موقوف کر دیں گے،

خواہ آسمان صاف ہو یا ابر آلود۔ کیونکہ دو عادل گواہوں کی شہادت پر فطر کا اثبات ہوتا ہے، لہذا ابتدائی روزہ کے ثبوت کے بجائے ایسا کرنا اولیٰ ہے۔ اور اس بناء پر بھی کہ ان دونوں گواہوں نے سابقہ رویت کی خبر یقین اور مشاہدہ کی بنیاد پر دی ہوتی ہے۔ لہذا اس کی نفی، اور عدم والی غیر یقینی خبریں اس کا مقابلہ نہیں کرتیں، کیونکہ دوسرے مقام پر رویت کا احتمال باقی رہتا ہے۔ لیکن اگر انہوں نے ایک شہادت کی بناء پر روزے شروع کئے ہوں، اور تیس روزے رکھنے پر بھی ان کو رویت نہ ہوئی ہو، تو وہ روزے موقوف نہیں کریں گے اس حدیث کی بناء پر: ”و ان شہد شہدان، مسلمان، فصوصوا، و افطروا“ [۱]، اور اس لئے بھی کہ فطر کے لئے ایک شہادت پر استننا نہیں کیا جاتا، الخ“۔ [۲]

میں کہتا ہوں کہ احادیث میں وارد استكمال العدة کی شرط پوری ہونے پر لوگوں کا فطر کرنا جائز و درست ہے، خواہ انہوں نے رمضان کے روزے ایک شہادت کی بناء پر شروع کئے ہوں، یا دو شہادتوں کی بنیاد پر، واللہ اعلم بالصواب۔

اس بارے میں امام ابن العربیؒ حدیث کے قول: ”الشہر تسع وعشرون، فلا تصوموا.....“ کی شرح میں فرماتے ہیں: ”اس کی مراد و طرح کے مہینوں میں سے ایک جہت کا حصر ہے۔ یعنی مہینہ انتیس دن کا ہو سکتا ہے، جو کہ اس کی کم سے کم مدت ہے، یا پھر تیس دن کا بھی ہو سکتا ہے، جو کہ اس کی زیادہ سے زیادہ مدت ہے۔ لہذا تم اپنے نفوس کے لئے احتیاطاً اس مدت سے زیادہ روزے نہ رکھو، اور نہ ہی اپنی تن آسانی کے لئے اس مدت سے کم روزے رکھو۔ بلکہ اپنی عبادت کی ابتداء اور انتہاء کو استہلال کے ساتھ مرتبط رکھو“۔ [۳]

پس معلوم ہوا کہ تیس دن پورے ہونے پر غیر مشروط طور پر روزے موقوف کر دینا ضروری ہے۔

[۱]۔ رواہ احمد و ابوداؤد والنسائی، ولم یقل فیہ مسلمان [۲]۔ الأسئلة والأجوبة
[۳]۔ کذا فی فتح الباری ۱۲۳/۴ الفقہ المقرونۃ بالأدلة الشرعیۃ ۱۳۸/۲

اگر ہلالِ خلافِ معمول بڑا نظر آئے، یا اُفق پر دیر
تک موجود رہے، تو وہ ہم میں پڑنا مناسب نہیں ہے

اس بارے میں اوپر ”مٹکوک دن میں روزہ کا حکم“ کے زیر عنوان شیخ الحدیث عبید اللہ رحمائی مبارکپوری رحمہ اللہ کا کلام مختصراً گزر چکا ہے۔ امام بغویؒ وغیرہ نے اس سے متعلق عمرؓ کے ایک مشہور اثر کی روایت کی ہے، جس کا تذکرہ بھی اوپر ”دن میں نظر آنے والے ہلال کا حکم“ کے زیر عنوان ضمناً گزر چکا ہے۔ یہ روایت اس طرح ہے: ”قال شقيق بن سلمة (أى ابو وائل الكوفى): كتب إلينا عمر بن الخطاب، ونحن بخانقين، (أى بلدة بالكوفة)، ان الأهلة بعضها أكبر من بعض، فإذا رأيتم الهلال نهراً، فلا تفطروا، حتى يشهد رجلان مسلمان، انهما رآياه بالأمس“۔ [۱] (ترجمہ: شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ: ہمارے پاس عمر بن خطابؓ نے فرمان بھیجا، جب کہ ہم کوفہ کے ایک شہر خانقین میں تھے، کہ بعض (ماہ کا) ہلال دوسرے (ماہ کے) ہلال سے بڑا ہوتا ہے۔ پس اگر تم دن میں ہلال دیکھو تو افطار نہ کرو جب تک کہ دو مسلم شخص اس بات کی گواہی نہ دیں کہ انہوں نے کل اسے دیکھا تھا) واضح رہے کہ امام دارقطنیؒ نے اپنی ”سنن“ میں ابو وائل سے پانچ مختلف اسانید کے ساتھ اس قصہ کی روایت باختلافِ سیر کی ہے۔ ان میں سے ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں: ”قال: جاءنا كتاب عمر، ونحن بخانقين: إن الأهلة بعضها أعظم من بعض، فإذا رأيتم الهلال لأول النهار، فلا تفطروا، حتى يشهد رجلان، ذوا عدل، انهما أهلاه بالأمس عشية“۔ [۲]

[۱]۔ رواه البغوى فى ”شرح السنة“ ۲/۲۳۸ والدارقطنى مع التعليق ۲/۱۶۹ وعبدالرزاق فى ”المصنف“ ۴/۲۶۲ والبيهقى ۴/۲۳۸ وابن أبى شيبة ۱/۱۷۷، وذكره ابن حزم فى المحلى ۶/۲۳۸ وكذا النووى فى المجموع ۶/۲۹۸ وابن قدامة فى المغنى ۳/۱۶۸ [۲]۔ سنن الدارقطنى مع التعليق ۲/۱۶۹

علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ فرماتے ہیں: ”هذا الحديث رواههم كلهم ثقات“۔ [۱]، حافظ ابن عبد البرؒ نے بھی متصل ہونے کی بناء پر اسے ”أصح“ قرار دیا ہے۔

[۲]

اس بارے میں ابوالختری سے مروی ہے: ”قال: خرجنا للعمرة، فلما نزلنا بطن نخلة، رأينا الهلال، فقال بعضهم: هو لثلاث، وقال بعضهم: لليلتين، فلقينا ابن عباس، فقلنا له: إنا رأينا الهلال، وقال بعضهم: هو لليلتين، وقال بعضهم: لثلاث، قال: أي ليلة رأيتموه؟ قلنا: ليلة كذا وكذا، فقال: هو ليلة التي رأيتموه، إن رسول الله ﷺ مده إلى الرؤية“۔ [۳] (ترجمہ: ہم لوگ عمرہ کے لئے روانہ ہوئے، جب ہم بطن نخلة (ذات عرق) پر اترے تو ہم نے (ذوالحجہ کا) ہلال دیکھا۔ ان میں سے بعض نے کہا کہ: یہ تیسری شب کا ہلال ہے، بعض نے کہا کہ: یہ دوسری شب کا ہے۔ پھر ہم ابن عباسؓ سے ملے، اور انہیں بتایا کہ: ہم نے ہلال دیکھا۔ بعض نے کہا کہ: یہ دوسری شب کا ہے، اور بعض نے اسے تیسری شب کا بتایا۔ انہوں نے پوچھا: تم نے اسے کس رات دیکھا تھا؟ ہم نے بتایا کہ: فلاں اور فلاں رات کو دیکھا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ: یہ اسی رات کا ہے جس شب کہ تم نے اسے دیکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: مده إلى الرؤية)

امام دارقطنیؒ نے ابوالختری سے اس واقعہ کی روایت چار مختلف طرق سے کی ہے، اور ان سب کو ”صحیح“ قرار دیا ہے۔ [۴]، اور ان میں سے بعض روایت میں ہے کہ: ”انہوں نے ضخامت والا ہلال دیکھا تھا، بلکہ اکثر لوگ اسے تیسری شب کا ہلال بتا رہے تھے“، بعض میں ہے کہ: ”ہمیں ہلال کے بارے میں شک پیدا ہو گیا تھا“، بعض میں ہے کہ: ”انہوں نے ابن عباسؓ کے پاس کسی شخص کو دریافت کرنے کے لئے بھیجا تھا“، اور بعض میں ہے کہ: ”جب مکہ میں ہماری ملاقات ابن عباسؓ سے ہوئی، تو ہم نے ان سے یوم الترویۃ کے متعلق پوچھا تھا“۔

میں کہتا ہوں کہ عمرؓ اور ابن عباسؓ کے مذکورہ بالا اقوال جدید سائنس اور علم فلکیات

[۱]۔ التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی ۱۶۸/۲۔ ۱۶۹۔ [۲]۔ کذا فی شرح الزرقانی علی الموطأ ۱۵۶/۲ [۳]۔ رواہ الدارقطنی مع التعلیق ۱۷۱/۲، وقال: وهذا صحيح، ورواہ مسلم ۱۲۷/۳ [۴]۔ سنن الدارقطنی مع التعلیق ۱۶۲/۲، ۱۷۰۔ ۱۷۱

سے عین مطابقت رکھتے ہیں، چنانچہ امریکی ماہر فلکیات سید خالد شوکت صاحب لکھتے ہیں: ”درحقیقت یہ بہت ممکن ہے کہ ایک ماہ تیسویں تاریخ کو نظر آنے والا ہلال اتنا ہی عریض (موٹا) ہو، جتنا کہ دوسرے ماہ اثنیسویں تاریخ کو نظر آنے والا ہلال ہوتا ہے۔ اسے ضمیمہ میں پیش کردہ شکل نمبر (۵) کی مدد سے بہتر اور واضح طریقہ پر سمجھا جاسکتا ہے۔ چونکہ چاند زمین کے گرد بیضوی مدار میں گردش کرتا ہے، اس لئے کبھی وہ زمین سے قریب ہوتا ہے تو کبھی اس سے نسبتاً دور، جیسا کہ اس شکل میں دکھایا گیا ہے۔ بائیں جانب کی شکل ایک ماہ میں ۲۹ تاریخ کے ہلال کی ہے، جب کہ چاند زمین سے قریب ہے، اور اس کی عمر ۲۰ گھنٹے ہے۔ دائیں جانب کی شکل دوسرے ماہ میں ۳۰ تاریخ کے ہلال کی ہے، جب کہ چاند زمین سے نسبتاً دور ہے، اور اس کی عمر ۲۵ گھنٹے ہے۔ کرہ ارض سے دیکھنے والے شخص کو یہ دونوں ہلال موٹائی میں برابر ہی نظر آئیں گے۔“ [۱]

اس بارے میں عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ ۲۹ تاریخ کا ہلال بہت جلد غروب ہو جاتا ہے، جب کہ ۳۰ تاریخ کا ہلال افق پر زیادہ دیر تک باقی رہتا ہے۔ لیکن اس غلط فہمی کو ضمیمہ میں پیش کی گئی شکل (۶) کی مدد سے دور کیا جاسکتا ہے۔ اس شکل میں افق کا متوازی خط زمین سے ہلال کا مشاہدہ کرنے والے شخص کی افقی سطح کو ظاہر کرتا ہے۔ بائیں جانب کی تصویر میں ۲۹ تاریخ کا ہلال افق سے قریب ہے، اس لئے ترجیحاً انداز (Slantingly) پر چلتا ہوا جلد افق کے نیچے غروب ہو جاتا ہے۔ جب کہ دائیں جانب کی تصویر میں ۳۰ تاریخ کا ہلال افق سے کافی بلند ہے، اور تقریباً عمودی انداز (Vertically) پر نیچے کی طرف آتا ہے، اور افق کے نیچے جانے میں بائیں جانب کی تصویر کے مقابلہ میں کم وقت لیتا ہے۔ اس لئے یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ۳۰ تاریخ کا ہلال افق پر زیادہ دیر تک باقی رہتا ہے۔“ [۲]

آگے چل کر آں موصوف مزید لکھتے ہیں: ”یہ مباحثہ بہت عام ہے، اور ہم بار بار اسے سنتے ہیں کہ اگر ہلال نسبتاً عریض ہو، اور افق پر زیادہ دیر تک باقی رہے، تو یہ دوسرے دن کا ہوتا ہے۔ لیکن اس بات کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اسے ضمیمہ میں پیش کردہ شکل نمبر (۷) کی مدد سے واضح کیا جاسکتا ہے۔ اگر ۲۹ تاریخ کو بوقت غروب آفتاب چاند کی عمر ۱۸ گھنٹے ہو، اور وہ سورج

کی خیرہ گن روشنی سے کافی بلند ہو، تو اسی دن نظر آ جاتا ہے، لیکن بہت باریک ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہی ۱۸ گھنٹہ کی عمر والا چاند ۲۹ تاریخ کو بوقت غروب آفتاب افق پر کافی نیچے ہو، تو یہ سورج کی خیرہ کن روشنی میں غائب ہو جاتا ہے، لہذا اس دن نظر نہیں آتا۔ اگلے دن یعنی ۳۰ تاریخ کو چونکہ اس کی عمر ۴۲ گھنٹہ ہو جاتی ہے، لہذا یہ عریض بھی ہو جاتا ہے، اور افق پر سورج کی خیرہ کن روشنی سے بلند ہو جانے کے باعث زیادہ دیر تک دیکھا جاسکتا ہے۔ لیکن پہلے دن چونکہ یہ دیکھا نہ جاسکا تھا، اس لئے ۳۰ تاریخ کو بھی اسے پہلے دن کا ہلال ہی مانا جائے گا، حالانکہ یہ نسبتاً عریض ہوگا۔“ [۱]

بعض دوسرے مسلم ماہرین فلکیات بھی لکھتے ہیں کہ: ”ہم میں سے بیشتر لوگ جانتے ہیں کہ چاند مختلف منازل یا ارتقائی احوال (Developmental Stages) سے گزرتا ہے۔ علم فلکیات میں نئے چاند سے مراد چاند کی وہ ارتقائی منزل ہے جب کہ گزشتہ ماہ کا چاند مستور ہو جاتا ہے (یعنی چاند باریک نظر آنے والے ہلال سے مکمل تاریک کرہ میں منتقل ہو جاتا ہے، جسے دیکھنا ناممکن ہوتا ہے)۔ یاد رہے کہ نیا چاند ہمیشہ تاریک اور غیر مرئی ہوتا ہے۔ نئے چاند بننے کے تقریباً ۱۷ سے ۲۳ گھنٹوں بعد ایک باریک ہلال زمین سے نظر آنا شروع ہوتا ہے۔ یہ نئے چاند کی مرئی منزل ہوتی ہے، اور یہی وہ ہلال ہے جس کی رویت سے نئے قمری ماہ کی ابتداء ہوتی ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ چاند ایک دن پیدا ہو، لیکن اسے اگلے دن ہی دیکھنا ممکن ہو۔ اگر کسی ماہ نیا چاند غروب آفتاب سے ۱۵ گھنٹہ سے قبل پیدا ہوا ہو، تو اسے اگلے دن غروب آفتاب سے قبل دیکھنا ممکن نہیں ہوتا۔ جب وہ نظر آتا ہے تو اس کی عمر $۱۵ + ۲۴ = ۳۹$ گھنٹے ہو چکی ہوتی ہے، اس لئے کافی عریض نظر آتا ہے۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ وہ دوسرے دن کا ہلال ہے۔ پہلے دن کا ہلال بعض مقامات پر بہت باریک، اور بعض مقامات پر اختلاف وقت کے اعتبار سے ضخیم و عریض بھی ہو سکتا ہے۔“ [۲]

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں: ”پہلے دن کا ہلال بڑا اور عریض بھی ہو سکتا ہے۔ فرض کریں کہ کوئی چاند ۱۶ گھنٹہ پُرانا ہو، لیکن مطلع صاف ہونے کے باوجود افق پر نظر نہ آیا ہو، کیونکہ

بعض مہینوں میں ۱۶ گھنٹہ پُرانا چاند نظر نہیں آتا ہے۔ اگلے دن جب کہ وہ پہلی بار نظر آتا ہے، اس کی عمر ۴۰ گھنٹہ ہو چکی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ۴۰ گھنٹہ پُرانا ہلال ۲۰ گھنٹہ پُرانے ہلال سے نسبتاً بڑا اور عریض ہوگا، جو کہ پہلے کسی ماہ میں نظر آیا تھا۔ اسی طرح اگر افق پر ہلال دیر تک موجود رہے، تو یہ چیز بھی اس بات کی دلیل نہیں ہوتی کہ وہ دوسرے دن کا ہلال ہے۔ افق پر ہلال کی موجودگی کا وقفہ عموماً اس کی عمر پر منحصر ہوتا ہے۔ ۲۰ گھنٹہ پُرانا ہلال افق پر ۳۵ منٹ بھی باقی نہیں رہتا، لیکن ۴۰ گھنٹہ پُرانا ہلال افق پر ۹۰ منٹ تک باقی رہ سکتا ہے۔“ [۱]

”یہ بھی ممکن ہے کہ کسی مخصوص مہینہ میں جاپان میں نظر آنے والا ہلال اگر باریک ہے، تو وہی ہلال امریکہ میں عمر میں ۱۵ تا ۱۸ گھنٹے زیادہ عریض ہو، اور آسمان میں افق پر مختلف مقامات پر مختلف وقفوں تک باقی رہے۔“ [۲]

ہلال دیکھ کر پڑھنے کی دعاء

جو شخص ہلال دیکھے، خواہ رمضان کا ہو یا شوال یا مہینوں میں سے کسی اور ماہ کا، اس کے لئے اسے دیکھ کر رویت ہلال کی دعاء پڑھنا مستحب ہے، چنانچہ بطریق ہلال بن یحیٰ ابن طلحة بن عبید اللہ عن ابیہ عن جدہ طلحة بن عبید اللہ مروی ہے کہ:

”أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا رَأَى الْهَالَ، قَالَ: اَللّٰهُمَّ اِهْلُءْ عَلَيْنَا بِالْإِيْمَانِ وَالْإِيْمَانِ، وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ، رَبَّنَا وَرَبِّكَ اللهُ“۔ [۱] (ترجمہ: جب نبی ﷺ ہلال دیکھتے تو یہ دعاء فرماتے تھے: اے اللہ! اس ہلال کو ہمارے اوپر امن و ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ نمودار فرما۔ (اے ہلال!) میرا اور تیرا رب اللہ ہی ہے)

اس کی ایک شاہد روایت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے طریق سے اس طرح مروی ہے: ”كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا رَأَى الْهَالَ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اَكْبِرْ، اَللّٰهُمَّ اِهْلُءْ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيْمَانِ، وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ، وَالتَّوْفِيقِ لِمَا يَحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضَى، رَبَّنَا وَرَبِّكَ اللهُ“۔ [۲] (ترجمہ: اللہ سب سے بڑا ہے۔ اے اللہ! اس ہلال کو ہمارے اوپر امن و ایمان، سلامتی و اسلام، اور اپنے پسندیدہ و رضاء یافتہ اعمال کی توفیق کے ساتھ نمودار فرما۔ (اے ہلال!) ہمارا اور تیرا رب اللہ ہی ہے)

اس بارے میں قتادہ سے ایک مرسل روایت بھی آئی ہے جو اس طرح مروی ہے: ”أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا رَأَى الْهَالَ قَالَ: هَلَالٌ خَيْرٌ وَرُشْدٌ، هَلَالٌ خَيْرٌ وَرُشْدٌ، آمَنْتُ بِالَّذِي خَلَقَكَ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ يَقُولُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي ذَهَبَ بِشَهْرٍ كَذَا، وَجَاءَ بِشَهْرٍ كَذَا“۔ [۳] (ترجمہ:

[۱]۔ رواہ الترمذی مع التحفة ۲۴۵/۳ والدارمی ۴۲۹/۱ وابن حبان (۲۳۷۴) والبیہقی فی ”شرح السنۃ“ ۱۲۸/۵ [۲]۔ رواہ الأثرم، کما قال المقدسی فی ”المغنی“ ۸۸/۳ والدارمی فی ”سننہ“ ۴۲۸/۱ وأوردہ الألبانی فی ”صحیح الکلم الطیب“ ص ۹۰-۹۱ [۳]۔ سنن أبی داود مع عون المعبود ۳۸۵/۴

جب اللہ کے نبی ﷺ ہلال دیکھتے تو فرماتے تھے: تو بھلائی اور ہدایت کا ہلال ہے، تو بھلائی اور ہدایت کا ہلال ہے، تو بھلائی اور ہدایت کا ہلال ہے۔ میں اس پر ایمان لایا، جس نے تجھے پیدا کیا ہے (تین بار)۔ پھر فرماتے تھے: اللہ کے لئے تعریف ہے، جس نے فلاں مہینہ کو ختم کیا، اور اس مہینہ کو لے آیا)

لیکن امام بخاریؒ نے اس مرسل روایت کو ذرا اختلاف کے ساتھ یوں روایت کیا ہے:

”عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا رَأَى الْهِلَالَ كَبَّرَ ثَلَاثًا، وَهَلَّلَ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ: هِلَالَ خَيْرٍ وَرُشْدٍ، ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ: آمَنْتُ بِالَّذِي خَلَقَكَ، ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي ذَهَبَ بِشَهْرٍ كَذَا، وَجَاءَ بِشَهْرٍ كَذَا“۔ [۱]، اور فرماتے ہیں:

”هذا حديث منقطع“۔ [۲]، میں کہتا ہوں کہ اگرچہ یہ روایت مرسل ہے، لیکن اس کے رجال ثقات ہیں۔

کیا یہ دعاء روایتِ ہلال کی خبر سننے والے بھی پڑھیں، یا صرف ہلال دیکھنے والوں کے لئے ہی اس دعاء کا پڑھنا مستحب ہے؟ اس سوال کے جواب میں فضیلۃ الشیخ محمد صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دو حدیثیں آئی ہیں، لیکن ان دونوں میں قلیل مقال ہے۔ ظاہر حدیث بتاتا ہے کہ یہ دعاء صرف ہلال دیکھنے کے وقت ہی پڑھی جائے گی۔ جس نے روایتِ ہلال کی خبر سنی ہو، اسے خود دیکھا نہ ہو، تو اس کے لئے یہ دعاء پڑھنی مشروع نہیں ہے“۔ [۳]

[۱]۔ شرح السنة ۱۲۹/۵ [۲]۔ شرح السنة ۱۲۹/۵ [۳]۔ ثمانية وأربعون
سؤالاً في الصيام أجاب عليه فضيلة الشيخ، ص ۳۶-۳۷

عید کے دنوں میں ناقص نہیں ہوتے

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عید کے دنوں میں ناقص، یعنی شوال اور ذوالحجہ کے ہلال ایک سال میں ایک ہی ساتھ ناقص (یعنی ۲۹ دن کے) نہیں ہوتے، حالانکہ یہ بات خلاف واقعہ ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ حدیث ہے: ”عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : شَهْرَا عِيدٍ لَا يَنْقُصَانِ : رَمَضَانُ وَذُو الْحِجَّةِ“۔ [۱] (ترجمہ: عید کے دنوں میں ناقص نہیں ہوتے: ایک رمضان کا مہینہ، اور دوسرا ذوالحجہ کا)

اس حدیث کے متعلق امام ترمذی فرماتے ہیں: ”حدیث ابی بکرہ حدیث حسن“۔ (ترجمہ: ابو بکرہ کی حدیث حسن ہے)، مزید فرماتے ہیں کہ: ”یہ حدیث عبدالرحمن بن ابی بکرہ عن النبی ﷺ مسلاً بھی مروی ہے“۔ [۲]، امام بغوی فرماتے ہیں کہ: ”هذا حدیث متفق علی صحته“۔ [۳]، اور علامہ محدث مبارکپوری فرماتے ہیں: ”واخرجه الشيخان، فالظاهر انه صحيح“۔ [۴]

اس حدیث کی مراد بیان کرتے ہوئے امام ترمذی اور امام بغوی رحمہما اللہ لکھتے ہیں کہ: ”امام احمد بن حنبل کا قول ہے: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک سال میں رمضان اور ذوالحجہ کے دنوں میں ناقص ایک ساتھ کم نہیں ہوتے۔ اگر ان میں سے ایک انتیس دن کا ہو تو دوسرا پورا (یعنی تیس دن) کا ہوگا۔ امام اسحاق بن راہویہ کا قول ہے کہ: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر مہینہ انتیس دن کا ہو، تو بھی وہ بغیر کسی نقص (کی) کے تمام (یعنی پورا) ہوتا ہے۔ یعنی امام اسحاق کے قول کے مطابق یہ دنوں میں ناقص ایک ساتھ کم (یعنی انتیس دن کے) ہو سکتے ہیں“۔

[۵]

[۱]۔ رواہ الترمذی مع التحفة ۳۵/۲ و ابوداؤد مع العون ۲۶۸/۲۔ ۲۶۹ و البخاری مع الفتح ۱۲۳/۳ و مسلم (۱۰۸۹) و البغوی فی ”شرح السنة“ ۲۳۳/۶ [۲]۔ جامع الترمذی مع التحفة ۳۵/۲ [۳]۔ شرح السنة ۲۳۳/۶ [۴]۔ تحفة الأحوذی ۳۵/۲ [۵]۔ جامع الترمذی مع التحفة ۳۵/۲، شرح السنة ۲۳۵/۶

امام بغویؒ نے امام اسحاقؒ کے قول میں یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ: ”یوید فی الثواب“۔ (یعنی ان کی مراد ثواب میں کسی کمی کے بغیر مہینہ کا پورا ہونا ہے) [۱]، محدث مبارکپوریؒ امام اسحاقؒ کے قول: ”فہو تمام غیر نقصان“ کی مراد یہ بتاتے ہیں کہ: ”ای: فہو تام فی الفضیلة، غیر ناقص“۔ [۲]، اور یہی معنی ”صحیح البخاری“ میں وارد امام اسحاقؒ کے قول: ”وان کان ناقصاً، فہو تمام“ کے بھی ہیں۔ [۳]، اس بارے میں خود امام بخاریؒ کا قول ہے کہ: ”لا یجتمعان کلاهما ناقص“۔ [۴]، اور امام بغویؒ نے حکایت کی ہے کہ: ”بعض علماء نے کہا ہے کہ: اس سے ماہ ذوالحجہ کے عشرہ میں تفصیل عمل مراد ہے۔ اسی طرح ماہ رمضان کے اجر و ثواب میں اس سے کوئی کمی واقع نہیں ہوتی ہے“۔ [۵]

زیر بحث حدیث کے معانی کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی نے بہت تفصیل سے کلام کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: ”اس حدیث کے معنی میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ کچھ علماء نے اس حدیث کو اس کے ظاہر پر محمول کیا ہے، لہذا کہتے ہیں کہ رمضان اور ذوالحجہ ہمیشہ تیس دن ہی کے ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ قول مشاہد موجود کے معاند ہونے کے باعث مردود ہے۔ اس کی رد کے لئے نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہی کافی ہے: ”صوموا لرؤیتہ، وافطروا لرؤیتہ، فبان غم علیکم، فاکملوا العدة“، پس اگر رمضان ہمیشہ تیس دن ہی کا ہوتا تو یہ کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ کچھ علماء نے اس کی مناسب معنی پر تاویل کی ہے۔ ابو الحسنؒ کہتے ہیں کہ امام اسحاق بن راہویہؒ کہا کرتے تھے: ان مہینوں کی فضیلت میں کوئی نقصان نہیں ہوتا، خواہ یہ ۲۹ دن کے ہوں، یا تیس دن کے، انتہی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ: دونوں مہینے ایک ساتھ ناقص نہیں ہوتے، اگر ان میں سے ایک ۲۹ دن کا ہو، تو دوسرا لازماً ۳۰ دن کا ہوگا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ: ان دونوں مہینوں کے عمل کے ثواب میں کمی نہیں ہوتی ہے۔ یہ دونوں قول سلف سے مشہور ہیں۔ امام اسحاق (بن راہویہؒ) کا قول ہے کہ: اگر یہ مہینے ناقص ہوں تو بھی تمام (یعنی پورے) ہیں۔ اور محمد (امام بخاریؒ) کا قول ہے کہ: یہ دونوں مہینے نقصان کے ساتھ جمع نہیں ہوتے۔ امام بخاریؒ نے

[۱]۔ شرح السنة ۲۳۵/۶ [۲]۔ تحفة الأخوذی ۳۵۰/۲ [۳]۔ صحیح البخاری
مع فتح الباری ۱۲۳/۴ [۴]۔ صحیح البخاری ۱۲۴/۴ [۵]۔ شرح السنة ۲۳۵/۶

امام احمدؒ کے قول کو اختیار کیا، اور اسے وارد کر کے اسی پر جزم اختیار کیا ہے۔..... میں نے صفائی کے نسخہ میں حدیث کے عقب میں یہ لکھا ہوا پایا ہے کہ: ابو عبد اللہؒ کا قول ہے کہ اسحاقؒ نے کہا: مہینے کے ۲۹ دن بھی پورے ہوتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ: اگر رمضان ناقص ہو تو ذوالحجہ تمام ہوتا ہے، اور اگر ذوالحجہ ناقص ہو تو رمضان تمام ہوتا ہے۔ امام اسحاقؒ کا قول ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ اگر مہینہ ۲۹ دن کا ہو تو بھی وہ بغیر کسی کمی کے پورا ہے۔ کہتے ہیں: اور مذہب اسحاقؒ کے مطابق دونوں مہینوں کا ایک سال میں ایک ساتھ ناقص ہونا درست و ممکن ہے۔ امام حاکمؒ نے اپنی ”تاریخ“ میں باسناد صحیح روایت کی ہے کہ: اسحاق بن ابراہیمؒ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا: تم میں کا عدد دیکھتے ہو، اگر یہ ۲۹ ہوں تو تم اسے نقصان سمجھتے ہو، حالانکہ یہ نقصان نہیں ہے۔..... قاسمؒ نے ”الذلائل“ میں امام بزارؒ کے متعلق روایت کی ہے کہ میں نے بزارؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ: اس کا معنی یہ ہے کہ دونوں مہینے ایک ساتھ ایک ہی سال میں ناقص نہیں ہوتے۔ کہتے ہیں کہ: اس پر زید بن عقبہ عن سمرة بن جندب کی یہ مرفوع روایت دلالت کرتی ہے: ”شہرا عید لا یكونان ثمانیة وخمسين یوماً“..... امام ابن حبانؒ نے اس حدیث کے دو معنی بیان کئے ہیں: ان میں سے ایک تو وہی ہے جو کہ امام اسحاقؒ نے بیان کیا ہے، اور دوسرا معنی یہ ہے کہ: یہ دونوں (ناقص و تمام مہینے) فضیلت میں برابر ہیں۔..... امام قرطبیؒ نے اس بارے میں پانچ اقوال نقل کئے ہیں جو اوپر بیان کردہ اقوال ہی کے مشابہ ہیں، البتہ انہوں نے اس ایک معنی کا اضافی کیا ہے کہ: جس سال نبی ﷺ نے یہ حدیث بیان فرمائی تھی، بعینہ اسی سال میں یہ دونوں مہینے ناقص نہیں ہوں گے۔..... یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں: احکام میں یہ دونوں مہینے ناقص نہیں ہوتے۔ اسی پر امام بیہقیؒ نے جزم اختیار کیا ہے۔ امام طحاویؒ نے بھی اسے قبول کیا ہے، چنانچہ کہتے ہیں: اس کے معنی یہ ہیں کہ ان دونوں مہینوں میں احکام کم نہیں ہوتے۔ اگر ۲۹ دن ہوں تو بھی مہینہ کا حکم کامل، اور غیر ناقص ہوتا ہے، اور ۳۰ دن ہوں تو بھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ: نفس الامری میں یہ دونوں مہینے ناقص نہیں ہوتے، لیکن کبھی مطلع ہلال کے ارد گرد ابرا یا غبارِ رویت میں مانع ہو جاتا ہے۔ اس معنی کی طرف امام حبانؒ نے بھی اشارہ کیا ہے، ولا یخفی بعدہ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ: اس کا معنی یہ

ہے کہ اکثریت واغلیت کے اعتبار سے یہ دونوں مہینے ایک ساتھ ایک ہی سال میں ناقص نہیں ہوتے، لیکن اس کا وقوع (ناممکن نہیں، بلکہ) نادر ہے۔ یہ رائے اس سے پہلے بیان کئے گئے اقوال سے زیادہ مناسب ہے، کیونکہ کبھی ان دونوں مہینوں میں ایسا ہو جاتا ہے، اور یہ دونوں مہینے ۲۹ دن کے واقع ہو جاتے ہیں۔ امام طحاویؒ کا قول ہے کہ: اس حدیث کو اس کے ظاہری معنی پر لینا، یا ان دونوں میں سے کسی ماہ کو نقص پر محمول کرنا، عجز کلام کو دفع کرتا ہے، کیونکہ ہم نے ان دونوں مہینوں کو متعدد سالوں میں ایک ساتھ ناقص ہوتے ہوئے پایا ہے۔ زین ابن المنیرؒ کا قول ہے کہ: ان تمام اقوال میں سے کوئی چیز بھی اعتراض سے خالی نہیں ہے۔ ان میں سے قریب تر مراد یہ ہے کہ: یہ نقص حسی اور باعتبار عدد ہے، لیکن چونکہ یہ دونوں مہینے عید عظیم کے ساتھ وابستہ ہیں، لہذا دوسرے مہینوں کے برخلاف ان کے وصف میں نقصان نہیں ہونا چاہئے۔ اور اس کا حاصل اسحاق بن راہویہؒ کے قول کی ہی تائید کی طرف لوٹتا ہے۔ امام بیہقیؒ ”المعرفة“ میں کہتے ہیں کہ: یہ دونوں ماہ صوم اور حج کے احکام سے متعلق ہونے کی بناء پر (مخصوص) ذکر کئے گئے ہیں۔ اسی پر امام نوویؒ نے جزم اختیار کیا ہے، چنانچہ کہتے ہیں کہ: یہ قول صواب اور معتمد ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ: جو کچھ ان دونوں ماہ کے فضائل و احکام میں وارد ہے اس کا حاصل برابر ہے۔ خواہ ماہ رمضان ۳۰ دن کا ہو یا ۲۹ دن کا، یا اسی طرح وقوف عرفہ ۲۹ کے اعتبار سے ۹ روز و الحجہ کو ہو یا ۳۰ کے اعتبار سے۔..... امام طبریؒ کا قول ہے کہ: اس حدیث کا ظاہر سیاق دونوں مہینوں کی فضیلت اور خصوصیت کا بیان ہے، جو ان دونوں مہینوں کے علاوہ کسی اور مہینہ میں نہیں ہوتی ہے۔ اس کی مراد یہ نہیں ہے کہ ان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں امور اطاعت کا ثواب کم ملتا ہے۔ بلکہ اس سے مراد رفع حرج (تنگی دور کرنا) ہے، کیونکہ یہ دونوں مہینے عیدین کے لئے مختص ہیں، اور ان کے حکم و فیصلہ میں خطاء واقع ہونے کا امکان ہوتا ہے، الخ“۔ [۱]

اسی طرح امام خطابیؒ فرماتے ہیں: ”لوگوں نے علی الوجہ اس کی تاویل میں اختلاف کیا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ: اس کا معنی یہ ہے کہ اگر دنوں کی تعداد اور حساب سے یہ دونوں مہینے ناقص پائے جائیں، تو ابھی حکم کے اعتبار سے ناقص نہیں ہوتے۔ بعض نے اس کے معنی یہ بیان

کئے ہیں کہ: یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی سال میں یہ دونوں مہینے نقصان کے ساتھ مجتمع ہوں۔ پس اگر ان میں سے ایک مہینہ ۲۹ دن کا ہو، تو دوسرا مکمل ۳۰ دن کا ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ: یہ قول ناقابلِ اعتماد ہے، کیونکہ اس کا مستدل مختلف ہے، اِلاّ یہ کہ اس امر کو علی الغالب الاکبر محمول کیا جائے۔ بعض کا قول ہے کہ: اس سے ذی الحجہ کے ایام عشر میں عمل کی تفصیل مراد ہے، کیونکہ یہ ماہ رمضان سے اجر و ثواب میں کم نہیں ہوتا ہے، اتنی۔ [۱]

امام نوویؒ ”شرح صحیح مسلم“ میں فرماتے ہیں کہ: ”اس کا صحیح تر معنی یہ ہے کہ: ان مہینوں میں مرتب ہونے والے اجر و ثواب میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ یہ دونوں مہینے اعلیٰیت کے اعتبار سے ایک سال میں ایک ساتھ ناقص نہیں ہوتے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: ماہ ذی الحجہ کا ثواب ماہ رمضان کے ثواب سے کم نہیں ہوتا ہے، کیونکہ اس میں مناسک حج ہوتے ہیں۔ اس کی حکایت امام خطابیؒ نے کی ہے، لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ پہلا قول ہی درست و معتد ہے، اور یہی اس کا معنی ہے، کیونکہ: نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ’من صام رمضان ایماناً واحتساباً، غفر له ما تقدم من ذنبه‘ (ترجمہ: جس نے رمضان کے روزے ایمان اور حصولِ ثواب کی نیت سے رکھے، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں)۔ اس حدیث میں آپ ﷺ کا ’من صام رمضان ایماناً واحتساباً‘ وغیرہ فرمانا جاتا ہے کہ یہ تمام فضائل یکساں طور پر حاصل ہوتے ہیں، خواہ ماہ رمضان کے ایام کی تعداد پوری (یعنی ۳۰ دن) ہو، یا ناقص (یعنی ۲۹ دن)، اتنی۔ [۲]

علامہ عبدالرحمن مبارکپوریؒ نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

”قلت: الظاهر هو ما قاله النووي، والله تعالى اعلم“۔ [۳]

میں کہتا ہوں کہ یہی بات قرین عقل بھی ہے کہ ۲۹ دن کے ماہ کو ناقص نہ سمجھا جائے کیونکہ اجر و ثواب اور فضیلت کے اعتبار سے ۲۹ اور ۳۰ دن کے مہینوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ عہد رسالت اور عہد صحابہ میں متعدد بار ماہ رمضان ۲۹ دنوں کے ہوئے، مگر نہ کبھی آپ ﷺ نے، اور نہ ہی صحابہ کرام میں سے کسی نے اسے نقص پر محمول کیا، چنانچہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے:

[۱]۔ کذا فی عون المعبود ۲/۲۶۸-۲۶۹ [۲]۔ کذا فی تحفة الأحوذی ۲/۳۵

[۳]۔ تحفة الأحوذی ۲/۳۵

”قال: لَمَّا صُئِمْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ تِسْعًا وَعِشْرِينَ، أَكْثَرَ مِمَّا صُئِمْنَا مَعَهُ ثَلَاثِينَ“۔

[۱] (ترجمہ: ہم نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جتنے (ماہ) روزے رکھے ہیں، ان میں سے ۲۹ دن والے (مہینے) ۳۰ دن والے (مہینوں) کی نسبت زیادہ تھے)

حافظ ابن حجر عسقلانی ابن مسعودؓ کے اس قول کے متعلق فرماتے ہیں: ”ومثله عن عائشة عند أحمد باسناد جيد“۔ [۲]

اور سعید بن عمرو والاموی سے مروی ہے، بیان کرتے ہیں کہ: ”قيل لعائشة: رؤى هذا الشهر لتسع وعشرين، قالت: وما يعجبك من ذاك؟ لما صمت مع رسول الله ﷺ تسعاً وعشرين، أكثر مما صمنا ثلاثين“۔ [۳] (ترجمہ: کسی شخص سے عائشہؓ سے کہا کہ اس ماہ رویت ۲۹ کی ہوئی ہے، تو انہوں نے فرمایا: اس بات سے تجھے حیرت کیوں ہو رہی ہے؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جتنے روزے رکھے ہیں ان میں ۲۹ دن کے روزے ۳۰ دن کے روزوں کی بہ نسبت زیادہ تھے)

اور جابرؓ سے پانسا وضعیف مروی ہے، فرماتے ہیں: ”لا تقولوا نقص الشهر، لما صمنا مع رسول الله ﷺ تسعاً وعشرين، أكثر مما صمنا ثلاثين“۔ [۴]

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ: ”وفى الباب عن عمر وأبى هريرة وعائشة وسعد بن أبى وقاص وابن عباس وابن عمر وأنس وجابر وام سلمة وأبى بكر، الخ“۔ [۵]

میں کہتا ہوں کہ صحابہ کی ان شہادات کی تائید علامہ ابی الطیب السدیؒ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جسے آں رحمہ اللہ نے ”شرح الترمذی“ میں لکھا ہے، فرماتے ہیں: ”شیخ ابن حجر کا قول ہے: بعض حفاظ نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کل ۹ سالوں کے رمضانوں کے روزے رکھے ہیں، جن میں سے صرف دو رمضان ہی ۳۰ دن کے ہوئے تھے، واللہ اعلم“۔ [۶]

[۱]۔ رواہ ابو داود مع العون ۲/۲۶۸ والترمذی مع التحفة ۲/۳۳ [۲]۔ فتح الباری ۳/۱۲۳ [۳]۔ قال الهیثمی فی ”مجمع الزوائد“ ۱۳/۳: رواہ أحمد والطبرانی، ورجال أحمد رجال الصحيح [۴]۔ قال الهیثمی فی ”مجمع الزوائد“ ۱۳/۳: رواہ الطبرانی فی ”الأوسط“، وفيه مسور ابن الصلت، وهو ضعيف [۵]۔ جامع الترمذی مع التحفة ۲/۳۳ [۶]۔ کذا فی التحفة ۲/۳۳

واضح رہے کہ اس باب میں چند اور احادیث بھی وارد ہیں، مثلاً:

۱۔ عن زید بن عقیبة عن سمرة بن جندب قال: "قال رسول الله ﷺ:

شہرا عید لا یكونان ثمانية وخمسين يوماً"۔ میں کہتا ہوں کہ اسے بزارؒ نے روایت کیا ہے، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس کی اسناد کو "ضعیف" قرار دیا ہے۔ [۱]

۲۔ عن أبي بكرة قال: "قال رسول الله ﷺ: كل شهر حرام لا

ينقص ثلاثين يوماً، وثلاثين ليلة"۔ [۲]، لیکن حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: "وبهذا اللفظ شاذ"۔ [۳]

۳۔ عن سمرة قال: "قال رسول الله ﷺ: لا يكمل شهران ستين

ليلة"۔ [۴]

۴۔ عن سمرة قال: "قال رسول الله ﷺ: لا يتم شهران ستين يوماً"۔

[۵]

۵۔ عن القاسم قال: "قال عبد الله بن مسعود: الشهران تسع

وخمسون يوماً"۔ [۶]

میں کہتا ہوں کہ جدید سائنس اور علم فلکیات کے ماہرین بتاتے ہیں کہ: "اس امر کا حقیقی مشاہدہ ہے، اور رویتِ ہلال کے حساب سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ تین متواتر مہینے اتنی دن کے، اور چار متواتر مہینے تیس دن کے ہو سکتے ہیں۔ اس میں کوئی خلافِ معمول بات نہیں ہے، بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے"۔ [۷]

اور "ہلالِ نو کے مشاہدہ کے لئے اٹھا کا، نیویارک (Ithaca, New York)

کی کمیٹی نے گزشتہ بیس سالوں میں دنیا کے مختلف علاقوں میں ہونے والی ہر ماہ کی رویتِ ہلال کا

[۱]۔ انظر فتح الباری ۱۲۶/۳ [۲]۔ قال الهیثمی فی "مجمع الزوائد" ۱۴۷/۳-۱۴۸:

رواه الطبرانی فی "الکبیر"، ورجاله رجال الصحیح [۳]۔ انظر فتح الباری ۱۲۶/۳

[۴]۔ قال الهیثمی فی "مجمع الزوائد" ۱۴۷/۳: رواه المیزان، واسناده ضعیف [۵]۔

رواه الدارقطنی فی "الأفراد"، والطبرانی فی "الکبیر"، وقال الهیثمی فی "مجمع الزوائد"

۱۴۷/۳: اسناده ضعیف [۶]۔ قال الهیثمی فی "مجمع الزوائد" ۱۴۸/۳: رواه

الطبرانی فی "الکبیر"، والقاسم لم یدرک ابن مسعود [۷]۔ ماخذ: انثریٹ

ریکارڈ مرتب کیا ہے، جو اس امر کی تائید و تاکید کرتا ہے کہ امریکہ میں تین متواتر ماہ ۲۹ دن کے، اور چار متواتر ماہ ۳۰ دن کے ہو سکتے ہیں۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے، بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے۔ [۱]

میں کہتا ہوں کہ اس امر کی تائید امام نوویؒ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے، فرماتے ہیں: ”قالوا: وقد يقع النقص متوالياً في شهرين، وثلاثة، وأربعة، ولا يقع أكثر من أربعة“۔ [۲]

[۱]۔ ماخذ: انٹرنیٹ [۲]۔ کذا فی نیل الأوطار ۳/۱۳۱ و تحفة الأحوذی ۲/۳۴ نقلاً عن أبي الطيب السندی

روایت و شہادت ہلال کے ضمن میں بعض متفرق مسائل

روایت ہلال کی شہادت کے لئے گواہ کا مسلمان ہونا ضروری ہے: ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں نبی ﷺ کا اعرابی سے ”أتشهد أن لا إله إلا الله؟“ الخ، پوچھنا بقول ابن الملک: ”اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ شہادت میں اسلام شرط ہے۔“ [۱]

اسی طرح عبدالرحمن بن زید بن الخطابؓ کی حدیث میں نبی ﷺ کے ارشاد: ”فإن شهد شاهدان مسلمان، فصوموا وافطروا“ میں لفظ ”مسلمان“ کا ذکر بقول امام شوکانی: ”اس بات کی دلیل ہے کہ روزہ اور افطار شوال میں کافر کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔“ [۲]

اور ربیع بن حراش کی حدیث سے فائدہ حاصل کرتے ہوئے علامہ شوکانی لکھتے ہیں: ”یہ حدیث بھی اعراب کی شہادت کی قبولیت پر دلالت کرتی ہے۔ اس کے لئے صرف اسلام کا اظہار ہی کافی ہے، جیسا کہ ابن عباسؓ کی حدیث الباب میں (اوپر) گزر چکا ہے۔“ [۳]

واضح رہے کہ ربیع بن حراش کے ایک دوسرے طریق میں ان دونوں اعرابی کے متعلق بصراحت مردی ہے کہ: ”فشهدا: أن لا إله إلا الله۔“ [۴]

روایت ہلال کے لئے گواہ کا صرف خبر دینا ہی کافی نہیں ہے: علامہ شمس الحق عظیم آبادی اور علامہ عبدالرحمن مبارکپوری رحمہما اللہ ابن عباسؓ کی حدیث الباب کے قول: ”إني رأيت الهلال“ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ: ”اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ صرف روایت ہلال کی خبر دینا کافی ہے۔ اس میں نہ لفظ شہادت کی حاجت ہے، اور نہ ہی دعویٰ کی، جیسا کہ ملا علی

[۱]۔ کذا فی التحفة ۲/۳۳۷ [۲]۔ نیل الأوطار ۳/۱۱۱ [۳]۔ نیل الأوطار ۳/۱۱۱
[۴]۔ کما فی سنن الدارقطنی مع التعليق ۲/۱۶۸، وقال: هذا صحيح

القاری کا قول ہے۔“ [۱]

لیکن میں کہتا ہوں کہ علامہ قرائی نے روایتِ ہلال کے مسئلہ پر بہت تفصیل سے لکھا ہے، اور اس بحث کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ روایتِ ہلال کے دو پہلو ہیں: ایک خبر کا، اور دوسرا شہادت کا۔ اس اعتبار سے اس میں قضاء کا پہلو نمایاں ہے، جو شہادتیں وصول کر کے ان کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کا فیصلہ کرتی ہے۔ [۲]

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ: ”رسول اللہ ﷺ نے ابن عمرؓ کی (اکیلی) شہادت پر روزہ رکھا تھا، اور ایک مرتبہ ایک اعرابی کی (تہاء) شہادت پر بھی روزہ رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کی خبروں پر اعتماد کیا تھا، اور انہیں لفظِ ’شہادت‘ کا مکلف نہیں ٹھہرایا تھا۔ پس اگر یہ معاملہ باب الاخبار سے ہو تو آپ ﷺ نے رمضان کی روایت کے اثبات کے لئے خیر واحد ہی کافی سمجھی تھی۔ اور اگر اس کا تعلق شہادت سے ہو، تو بھی آپ ﷺ نے شاہد کو لفظِ ’شہادت‘ کا مکلف نہیں ٹھہرایا تھا۔“ [۳]

اس بارے میں امام خطابیؒ بھی فرماتے ہیں کہ: ”بعض نے یہ دُعا کیا ہے کہ روایتِ ہلال کا تعلق باب الاخبار سے ہے، لہذا اس کے ساتھ دوسری شہادتوں والا معاملہ نہ کیا جائے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ماہِ رمضان کی روایتِ ہلال کے لئے ایک شہادت مقبول ہے، اور اسی طرح ماہِ شوال میں بھی اس کا مقبول ہونا واجب ہے؟ میں کہتا ہوں کہ اگر روایت کا معاملہ باب الاخبار سے ہوتا تو اس بارے میں یہ کہنا بھی جائز ہوتا کہ: ’اُخبرنی فلان، انه رأى الهلال‘ (مجھے فلاں نے خبر دی کہ اس نے ہلال دیکھا ہے)۔ لیکن جب دوسرے شخص سے روایتِ ہلال کی حکایت جائز نہیں ہے، تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معاملہ باب الاخبار سے نہیں ہے۔ اور اس کی دلیل گواہ کا بالخصوص یہ کہنا ہے کہ: ’أشهد انی رأیت هلال رمضان‘ (میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ہلالِ رمضان دیکھا ہے)۔ جہاں تک شہادت کے برخلاف روایتِ ہلال میں ایک عادل کی گواہی کے مقبول ہونے کا تعلق ہے تو علماء کی ایک جماعت کے نزدیک یہ کافی ہے۔ ان علماء نے ابن عمرؓ کی حدیث سے حجت پکڑی ہے، جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ: میں نے

[۱]۔ عون المعبود ۲/۲۷۴ و تحفة الأحوذی ۲/۳۳ [۲]۔ انظر الفروق، ص ۸-۱۵

[۳]۔ زاد المعاد ۳۶/۳۷

رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ: میں نے ہلال دیکھا ہے، تو آپ ﷺ نے لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا، الخ۔“ [۱]

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ: ”بعض علماء کے نزدیک رویت ہلال کی شہادت کا تعلق باب الاخبار سے ہے۔ لیکن امام شافعیؒ نے اس بارے میں مسلک الاخبار کو اختیار نہیں کیا، بلکہ وہ لفظ ”شہادت“ کی شرط لگاتے ہیں، اور قول: ”اخبرنی فلان، عن فلان، انه رأى الهلال“ کو اثبات کے لئے کافی نہیں سمجھتے۔“ [۲]

امام ابن قدامہ المقدسیؒ فرماتے ہیں کہ: ”رویت ہلال کی شہادت میں خبر سے فرق واختلاف ہے۔ خبر میں خبر (خبر دینے والے) کے قول کو قبول کیا جاتا ہے، خواہ کوئی دوسرا شخص خبر کی طرف سے خبر دے رہا ہو، یا خود خبر فلان عن فلان روایت کرے۔ لیکن رویت ہلال کی شہادت میں یہ چیز مقبول نہیں ہوتی، لہذا ان دونوں کے مابین فرق واضح ہوا۔“ [۳]

جب خبر مبلغ تو اتار تک پہنچ جائے تو شہادت کی ضرورت باقی نہیں رہتی: جب ہلال ہونے کی خبر تو اتار کے درجہ کو پہنچ جائے تو اس بارے میں کسی گواہی کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی، چنانچہ علامہ ابن رشدؒ فرماتے ہیں: ”واذا بلغ الخبر مبلغ التواتر، لم يحتج فيه الى شهادة۔“ [۴]

رویت ہلال کے اثبات میں حاکم بطریقہ الاخبار فیصلہ نہ کرے: حدیث ابن عباسؓ کے متعلق امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ: ”اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ جو شخص ماہ رمضان کے ہلال کی رویت کا حکم جاری کرتا ہو وہ بطریقہ الاخبار اس کا فیصلہ کرے، اور اسے احکام شہادت پر محمول نہ کرے۔“ [۵]

لیکن میں کہتا ہوں کہ یہاں امام خطابیؒ کے قول سے مراد یہ ہے کہ عام شہادتوں کی طرح ہلال رمضان کی رویت کی شہادت کے نصاب میں نہ تو دو گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے، اور نہ ہی یہ کہ حاکم نے محض کسی سے رویت کی خبر سنی، اور بلا تحقیق اس پر فیصلہ صادر کر دیا۔

[۱]۔ کذا فی عون المعبود ۲۷۳/۲-۲۷۴ [۲]۔ شرح السنة ۶/۲۳۴ [۳]۔

المغنی ۱۵۹/۳ [۴]۔ بدایۃ المجتہد ۲۸۸ [۵]۔ کذا فی عون المعبود

دورِ حاضر میں جہاں تک شہادتِ ہلال کا معاملہ ہے تو اس کی جانچ پر کھ ان علماء کا ذمہ ہے جو اس کام کے لئے مفوض ہوں۔ جن علاقوں میں رویتِ ہلال کمیٹیوں کا اہتمام ہے، وہاں اس کمیٹی کے ذمہ داران ہی اس بات کا فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں کہ رویتِ ہلال کی جو شہادتیں میسر آئی ہیں وہ کس حد تک قابلِ قبول، یا قابلِ رد ہیں، اور آیا ان کی بنیاد پر رویت کا فیصلہ کہاں تک درست، یا غلط ہو سکتا ہے؟ ہلال کمیٹیوں کے قیام کی ضرورت، ان کے دائرہ کار، اور وسائل و اختیارات وغیرہ کے بارے میں بعض ضروری مشورے ان شاء اللہ آگے ”رویتِ ہلال کے سلسلہ میں بعض اہم تجاویز“ کے زیرِ عنوان پیش کئے جائیں گے، وبالله التوفیق۔

شہادت میں گواہوں کی عدالت، اور صداقت لہجہ کی چھان بین کی ضرورت: امام خطابی فرماتے ہیں کہ: ”ابن عباسؓ کی حدیث میں ان لوگوں کے لئے بھی دلیل موجود ہے جو دراصل مسلمان کی عدالت کے قائل ہیں۔ کیونکہ اس اعرابی سے اسلام کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں طلب کی گئی تھی، اور نہ ہی اس کے بعد اس کی عدالت اور صدق لہجہ وغیرہ کی چھان بین کی گئی تھی، اتنی۔“ [۱]

علامہ شوکانی امیر مکہ حارث بن حاطب کی حدیث کے لفظ: ”شاهدا عدل“ کے متعلق لکھتے ہیں کہ: ”اس میں روزہ کی شہادت کے لئے عدالت کے اعتبار کی دلیل موجود ہے۔ یہ چیز ان لوگوں کے معارض ہے جو ابن عباسؓ کی اعرابی والی (سابقہ) حدیث سے استدلال کرتے ہوئے عدالت کو شرط نہیں مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اعرابی کی جانچ پڑتال نہیں کی تھی، بلکہ اس سے مجرد شہادتیں کا اقرار کروایا تھا۔ لیکن اس کا جواب میں یہ دیتا ہوں کہ اس اعرابی نے اسی وقت اسلام قبول کیا تھا، اور چونکہ اسلام سابقہ حالت کو مٹا کر اس پر غالب آ جاتا ہے، اس لئے وہ اعرابی بھی مجرد کلمۃ اسلام کے اقرار سے عادل ہوا، الخ۔“ [۲]

میں کہتا ہوں کہ شاید رویت کے لئے اسلام کے ساتھ عادل، عاقل، بالغ، قوی البصر، نیک خصال اور صادق اللسان ہونا بھی ضروری ہے، کیونکہ سواِ اعظم کی عبادتوں کو محض کسی فاسق و فاجر، منافق و کذاب، یا عديم البصارت اور مجنون کے قول کی صلیب پر چڑھا دینا نہایت

بداندیشی کی بات ہوگی۔ اس بارے میں میرا استدلال قرآن کریم کے اس فرمان سے ہے: ﴿إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ [۱] (ترجمہ: اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے، تو تم اچھی طرح اس کی تحقیق کر لیا کرو)۔ اس لئے شاہد کی عدالت و صدق وغیرہ کی چھان بین ضروری ہے۔ البتہ آج کل شہر کے معزز، معروف اور قابل اعتماد مسلمانوں سے بھی نکاح اور رویت ہلال کی شہادت کے موقعوں پر کلمہ شہادت پڑھوانے کے بعد گواہی لینے کا جو رواج چل پڑا ہے میں اسے قطعاً لغو اور عبث سمجھتا ہوں۔ البتہ اگر کوئی مستور الحال شخص گواہی کے لئے حاضر ہو، جس کے مسلم یا غیر مسلم ہونے کا علم نہ ہو، تو اس سے توحید و رسالت کی شہادت کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔

بعض کے نزدیک غلام اور عورت کی گواہی بھی جائز، لیکن بعض کے نزدیک ناجائز ہے: امام ابنِ قدامہ المقدسیؒ فرماتے ہیں کہ: ”اگر رویت ہلال کی خبر دینے والی کوئی عورت ہو، تو قیاس مذہب کے مطابق اس کے قول کو قبول کیا جائے“۔ یہ قول امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے اصحاب کے دو مختلف اقوال میں سے ایک ہے۔ کیونکہ دراصل یہ ایک دینی خبر ہے، پس یہ خبر بھی حدیث کی روایت، یا قبلہ کی سمت، یا نماز کا وقت شروع ہونے کے متعلق خبروں کے مشابہ ہوتی۔ اس بات کا احتمال بھی ہے کہ اس کی خبر قبول نہ کی جائے، کیونکہ یہ رویت ہلال کی شہادت ہے۔ لہذا اس بارے میں ایک عورت کا قول ہلالی شوال کی خبر ہی کی طرح قبول نہ کیا جائے۔“ [۲]

آں رحمہ اللہ ہلالی شوال کے اثبات کے متعلق ایک اور مقام پر مزید فرماتے ہیں کہ: ”ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی، اور نہ ہی منفرد عورتوں کی شہادت قبول کی جائے گی، خواہ تعداد میں وہ بکثرت ہی ہوں۔“ [۳]

لیکن امام خطابیؒ شہادت رویت پر ابنِ عمرؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”ومن ذهب إلى هذا الوجه، أجاز فيه المرأة والعبد۔“ [۴]

آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ”امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ ہلالی رمضان پر ایک عادل مرد کی شہادت کو جائز قرار دیتے ہیں، اگرچہ وہ غلام ہو۔ اور اسی طرح وہ اسکی عورت کی شہادت کو بھی جائز بتاتے ہیں، خواہ وہ باندی ہی ہو۔ لیکن ہلالی فطر کے لئے یہ

[۱]۔ الحجرات: ۶۔ [۲]۔ المغنی ۱۵۹/۳ [۳]۔ المغنی ۱۵۹/۳ [۴]۔ کذا فی عون

دونوں حضرات اسے جائز نہیں سمجھتے۔ جب کہ اس بارے میں امام شافعی عورتوں کی شہادت کو سرے سے ہی جائز نہیں سمجھتے، الخ۔“ [۱]

امام بغوی فرماتے ہیں: ”جو علماء قول واحد سے ہلالی رمضان کی رویت کے ثبوت کی طرف گئے ہیں، ان کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا اس بارے میں غلام اور عورت کی گواہی قبول کی جائے گی؟ بعض علماء اس کے قابل قبول ہونے کی طرف گئے ہیں..... لیکن دوسرے علماء اس طرف گئے ہیں کہ ایک عادل آزاد مرد کے قول ہی سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔ یہ امام شافعی کا قول ہے۔“ [۲]

[۲]۔ شرح السنة ۶/۲۴۳

[۱]۔ کذا فی عون المعبود ۲/۲۷۴

غیر معتدل علاقوں میں رویتِ ہلال کا مسئلہ

شیخ محمد امین اثری رحمانی مبارکپوریؒ ”غیر معتدل علاقوں میں روزہ کا مسئلہ“ کے زیر عنوان لکھتے ہیں: ”کرۃ الارض کے وہ علاقے جو شمال میں ۸۵ درجہ عرض البلد (Latitude) پر واقع ہیں وہاں موسم گرما میں سورج طلوع ہونے کے بعد ۱۶۳ دن تک غروب نہیں ہوتا، اور موسم سرما میں رات ۱۵۰ روز کے بقدر طویل ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ علاقے جو ۹۰ درجہ عرض البلد پر واقع ہیں وہاں ایک دن کا وقفہ ۱۸۹ روز کے برابر، اور ایک رات ۱۷۶ راتوں کے برابر ہوتی ہے۔ قطب جنوبی کے علاقوں میں بھی ایک دن ۱۸۷ روز کے برابر، اور ایک رات ۱۸۳ راتوں کے برابر ہوتی ہے۔ ۶۷ درجہ عرض البلد پر واقع بعض ممالک، مثلاً کنیڈا، الاسکا، گرین لینڈ، آئس لینڈ، شمالی سوئیڈن، فنلینڈ، ناروے، شمالی روس اور سائبیریا، کے علاقوں کے شب و روز کا نظام بھی دنیا کے عام معتدل علاقوں سے مختلف ہے۔ ۶۰ تا ۵۸ درجہ عرض البلد پر واقع ممالک میں یکم کی تا ۱۵ مئی شفق غائب ہی نہیں ہوتا۔ اسی طرح ۶۰ تا ۵۳ درجہ عرض البلد کے علاقوں میں ۱۵ مئی تا اختتام مئی شفق غائب نہیں ہوتا۔ اور بعض علاقوں میں جون، جولائی اور اگست کی بعض تاریخوں میں شفق غائب ہونے سے قبل ہی طلوع شمس کی ابتداء ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان غیر معتدل علاقوں میں نماز روزہ کی ادائیگی اس طرح ممکن نہیں ہو سکتی جس طرح کہ دنیا کے معتدل علاقوں میں ممکن ہے۔ پس ان علاقوں کے باشندگان، یا سیاحت و تجارت، اور تحقیق کی اغراض سے وہاں جانے والے مسلمانوں کے لئے کسی استثنائی حکم کی رعایت ضروری ہے۔

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ من لم یجد وقتہا، لم یجب، یعنی جن کو ان کا وقت نہ ملے ان پر یہ چیزیں فرض نہ ہوں گی۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ رائے صاحب نہیں ہے، کیونکہ ایسے علاقوں کے باشندوں کے لئے بھی شریعت کے عمومی احکام اسی طرح فرض ہیں جس طرح تمام لوگوں کے لئے ہیں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ان احکام کی ادائیگی کے لئے وقت کی وہ پابندی ان کے حق میں لازم نہ ہوگی جو دنیا کے معتدل علاقوں میں رہنے والے لوگوں کے لئے ہے۔

حضرت نواس بن سمان الکلابی سے مروی حدیث میں ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے قیامت کے قریب دجال کے نکلنے کی پیشین گوئی فرمائی تو صحابہ میں سے کسی نے دریافت کیا کہ: اس کے روئے زمین پر رہنے کی مدت کس قدر ہوگی؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: چالیس دن جس میں سے ایک دن ایک سال کے برابر، ایک دن ایک ماہ کے برابر، ایک دن ایک ہفتہ کے برابر، اور باقی ایام تمہاری شب و روز کی طرح ہی ہوں گے۔ یہ سن کر صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ: 'فذلک الیوم الذی کسنة، أنکفینا فیہ صلوٰۃ یوم؟ قال: لا اقدر و لا قدرہ،' الخ۔ (ترجمہ: وہ دن جو ایک سال کے برابر ہوگا، کیا اس میں صرف ایک دن کی نماز ہی کافی ہوگی؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: نہیں، تم اس کے اوقات کا اندازہ کر لیا کرنا، الخ)۔ [۱]

امام نوویؒ اقدر و لا قدرہ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: فجر پڑھیں، اور جب طلوع فجر اور ظہر کے درمیانی وقت کا عرصہ گزر جائے تو نماز ظہر پڑھیں، اور جب ظہر و عصر کے درمیانی وقت کا عرصہ گزر جائے تو نماز عصر پڑھیں، اور پھر عصر اور مغرب کے درمیانی وقت کا عرصہ گزرنے پر نماز مغرب پڑھیں، اور اسی طرح ہی عشاء، پھر فجر، پھر ظہر، پھر عصر، پھر مغرب۔ نمازوں کا یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا، یہاں تک کہ وہ دن ختم ہو جائے۔ [۲]

اس حدیث کی روشنی میں اگر زیر بحث مسئلہ کا حل ڈھونڈا جائے تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ وہ علاقے جہاں شب و روز کا انتظام دنیا کے معتدل علاقوں سے مختلف ہے وہاں جو بیس گھنٹوں کے حساب سے، یا قریب تر معتدل علاقہ پر قیاس کر کے نماز و روزہ کی ادائیگی کی جائے گی، واللہ اعلم بالصواب۔ [۳]

میں کہتا ہوں کہ جہاں تک ان غیر معتدل علاقوں میں رمضان و شوال کے ہلال کی رویت کا مسئلہ ہے تو وہاں ان علاقوں کے قریب تر معتدل علاقوں کی رویت کا اعتبار کیا جانا زیادہ قرین قیاس ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

علمائے احناف میں سے شیخ بدر الحسن قاسمی وغیرہ نے بھی تقریباً یہی موقف اختیار کیا

[۱]۔ رواہ مسلم مع شرح النووی ۶۵/۹ و الترمذی مع التحفة ۲۳۵/۳۔ ۲۳۶

[۲]۔ شرح النووی علی مسلم ۶۶/۹ و کذا فی تحفة الأحوذی ۲۳۶/۳ [۳]۔ روزہ۔

احکام و مسائل، ص ۶۱-۶۲، تصوف لیبیر

[۱]۔

واضح رہے کہ امریکی ماہر فلکیات جناب خالد شوکت صاحب نے دنیا کے بیشتر ممالک کے ساتھ قطبی علاقوں، یعنی ناروے (Norway) اور الاسکا (Alaska) وغیرہ کے لئے بھی نمازوں کی توقیت کا چارٹ مرتب کیا ہے۔ جب راقم نے اس بارے میں آں موصوف سے بذریعہ ای۔ میل استفسار کیا کہ آپ نے ان ممالک کے اوقات نماز کے لئے کس قریبی معتدل علاقہ کے نظام اوقات کو اپنا معیار بنایا ہے؟ تو آں جناب نے جواباً لکھا کہ: ”میں نے اس مخصوص جگہ کے عرض البلد اور طول البلد کا استعمال کیا ہے۔ جن تاریخوں میں ان مقامات پر نہ سورج طلوع ہوتا ہے، اور نہ غروب ہوتا ہے، ان دنوں کی نماز کے اوقات کی تعیین کے لئے میں نے ان دنوں پر قیاس کیا ہے جن میں کہ سورج طلوع ہوتا ہے، اور غروب بھی ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ میں اس قریبی جگہ کے وقت کو استعمال کرتا ہوں جہاں کہ سورج باقاعدہ طلوع و غروب ہوتا ہے۔ یہی چیز نماز فجر و عشاء کی تعیین کے لئے بھی ہے۔ بہت بلند عرض البلد والے علاقوں میں نماز فجر و عشاء کی تعیین کے لئے میں نے رات کے ساتویں حصہ کے قانون کو استعمال کیا ہے۔“ [۲]۔

واضح رہے کہ ”رات کے ساتویں حصہ“ کے جس قانون کا اوپر تذکرہ ہوا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ غروب آفتاب اور طلوع شمس کے دوران رات کے وقفہ کو سات برابر حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جسے ”سبع اللیل“ کہتے ہیں۔ عشاء کی نماز کا وقت پہلے حصہ کے بعد شروع ہوتا ہے اور فجر کی نماز کا وقت چھٹے حصہ کے ختم ہونے پر شروع ہوتا ہے۔

اس فن پر ایک اور برطانوی صاحب بصیرت ڈاکٹر منظور احمد صاحب نے Prayer Time Calculator v2.5 نامی ایک کمپیوٹر پروگرام تیار کیا ہے جس کی مدد سے دنیا کے کسی بھی خطہ کے نماز کے اوقات، اور وہاں سے قبلہ کی سمت کو بہ آسانی معلوم کیا جاسکتا ہے۔ یہ پروگرام انٹرنیٹ کے مواقع <http://www.starlight.demon.co.uk/ptc> اور <http://www.ummah.net/astronomy/saltime> پر موجود ہے، اور

[۱]۔ انظر عصر حاضر کے فقہی مسائل ص ۲۰-۲۵، جدید فقہی مسائل ص ۸۵-۸۶ [۲]۔ مراسلہ بتاريخ ۱۷ مئی ۲۰۰۳ء

وہاں سے حاصل (Download) کیا جاسکتا ہے۔ اس پروگرام میں استعمال ہونے والی چند گراف کی جھلکیاں قارئین کی دلچسپی اور فائدہ کے پیش نظر ضمیمہ کی شکل نمبر (۸) تا (۱۴) میں، اور اسی طرح بعض اہم معادلات کی جھلکیاں ضمیمہ کی شکل نمبر (۳۱) میں پیش کی گئی ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ مذکورہ بالا ”چارٹ“ اور کمپیوٹر پروگرام کی مدد سے، بشرطِ صحت، تمام غیر معتدل ممالک کے لوگ اپنے سحر و افطار کے اوقات، نیز قمری مہینوں کی ابتداء و انتہاء کی تعیین کر سکتے ہیں، واللہ اعلم۔

سعودی عرب میں رویتِ ہلال کا اہتمام

ماضی میں بعض ہندوستانی و پاکستانی اخبارات اور رسالوں میں یہ خبر گاہے بگاہے شائع ہوتی رہی ہے کہ سعودی عرب میں رویتِ ہلال کا اعلان ماہرینِ فلکیات کے حساب و اعداد کی روشنی میں اور مشینی آلات، مثلاً کمپیوٹر کے برنامج (Computer Softwares)، عدسات، رصد گاہوں کی طاقتور دوربینوں وغیرہ کی مدد سے کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ماہنامہ ”الفرقان“، لکھنؤ، مجریہ ماہ جنوری ۱۹۸۳ء میں شائع شدہ جناب ضیاء الدین لاہوری صاحب وغیرہ کے مضمون میں اسی مفروضہ، بلکہ غلط بیانی، کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ بات سراسر بے بنیاد اور اس دیا تو حید کو بدنام کرنے کی ایک نہایت قبیح سازش ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر شیخ عبداللہ عباس ندوی حفظہ اللہ (سابق استاذ، جامعۃ اُمّ القریٰ، مکۃ المکرمۃ) کا ایک پرانا مضمون بلا تبصرہ پیش خدمت ہے۔ یہاں اس مضمون کو نقل کرنے سے راقم کی غرض صرف یہ ہے کہ لاکھوں انسانوں کے روزوں اور حج کو مشتبہ قرار دینے والی افتراء پر دازی کی تردید ہو جائے، اور بندگانِ الہی کو اس بارے میں حقیقت کے علم کے ساتھ فکری اطمینان بھی حاصل ہو جائے، وباللہ التوفیق۔

ڈاکٹر صاحب موصوف ”سعودی عرب میں رویتِ ہلال“ کے زیر عنوان اللہ تعالیٰ کی حمد، اور رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام، کے بعد لکھتے ہیں: ”مملکتِ سعودی عرب میں رویتِ ہلال کا فیصلہ اور اعلان چشمِ سر سے چاند دیکھنے والوں کی شہادت کی بناء پر ہوتا ہے۔ اور شہادتیں صرف ان لوگوں کی قبول کی جاتی ہیں جن کے ثقہ اور معتبر ہونے کا یا تو قاضی کو براہِ راست علم ہو، یا اس کے ثقہ ہونے کی شہادت ایسے معتبر لوگ دیں جن کی دیانت و امانت قاضی کو معلوم ہو۔ وہ شخص جو شاہد کے ثقہ ہونے کی تصدیق کرتا ہے اس کو ”مزنکی“ کہتے ہیں، چنانچہ وہاں عدالتوں میں گواہ کے ساتھ مزگی بھی پیش ہوا کرتا ہے۔

جیسا کہ سب جانتے ہیں شریعت میں گواہی دو آدمیوں کی قبول کی جاتی ہے، سعودی عرب میں دو گواہوں کے ساتھ دو مزگی بھی ہوتے ہیں۔ چاند کے سلسلہ میں اور خصوصاً رمضان، عید اور حج

کے مہینوں کے چاند میں تحقیق و تہری کا اہتمام معمول سے زیادہ سختی کے ساتھ ہوتا ہے۔ عام طور پر دو گواہ نہیں، بلکہ ایک جماعت آ کر قاضی کے سامنے گواہی دیتی ہے۔ ان میں ثقہ اور معتبر لوگوں کے بیانات قلمبند ہوتے ہیں۔ اکثر ان سے جرح بھی کی جاتی ہے، پھر ان شہادتوں کو قاضی القضاۃ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اس کی تصدیق کے بعد معاملہ ولی الامر (بادشاہ) کے سامنے پیش ہوتا ہے۔ بادشاہ وقت کی توثیق کے بعد اس کا اعلان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مہینوں کے چاند کا اعلان متصلاً مغرب کے بعد کبھی نہیں ہوا۔ ہمیشہ کئی گھنٹے کی تاخیر سے خبر آتی ہے کہ رویت ثابت ہوگئی، یا رویت ثابت نہیں ہوئی۔

لیکن سرکاری جنتری (تقویم ام القری) یقیناً حساب کی روشنی میں تیار کی جاتی ہے، اور علمائے فلکیات کی ایک کمیٹی ہے جو ہر سال اس کو تیار کرتی ہے۔ موجودہ عالم فلکیات جس کی سرکردگی میں یہ کام ہوتا ہے اس کا نام الاستاذ عبدالرحیم اور لیس کلنتی ہے۔ تمام سرکاری، دفتری اور تعلیمی اداروں میں اسی جنتری کی بناء پر عمل درآمد ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ وہاں صرف اسلامی (قمری) تاریخ پر عمل ہوتا ہے۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ واقعی رویت ہلال سے جو تاریخ متعین ہوتی ہے، اس سے یہ جنتری جو حساب کی بنیاد پر تیار ہوتی ہے، دونوں میں اختلاف رہتا ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ آج تقویم کے لحاظ سے یہ تاریخ ہے، اور رویت کے اعتبار سے یہ تاریخ ہے۔

یہ بات کسی ظن و تخمین یا اندازہ کی بنیاد پر نہیں، بلکہ برہا برس کے عینی مشاہدہ اور بلا واسطہ معلومات کی بنیاد پر عرض کر رہا ہوں۔ اس بات کا امکان عقلی تو ہو سکتا ہے کہ رویت کی شہادت دینے والے، اور ان کا ترکیہ کرنے والے سب کے سب جھوٹ پر متفق ہو گئے ہوں، اور اس وجہ سے وہاں کی تاریخیں غلط ہوتی ہوں۔ لیکن یہ بات خلاف واقعہ ہے کہ وہاں عید اور رمضان اور ذی الحجہ کی رویت کا اثبات کمپیوٹر کے حساب پر یا قرآن شمس و قمر کے مفروضہ پر کیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک بات اور وضاحت طلب ہے کہ مکہ مکرمہ میں چاند کہاں اور کیسے دیکھا جاتا ہے، جب کہ وہ پہاڑیوں سے گھری ہوئی ایک وادی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زمانہ

قدیم میں مکہ مکرمہ کی ایک اونچی پہاڑی کی چوٹی پر سے لوگ چاند دیکھنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔
 ٹرکوں نے وہاں ایک مسجد بنادی تھی جس کا نام مسجد الہلال پڑ گیا تھا۔ ناواقف جاج اس کو مسجد
 بلال کہتے تھے۔ اس پہاڑی کے علاوہ بحر مکہ (جو بیشہ یمن کے رُخ پر ۳۰ کلومیٹر دور ہے) اس کے
 ساحل سے بھی چاند دیکھے جاتے ہیں۔ شمال مکہ میں تبوک و معان تک ایک ہی افق ہے، وہاں
 سے بھی چاند دیکھنے کی اطلاع آیا کرتی تھی۔ اب پورے سعودی عرب میں ہر شہر میں چاند دیکھنے
 کی جگہیں مقرر ہیں، اور لوگ کوشش بھی کرتے ہیں، خاص طور پر رمضان اور عید کے چاند دیکھنے
 کی کوشش کرنے والوں کو میں نے خود دیکھا ہے، تاکہ وہ دوسروں کو دکھا کر اپنی سبقت کو قاضی سے
 بتا سکیں۔۔۔۔۔

بہر حال یہ مفروضہ اپنی جگہ پر قطعاً صحیح نہیں ہے کہ سعودی عرب میں اب، یا کبھی بھی،
 رویت کا اعلان حساب و اعداد کی روشنی میں مشینی (کمپیوٹر) یا غیر مشینی ذریعہ سے کیا گیا ہے۔ ہاں
 کسی اور سبب سے غلطی ہو رہی ہو اس کا امکان عقلی ہو سکتا ہے، ولا از تکی علی اللہ احداً۔

[۱]

میں کہتا ہوں کہ اس سلسلہ میں بعض مغربی ماہرین فلکیات کا ایک تازہ دعویٰ یہ
 سامنے آیا ہے کہ: ”سعودی عرب میں علم فلکیات اور ریاضی کی بناء پر پہلے سے ہی تیار کردہ
 سرکاری اسلامی جنتری استعمال ہوتی ہے، جسے بعض اوقات اسلامی مہینوں (بالخصوص رمضان،
 شوال، ذوالحجہ اور محرم) کے مطابق بنادیا جاتا ہے۔ اگر بالفرض اس جنتری کے مطابق ماہ شعبان یا
 رمضان ۲۹ دن کا ہو، اور اس دن رویت ثابت نہ ہو، تو اس جنتری کے مطابق ۳۰ تاریخ مکمل
 ہو جانے پر سرکاری طور پر ماہ رمضان یا شوال کے شروع ہونے کا اعلان کر دیا جاتا ہے، اگرچہ اس
 ۳۰ تاریخ کو بھی بالفعل رویت نہ ہوئی ہو۔ قمری ماہ کے ۳۰ دن مکمل ہو جانے کی اس دلیل کا
 استعمال اس وقت بھی کیا جاتا ہے جب کہ چاند کی ولادت ہی نہ ہوئی ہو۔ کبھی غلطی اس باعث بھی
 ہو جاتی ہے کہ رویت ہلال کی گواہی دینے والوں کو اصلاً افق پر کسی دوسری چیز کو دیکھ کر ہلال
 دیکھنے کا دھوکہ ہو جاتا ہے۔“ [۲]

[۱]۔ ماہنامہ ”الفرقان“، لکھنؤ مجریہ ماہ اگست ۱۹۸۳ء و ماہنامہ ”المنیات“، کراچی ج ۴۳، ش ۳، ص ۱۸۔ ۲۷،
 مجریہ ماہ جنوری ۱۹۸۴ء مختصراً [۲]۔ ماخذ: انٹرنیٹ

راقم نے اس تازہ دعویٰ کی حقیقت جاننے کے لئے مملکت کے بعض ذمہ دار حضرات سے رابطہ قائم کیا ہے۔ جہاں تک راقم کو علم ہو سکا اس کے مطابق یہ دعویٰ بھی قطعاً بے بنیاد ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ سرکاری تقویم کی تیاری کے لئے سعودی ماہرین کے جس معیار کو اپنانے کا تذکرہ بعض مغربی ماہرین فلکیات نے کیا ہے وہ درست ہو، فرماتے ہیں کہ: ”میں تقریباً گزشتہ بیس سالوں سے ان کے اعلانات کا مراقبہ (Monitor) کر رہا ہوں۔ بالاستمرار کرہ ارض پر ہر جگہ سے قبل ان کا مہینہ شروع ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ قبل از وقت تیار کردہ ایک حسابی جنتری استعمال کرتے ہیں جو کہ نئے چاند (جو کہ ناقابل دید ہوتا ہے) کی بنیاد پر تیار کی جاتی ہے۔ میرے پاس ان کے تیس سال کی جنتریوں کا نسخہ موجود ہے۔ ان کا ہر مہینہ گرینچ کے اوسط وقت (GMT یا Greenwich Mean Time)، جواب عالمگیر وقت (UT یا Universal Time) کہلاتا ہے، کے مطابق نئے چاند کی تاریخ سے ایک دن بعد شروع ہوتا ہے، الخ“۔ [ماخذ: انٹرنیٹ]

واضح رہے کہ اوپر سعودی سرکاری جنتری کی ترتیب دینے والی جس کمیٹی کا تذکرہ آیا ہے وہ وقت حاضر میں مدینۃ الملک عبدالعزیز للعلوم والتقنیۃ، بالرياض (KACST یا King Abdul Aziz City of Science & Technology) کے تابع ہے، جس میں علوم فلکیات اور جغرافیہ کی ریسرچ سے متعلق ایک مستقل معہد للبحوث (Research Institute) قائم ہے، اور یہی معہد جامعۃ أم القریٰ کو تقویم کے بارے میں جملہ تکنیکی معلومات (Technical Information) فراہم کرتا ہے۔ اس معہد کے سابق عمید ڈاکٹر صالح الصعب چند سالوں سے چھ رکنی سعودی رؤیت ہلال کمیٹی کے مستشار (Consultant) ہیں۔ رؤیت ہلال کمیٹی کے علاقائی مراکز (Zonal Centers) مکہ مکرمہ، ریاض، القصیم، حائل، تبوک اور عسیر نامی شہروں میں قائم ہیں۔ جہاں تک تقویم أم القریٰ تک رسائی کا تعلق ہے تو یہ جنتری (Calendar) مدینۃ الملک عبدالعزیز للعلوم والتقنیۃ، بالرياض کے معہد بحوث الحاسب والإلكترونیات (Computers & Electronics Research

Institute) کے مشرف (Supervisor) ڈاکٹر فائز بن عبداللہ الحرقان و نائب مشرف
 ڈاکٹر محمد بن ابراہیم الکسہیل کے زیر نگرانی انٹرنیٹ (Internet) کے موقع (Site:)
<http://www.ceri.kacst.edu.sa> پر ہمیشہ موجود اور قابل وصول رہتی ہے۔

اختلاف مطالع

”مطلع“ کے معنی ”ہلال کے طلوع ہونے کی جگہ“ ہیں۔ اختلاف مطالع سے مراد یہ ہے کہ دنیا کے مختلف خطوں میں ہلال کے طلوع ہونے، نظر آنے کی جگہ، اور اوقات مختلف ہوتے ہیں۔ لہذا یہ ممکن ہے کہ ایک جگہ ہلال نمودار ہو، اور دوسرے مقام پر نہ ہو۔ ایک شام ایک جگہ ہلال کی رویت ہو، اور دوسری جگہ اگلی شام کو ہو۔ سادۂ شافعیہ میں سے شیخ قلیوٹی بیان کرتے ہیں کہ: ”اختلاف مطالع کا معنی یہ ہے کہ کسی مقام پر شمس یا قمر یا کوکب کا طلوع و غروب دوسرے مقام سے قبل یا تاخیر سے ہوتا ہو، چنانچہ کسی شہر میں رویت دوسرے شہر کے مقابلہ میں پہلے یا تاخیر سے ہو“۔ [۱]

زمانہ قدیم ہی سے اختلاف مطالع محدثین اور فقہاء کے نزدیک ایک معرکہ الآراء مسئلہ رہا ہے۔ موجودہ دور کے تیز تر ذرائع ابلاغ کے سبب آج ایک عامی شخص بھی اس حقیقت سے لاعلم نہیں ہے کہ پوری دنیا میں ہلال کا مطلع، یا طلوع و ظہور کا وقت ایک نہیں ہے۔ کسی مقام پر ہلال سر شام ہی نظر آ جاتا ہے، تو کسی دور افتادہ مقام پر اس شام سرے سے ہلال نظر نہیں آتا۔ لہذا یہ ضروری نہیں ہے کہ جس شام کو سعودیہ یا کویت، یا دوسرے خلیجی ممالک میں رویت ہلال ہو، اُسی شام ہندوپاک اور بنگلہ دیش و برما، یا انڈونیشیا و ملیشیا اور فلپائن وغیرہ میں بھی رویت ہو۔

جناب خالد سیف اللہ رحمانی صاحب (فاضل دیوبند) لکھتے ہیں کہ: ”..... یہاں دو سوالات ہیں: ایک یہ کہ ’اختلاف مطالع‘ پایا جاتا ہے یا نہیں؟ دوسرے اگر پایا جاتا ہے تو اس کا اعتبار بھی ہوگا یا نہیں؟ پہلا مسئلہ اب نظری نہیں رہا، بلکہ یہ بات مشاہدہ اور تجربہ کی سطح پر ثابت ہو چکی ہے کہ دنیا کے مختلف علاقوں میں مطالع کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے بعض مقامات ایسے ہیں جن کے درمیان بارہ بارہ گھنٹوں کا فرق ہے۔ عین اس وقت جب ایک جگہ دن اپنے شباب پر ہوتا ہے، تو دوسری جگہ رات اپنا آدھا سفر طے کر چکی ہوتی ہے۔

ٹھیک اس وقت جب ایک مقام پر ظہر ہوتی ہے، دوسری جگہ مغرب کا وقت ہو چکا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے ان حالات میں ان کا مطلع ایک ہو ہی نہیں سکتا۔ فرض کیجئے کہ جہاں مغرب کا وقت ہے، اگر وہاں چاند نظر آئے، تو کیا جہاں ظہر کا وقت ہے وہاں بھی چاند نظر آ جائے گا؟ یا اس کو مغرب کا وقت تسلیم کر لیا جائے گا؟

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اس مطلع کا اختلاف معتبر بھی ہوگا یا نہیں؟ احناف کا مشہور مسلک یہی ہے کہ اختلافِ مطلع کا اعتبار نہیں ہے۔ یعنی اگر مشرق کے کسی خطہ میں چاند نظر آیا، تو وہ مغربی خطوں کے باشندوں کے لئے بھی حجت ہوگا۔ اور یہی روایت ان کے لئے عیدین و رمضان ثابت کرنے کو کافی ہوگی۔ امام شافعیؒ اور کچھ دوسرے فقہاء کے یہاں اس اختلافِ مطلع کا اعتبار ہے، اور ان کے یہاں ایک مقام کی روایت دوسرے مقام کے لئے بھی روایت اور چاند دیکھے جانے کی دلیل نہیں ہے۔ وہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن ابن عباسؓ کی جس روایت کو وہ اپنی دلیل بناتے ہیں وہ ان کے نقطہ نظر کے لئے صریح اور دو ٹوک نہیں ہے۔ البتہ یہ بات بہت واضح ہے کہ نمازوں کے اوقات میں سبھی اختلافِ مطلع کا اعتبار کرتے ہیں۔ اگر ایک جگہ ظہر یا عشاء کا وقت ہو چکا ہو، اور دوسری جگہ نہ ہوا ہو، تو جہاں وقت نہ ہوا ہو وہاں کے لوگ محض اس بناء پر ظہر و عشاء کی نماز ادا نہیں کر سکتے کہ دوسری جگہ ان نمازوں کا وقت ہو چکا ہے۔ یا اگر ایک جگہ مہینہ کا ۲۸ واں ہی دن ہے، اور دوسری جگہ ۲۹ واں، جہاں چاند نظر آ گیا تو محض اس بناء پر ۲۸ ویں تاریخ ہی پر مہینہ ختم کر کے اگلے دن رمضان یا عید نہیں کی جائے گی کہ دوسری جگہ چاند نظر آ گیا ہے۔

اس لئے یہ بات فطری اور انتہائی منطقی ہے کہ مطلع کا اختلاف، اور اسی لحاظ سے رمضان اور عید کا اختلاف تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔ فقہائے متقدمین کے دور میں اول تو معلوم کائنات کی یہ وسعت دریافت ہی نہ ہوئی تھی، اور ممالک ہی نہیں کئی براعظموں سے دنیا بے خبر اور نا آشنا تھی۔ پھر اس میں بھی مسلمان جزیرۃ العرب اور خلیجی علاقوں میں محدود تھے۔ اس وقت تک شاید یہ بات ممکن رہی ہو، اور ان کے مطلع میں اتنا فرق نہ رہا ہو کہ اس کو الگ الگ سمجھا جائے۔ اس لئے فقہاء نے ایسا کہا ہے، چنانچہ خود فقہائے احناف میں بھی مختلف محققین نے اختلاف

مطالع کا اعتبار کیا ہے۔۔۔۔۔

مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ، منعقدہ ۲۳، ۲۴، ۲۵ مئی ۱۹۶۷ء، کو مختلف مکاتب فکر کے علماء اور نمائندہ شخصیتوں نے مل کر اس مسئلہ کی بابت جو فیصلہ کیا تھا، وہ حسب ذیل ہے: (۱) نفس الامر میں پوری دنیا کا مطلع ایک نہیں، بلکہ اختلافِ مطالعِ مسلم ہے۔ یہ ایک واقعاتی چیز ہے۔ اس میں فقہاء کرام کا کوئی اختلاف نہیں ہے، اور حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (۲) البتہ فقہاء اس باب میں مختلف ہیں کہ صوم اور افطارِ صوم کے باب میں یہ اختلافِ مطالعِ معتبر ہے یا نہیں؟ محققین احناف اور علماء امت کی تصریحات اور ان کے دلائل کی روشنی میں مجلس کی متفقہ رائے ہے کہ: "بلا و بعیدہ میں اس باب میں بھی اختلافِ مطالعِ معتبر ہے"۔ (۶) مصر اور حجاز جیسے دور دراز ملکوں کا مطلع ہندوپاک کے مطلع سے علیحدہ ہے۔ یہاں کی رویت ان ملکوں کے لئے، اور ان ملکوں کی رویت یہاں والوں کے لئے، ہر حالت میں لازم اور قابلِ قبول نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان میں، اور ہندوپاک میں، اتنی دوری ہے کہ عموماً ایک دن کا فرق ان میں واقع ہو جاتا ہے، اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ"۔ [۱]

شیخ محمد عطاء اللہ حنیفؒ لکھتے ہیں کہ: "ہندوستان میں دارجلنگ، سلی گوڑی اور مدراس، میسور کے مابین بھی یہی اختلاف ممکن ہے، جو مختلف ملکوں میں ہے۔ ہندوستان ایک ہی ملک ہے، لیکن سطح کی بلندی اور شیء کا فرق واضح ہے۔ شملہ اور آبو کافق اور کلکتہ و چرائیو جی کا افق اپنے پھیلاؤ میں ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ طول البلد کا اتنا فرق ہے کہ مطلع ان سب مقامات کا ایک نہیں ہو سکتا"۔ [۲]

پہلی بات تو میں یہ کہتا ہوں کہ "دوری" یا "بعد" کی تعین وضبط کے سلسلہ میں فقہاء اور اہل علم نے متعدد آراء ظاہر کی ہیں، جس کی تفصیلات اوپر "بعد و قرب کے معانی کی تعین" کے زیر عنوان گزر چکی ہیں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ جدید علمِ فلکیات کی رو سے سطحِ سمندر یا میدانی زمینی سطح سے خواہ کتنی ہی بلندی پر اوپر جائیں (مثلاً پہاڑ کی چوٹی پر، یا ہوائی جہاز کے ذریعہ فضاء میں) اس سے رویتِ ہلال کی عمومی صورتِ حال میں کوئی زیادہ فرق نہیں پڑتا ہے، سوائے اس

[۱]۔ جدید فقہی مسائل ۱/۸۹-۹۴ مختصر، ماہنامہ "محمدت" لاہور، ج ۳۲، ش ۳، ص ۱۸-۲۱، مجریہ ماہ اپریل ۱۹۹۹ء

[۲]۔ مفت روزہ "الاعتصام" لاہور، ج ۳۶، ش ۳۲، فتاویٰ علمائے حدیث ۶/۱۶۲

چیز کے کہ چاند اور سورج کے غروب کے اوقات میں تھوڑی سی تاخیر ہو جاتی ہے، اور یہ تاخیر فی نفسہ بہت کم مددگار ثابت ہوتی ہے۔ البتہ بلندی (Elevation) پر جانے سے ایک فائدہ اس معنی میں ضرور ہوتا ہے کہ وہاں رویت (Visibility) کا امکان بہتر ہوتا ہے، کیونکہ جوں جوں بلندی بڑھتی ہے فضاء زیادہ شفاف (Transparent) ہوتی جاتی ہے، اور روشنی کی معدومی (Light Extinction) بھی کم سے کم ہوتی جاتی ہے۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ پہاڑ کی بلند چوٹیوں پر، یا ہوائی جہاز سے اوپر جا کر ۱۰ گھنٹہ پُرانا چاند بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ [۱]

حتیٰ کہ ایک مرتبہ ایک سعودی شہزادہ نے خلائی طیارہ (Rocket) کے ذریعہ فضاء کی بلندیوں میں جا کر بھی نئے قمر کو دیکھنا چاہا تھا، مگر واپس آ کر اس نے اس امر ہی کی تاکید کی کہ نولود چاند قابل دید نہ تھا۔ کیونکہ اس وقت اس کا روشن حصہ سورج کی سمت میں ہوتا ہے۔ اس وقت نہایت پیچیدہ (Sophisticated) اور طاقتور دوربینوں کی مدد سے بھی اسے نہیں دیکھا جاسکتا ہے۔ [۲]

پس شیخ محمد عطاء اللہ حنیفؒ کا مذکورہ بالا قول، یا اسی طرح جناب امین احسن اصلاحی صاحب کا یہ فرمانا بے اصل، سائنسی حقائق کے خلاف اور لاعلمی پر مبنی ہے کہ: ”اس زمانہ میں یہ مسئلہ پیدا ہو گیا ہے کہ دوربینیں میسر ہیں، نیز ہوائی جہاز میں سوار ہو کر چاند دیکھا جاسکتا ہے۔ حقیقت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو سورج اور چاند کبھی غائب نہیں ہوتے۔ وہ ہر وقت موجود ہوتے ہیں، البتہ ہمیں نظر اس وقت آتے ہیں جب وہ خاص بلندی پر ہوں۔ وہ بلندی ہماری سطح زمین سے حساب میں آئے گی، نہ کہ اوپر کی فضاء میں جا کر۔ علیٰ ہذا القیاس رویت سادہ آنکھ سے مطلوب ہے، نہ کہ دوربینوں سے۔ اگر سائنسی آلات سے مدد لی جائے، اور فضاء میں بلند ہو کر چاند دیکھنے کا اہتمام کیا جائے، تو نہ صرف قرب و جوار کے ممالک میں، بلکہ پوری دنیا میں ایک ہی دن ماہ رمضان کا آغاز اور اختتام ہو سکتا ہے۔ لیکن ایسا کرنا شریعت میں مطلوب نہیں۔ یہ

’صوموا لرؤیتہ، وافطروا لرؤیتہ‘ کی خلاف ورزی ہوگی۔ [۳]

[۱]۔ ماخذ: انٹرنیٹ [۲]۔ ماخذ: انٹرنیٹ [۳]۔ رسالہ ”تذکرہ لاہور، شمارہ ۷۰ ص ۲۰، مئی ۲۰۰۰ء

میں کہتا ہوں کہ جناب اصلاحی صاحب کے اس اقتباس میں کئی چیزیں محل نظر ہیں، لیکن چونکہ اس پر نقد و بحث ہمارا موضوع نہیں ہے، اس لئے ہم صرف ان چیزوں کی طرف اشارہ کر دینا ہی مناسب سمجھتے ہیں۔ **اولاً:** دور بینوں میں استعمال ہونے والے عدسات اور عینک کے عدسات کی ماہیت میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔ بہر حال دور بینوں کی مدد سے رؤیت ہلال کی شرعی حیثیت کے ضمن میں علامہ شیخ محمد صالح العثیمین رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ ان شاء اللہ تعالیٰ آگے ”ماہرین فلکیات کے حساب پر اعتماد کرنا عقل و شرع کی مخالفت ہے“ کے زیر عنوان پیش کیا جائے گا۔ **ثانیاً:** جہاں تک ہوائی جہاز پر سوار ہو کر ہلال دیکھنے کی حقیقت کا تعلق ہے تو یہ بھی اوپر بیان ہو چکی ہے۔ **ثالثاً:** جہاں تک پوری دنیا میں ایک ہی دن ماہ رمضان کے آغاز و اختتام کا معاملہ ہے، تو اس پر بحث بھی ان شاء اللہ آگے ”پورے عالم اسلام کی رؤیت میں وحدت و یکا نگت کے امکانات“ کے زیر عنوان پیش کی جائے گی۔ **رابعاً:** ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جناب اصلاحی صاحب کو کبھی ہوائی جہاز سے سفر کرنے کا اتفاق نہیں ہوا ہے، ورنہ یہ حقیقت ان سے ہرگز پوشیدہ نہ رہتی کہ ہوائی جہاز سے فضاء کی بلندیوں میں پرواز کرنے کے باوجود چاند اور سورج ہمیشہ نظر نہیں آتے، بلکہ سطح زمین سے مشاہدہ کئے جانے والے غروب کی طرح بعینہ، یعنی معمول کے مطابق ہی، غروب ہو جاتے ہیں۔

مشہور حنفی محقق شیخ ابو الحسنات عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر متعدد فقہاء حنفیہ کے اقوال تفصیل کے ساتھ نقل کئے ہیں، جو یہاں علم و فائدہ کے لئے ذکر کئے جاتے ہیں:

مشہور کتاب ”مراقی الفلاح“ کے مصنف لکھتے ہیں: ”وقیل: یختلف ثبوتہ باختلاف المطالع، واختارہ صاحب ”التجريد“، کما إذا زالت الشمس عند قوم، وغربت عند غیرہم، فالظہر علی الأولین، لا المغرب لعدم انعقاد السبب فی حقہم“۔ (ترجمہ: بعض حضرات کی رائے ہے کہ اختلاف مطالع کی وجہ سے رؤیت ہلال کے ثبوت میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے۔ ”تجريد القدوری“ کے مصنف نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے، جیسے کہ جب کچھ لوگوں کے یہاں آفتاب ڈھل جائے، اور دوسروں کے یہاں غروب

ہو جائے، تو پہلے لوگوں پر ظہر ہے نہ کہ مغرب۔ کیونکہ ان کے حق میں مغرب کا سبب محقق نہیں ہوا ہے)

نیز اسی کے ”حاشیہ“ پر علامہ طحاوی فرماتے ہیں: ”وهو الأشبه، لأن انفصال الهلال من شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار، كما في دخول الوقت، وخروجه، وهذا مثبت في علم الأفلاك والهيئة، وأقل ما يختلف المطالع مسيرة شهر، كما في الجواهر“۔ (ترجمہ: یہی رائے زیادہ صحیح ہے، کیونکہ ہلال کا سورج کی کرنوں سے خالی ہونا علاقوں کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے، جیسے کہ اوقات (نماز) کے شروع و ختم ہونے میں ہوتا ہے۔ اور یہ فلکیات اور علم ہیئت کے مطابق ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ نیز کم سے کم جس سے اختلاف مطالع واقع ہوتا ہے، وہ ایک ماہ کی مسافت ہے، جیسا کہ ”الجواهر“ نامی کتاب میں مذکور ہے)

”فتاویٰ تاتارخانیہ“ میں ہے: ”أهل بلدة إذا رأوا الهلال، هل يلزم في حق كل بلدة؟ اختلف (المشايع) فيه، فمنهم من قال: لا يلزم وفي ”القدوری“: إن كان بين البلدتين تفاوت، لا يختلف به المطالع، يلزمه“۔ (ترجمہ: ایک شہر والے جب ہلال دیکھ لیں، تو کیا تمام شہر والوں کے حق میں رویت لازم ہو جائے گی؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں کی رائے ہے: لازم نہیں ہوگی.....، اور ”قدوری“ میں ہے کہ: اگر دو شہروں کے درمیان ایسا تفاوت ہو کہ مطلع تبدیل نہ ہوتا ہو، تو ایسی صورت میں رویت لازم ہوگی)

صاحب ”الہدیۃ“ اپنی کتاب ”مختارات النوازل“ میں اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں: ”أهل بلدة صاموا تسعة وعشرين يوماً بالرؤية، وأهل بلدة أخرى صاموا ثلاثين بالرؤية، فعلى الأولين قضاء يوم، إذا لم يختلف المطالع بينهما، وأما إذا اختلف، لا يجب القضاء“۔ (ترجمہ: ایک شہر والوں نے رویت ہلال کے بعد ۲۹ روزے رکھے، اور دوسرے شہر والوں نے رویت ہی کی بناء پر ۳۰ روزے رکھے، تو اگر ان دونوں شہروں میں مطلع کا اختلاف نہ ہو تو پہلے شہر (یعنی ۲۹ روزے رکھنے) والوں کو ایک

دن کی قضاء کرنی ہوگی۔ اور اگر دونوں شہروں کا مطلع جدا ہو، تو قضاء کی ضرورت نہیں ہے) علامہ زلیعیؒ نے ”کنز الدقائق“ کی شرح ”تبیین الحقائق“ میں اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے۔ انہوں نے اختلاف مطالع کی بحث میں فقہاء احناف کا اختلاف نقل کرنے کے بعد خود جو فیصلہ کیا ہے، وہ یہ ہے: ”الاشبهة أن يعتبر، لان كل قوم مخاطبون بما عندهم، وانفصال الهلال عن شعاع الشمس يختلف باختلاف المطالع، كما في دخول وقت الصلوة وخروجه يختلف باختلاف الأقطار“۔ (ترجمہ: زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اختلاف مطالع معتبر ہے۔ کیونکہ ہر جماعت اسی کی مخاطب ہوتی ہے، جو کہ اس کو درپیش ہو۔ اور ہلال کا سورج کی کرنوں سے خالی ہونا مطالع کے اختلاف سے مختلف ہوتا رہتا ہے، جیسے کہ نمازوں کے ابتدائی اور انتہائی اوقات علاقائی اختلاف کی بناء پر مختلف ہوتے ہیں)

(پھر اس موضوع پر مفصل بحث کرنے کے بعد علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے جو چچا خلا فیصلہ کیا ہے، وہ انہیں کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے، فرماتے ہیں:) ”أصح المذاهب عقلاً ونقلاً ہمیں است کہ ہر دو بلدہ کہ فیما بین آنہما مسافتے باشد کہ دراں اختلاف مطالع می شود و تقدیرش مسافت یک ماہ است دریں صورت حکم رویت یک بلدہ بہ بلدہ دیگر نخواہد شد و در بلاد متقاربہ کہ مسافت کم از کم یک ماہ داشته باشند حکم رویت یک بلدہ بہ بلدہ دیگر لازم خواہد شد۔“ (ترجمہ: عقل و نقل ہر دو لحاظ سے سب سے صحیح مسلک یہ ہے کہ ایسے دو شہر جن کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ ان کے مطالع بدل جائیں، جس کا اندازہ ایک ماہ کی مسافت سے کیا جاسکتا ہے، اس میں ایک شہر کی رویت دوسرے شہر کے لئے معتبر نہیں ہونی چاہئے۔ اور قریبی شہروں میں جن کے درمیان ایک ماہ سے کم کی مسافت ہو، ایک شہر کی رویت دوسرے شہر کے لئے لازم اور ضروری ہوگی)۔ [۱]

میں کہتا ہوں کہ علامہ طحاویؒ نے ”الجواہر“ کے حوالہ سے، یا علامہ ابو الحسنات لکھنویؒ نے اپنے فیصلہ میں جو ”ایک ماہ کی مسافت“ پر اختلاف مطالع کا واقع ہونا بیان کیا ہے، تو یہ نہایت مبہم بات ہے۔ بہتر ہوتا کہ آپ، یا دوسرے فقہاء اس دوری کی تحدید میل یا فرسخ یا کسی

اور پیمائش کے مطابق فرمادیتے۔ اللہ ہی بہتر جانے کہ یہ ”ایک ماہ کی مسافت“ پیدل ہے یا ٹھوپر یا شتر یا گھوڑ سواری کے ذریعہ ہے؟ میدانی زمین پر ہے، یا ریگستانی یا بحری یا پہاڑی علاقوں میں؟ مسلسل سفر کی صورت میں ہے، یا درمیان میں وقفہ وقفہ رکتے ہوئے ہے؟ چنانچہ ایک حنفی عالم جناب خالد سیف اللہ رحمانی صاحب بھی علامہ لکھنویؒ کی مدح و ستائش کے باوجود ان کے مذکورہ بالا فیصلہ پر یہ لکھنے پر مجبور ہوئے کہ: ”راقم الحروف کے خیال میں یہ رائے بہت معتدل، متوازن اور قرین عقل ہے۔ البتہ اختلافِ مطالع کی حدیں متعین کرنے میں ”ایک ماہ کی مسافت“ کی قید کی بجائے، جدید ماہرینِ فلکیات کے حساب، اور ان کی رائے پر اعتماد کیا جانا زیادہ مناسب ہوگا۔“ [۱]

شیخ محمد امین اثری رحمانی مبارکپوریؒ ”اختلافِ مطالع“ کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

”مطالع کا اختلاف ایک ایسی شاہد اور ثابت شدہ چیز ہے جس کا انکار صحیح نہیں ہے۔..... اختلافِ مطالع سے متعلق تمام تفصیل محقق ابن حجرؒ نے بھی علامہ سبکیؒ اور اسنوئیؒ سے اپنے ”فتاویٰ“ میں جمع کی ہے۔..... علامہ ابن عابدینؒ تحریر فرماتے ہیں کہ: ”شہروں اور ملکوں کے اختلاف سے چاند کے مطالع میں بھی فرق ہوتا ہے۔ ایک شہر میں سورج نکل آتا ہے اور دوسرے شہر میں ابھی رات ہوتی ہے، جس کو کتبِ ہیئت میں مدلل بیان کیا گیا ہے، اور اس بات کا مشاہدہ بھی ہے۔“ [تنبیہ الغافل والوسنان علی احکامِ ہلالِ رمضان]

صاحب ”تجرید“ نے مطالع سے متعلق جو کچھ کہہ ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ:

”مطالع میں بہت زیادہ اختلاف ہوتا ہے جس کی وجہ سے چاند کا حکم بھی مختلف ہے۔ مفتی ابوسعود نے صاحب ”تجرید“ کی رائے کو ہی زیادہ صحیح بتایا ہے۔ اس لئے کہ: چاند کا آفتاب کی شعاعوں سے الگ ہونا ملکوں اور علاقوں کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے، جیسے کہ اوقاتِ نماز کے شروع و ختم ہونے میں فرق ہوتا ہے، اور یہ علم اللہ فلاک اور ہیئت سے ثابت ہے۔“ [شرح مراقی الفلاح]

علامہ زبیلیؒ مطالع کے متعلق مزید فرماتے ہیں: ”مطالع کے اختلاف کا اعتبار ان شہروں کے درمیان نہ ہوگا جو باہم قریب ہوں۔ جو شہر ایک دوسرے سے دور واقع ہوں ان کے

[۱]۔ جدید فقہی مسائل ۹۳/۱

لئے یہ حکم نہیں ہے۔ اور یہی بات ”تجرید القدوری“ میں ہے، اور اسی کے قائل علامہ جرجانی بھی ہیں۔“

شیخ عبید اللہ رحمانی صاحب فرماتے ہیں: ”زیلعی کا قول تسلیم کرنا ضروری ہے ورنہ عید کا ستائیس، اٹھائیس، یا اکتیس اور تیس دن ہونا لازم آئے گا۔ اس لئے کہ قسطنطنیہ میں چاند ہم (ہندوستان) سے دو دن پہلے دکھائی دیتا ہے۔ پس جب ہم نے اپنے چاند کی رویت کے اعتبار سے روزہ رکھا، اور پھر ہمیں قسطنطنیہ کے رویت کی خبر پہنچی تو عید کی تقدیم یا تاخیر لازم آئے گی۔ قسطنطنیہ کے کسی آدمی نے روزہ رکھا اور وہ ہمارے پاس آیا تو عید سے قبل پہنچے گا۔“ [مرعۃ

المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح]

علامہ تاج تبریزیؒ نے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ ”اختلاف مطالع چوبیس فرسخ سے کم پر ممکن نہیں ہے۔“ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ اس فن کا کوئی معتمد علیہ ماہر ایک ایسا نقشہ تیار کر دے جس سے معلوم ہو سکے کہ کس مقام سے کس مقام تک مطالع کا اختلاف ہے اور کہاں کہاں نہیں ہے، جس طرح کہ طلوع وغروب آفتاب اور نمازوں کے اوقات کا چارٹ بنالیا گیا ہے۔“

[۱]

میں کہتا ہوں کہ جن علماء نے اختلاف مطالع کے وقوع کے لئے مسافت قصر کا ڈیڑھ گنا، یعنی تقریباً چوبیس فرسخ، کی دوری بیان کی ہے تو یہ تحدید بقول علامہ رطبی وغیرہ ”غیر مستقیم“ بلکہ ”باطل“ ہے۔ اس پر تفصیلی بحث اوپر ذیلی عنوان: ”بعد وقرب کے معانی کی تعیین“ کے تحت گزر چکی ہے۔ جہاں تک کسی معتمد علیہ ماہر فن کا اختلاف مطالع کے متعلق تفصیلی نقشہ تیار کرنے کی ضرورت کا تعلق ہے، تو واضح رہے کہ متعدد مسلم وغیر مسلم ماہرین فلکیات نے اس ضمن میں تحقیق کام کئے ہیں، اور صرف چارٹ ہی نہیں، بلکہ گزشتہ بے شمار سالوں کی رویت کی تاریخیں، اوقات اور مقامات وغیرہ کی تفصیلات کی تحزین کے ساتھ کمپیوٹر کی مدد سے بعض ریاضیاتی معادلات (Formulae)، حساب کتاب کے قوانین، جنتریاں اور برانچ (Softwares)، مثلاً CyberSky اور Moon Calculator (Version ۳.۷.۲۰۰۳ ملخصاً

(6.0) وغیرہ، بھی وضع کئے ہیں۔ حاسب الآلی (Computer) کے یہ برانچ اگرچہ بہت اہل تو نہیں ہیں، مگر ان کی مدد سے چاند کا موقع، عمر، منزل اور جھکاؤ کے ساتھ یہ بھی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ دنیا کے کن کن خطوں میں، کب کب (منٹ اور سیکنڈ کے حساب سے)، اور کتنی دیر تک ظہور و رویت ہلال کا امکان ہے۔ چاند کے طلوع و غروب کے اوقات اور سمتیں، غروب آفتاب و غروب قمر کے اوقات کے مابین فرق، نئے فلکیاتی چاند کی تاریخ ولادت اور وقت، مکمل چاند کی تاریخ اور وقت، ۱۰۰۰ سے زیادہ شہروں کے طول البلد اور عرض البلد، سورج اور چاند گرہنوں کی تاریخیں اور اوقات و مدت وغیرہ کی تمام تفصیلات بھی ان برانچ میں موجود ہیں۔

انٹرنیٹ پر امریکی بحریہ کی رصد گاہ (U. S. Naval

U. S. Air Force's Aeronautical, NASA, Observatory, Royal Greenwich, Chart & Information Center اور McDonald Observatory, Observatory (Cambridge, UK) اور South African Astronomical Observatory وغیرہ کے مختلف مواقع پر بھی اس بارے میں دانش جوایان کے لئے وافر مقدار میں معلومات ہمہ وقت موجود رہتی ہیں۔

ماحقہ ضمیمہ کی شکل (۱۵) تا (۲۷) میں مذکور ہلالا برانچ میں سے بعض پروگرامس کی کچھ جھلکیاں افادہ قارئین کے لئے پیش خدمت ہیں۔ شکل نمبر (۱۵) اصلاً ایک قائمہ (Table) ہے جس میں شہر برمنگھم میں عالمگیر وقت، وقت طلوع آفتاب، منزل قمر، وقت طلوع قمر، وقت غروب قمر، فرق بین اوقات طلوع قمر و طلوع آفتاب، نئے چاند کی ولادت کا وقت، مکمل چاند کا وقت اور چاند کی عمر وغیرہ جیسی ضروری اور مفید معلومات کا نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ شکل نمبر (۱۶) میں ۱۳۲۵ھ اور ۱۳۲۶ھ کے قمری مہینوں کے Visibility Curve کا نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ شکل نمبر (۱۸) میں نہایت باریک ہلال کی رویت کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ شکل نمبر (۱۹ و ۲۰) میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جب نئے چاند کی عمر ۱۳ سے ۲۰ گھنٹے ہو تو اس کی رویت ممکن نہیں ہوتی۔ شکل (۲۱ و ۲۲) میں نوعر چاند کی رویت کا خاکہ دکھایا گیا ہے۔ شکل (۲۳) میں سہ جہتی جبری کلینڈر کا Computation دکھایا گیا ہے۔ شکل (۲۴ و ۲۵) میں مقامی آسمان کے

افق کو ہر دو طرح دکھایا گیا ہے۔ شکل (۲۶) میں متوسع Graphical Data اور Star Chart دکھایا گیا ہے جس میں قمر اور آفتاب کے مختلف مواقع دکھائے گئے ہیں، اور شکل نمبر (۲۷) میں ماہانہ Liberation Graph دکھایا گیا ہے۔

واضح رہے کہ مندرجہ بالا کمپیوٹر پروگرامس میں سے "Moon Calculator, Version 6.0" انٹرنیٹ کے مندرجہ ذیل مواقع پر موجود ہے، اور یہ آسانی Download کیا جاسکتا ہے:

http://www.starlight.demon.co.uk/mooncalc
http://www.ummah.org.uk/ildl/mooncalc.html

اختلاف مطالع علم بیت و فلکیات کی روشنی میں: سجادہ الشیخ عبداللہ بن محمد بن حمید رحمہ اللہ "مرعاة المفاتیح" کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ: "علوم ہیئت جدیدہ اور جغرافیہ کے ماہرین کا قول ہے کہ اگر کسی مخصوص شہر میں غروب آفتاب کے وقت ہلال افق پر ۸ درجات بلند ہو، اور ۳۲ منٹ سے پہلے غروب نہ ہو، تو لازم ہے کہ اس شہر سے ۵۶۰ میل مشرق کے تمام شہروں کے افق پر بھی وہ موجود رہے، اور اس طویل مسافت کے باوجود ان تمام شہروں میں نظر آتا رہے، الّا یہ کہ اس کی رویت میں ابر یا غبار وغیرہ جیسی کوئی چیز مانع ہو۔ اسی طرح بعض ماہرین یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر ۷ میل کی مسافت پر ارتفاع میں ایک درجہ کی زیادتی یا کمی واقع ہوتی ہے، یعنی رویت والے جس مخصوص شہر پر اس کا ارتفاع ۸ درجہ تھا اس سے ۷۰ میل مشرق کی جانب اس کا ارتفاع ۷ درجات ہوگا، جب کہ اسی شہر سے ۷۰ میل مغرب کی جانب اس کا درجہ ارتفاع ۹ درجات ہوگا۔ پس اگر کسی مقام پر رویت ہلال ثابت ہو جائے تو محقق ہے کہ اس شہر سے مغرب میں واقع تمام شہروں میں اس کی رویت ہو۔ یہ علم ہیئت کے مسلمات میں سے ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اگر ہلال کسی مغربی شہر میں ظاہر ہو، تو اس مقام سے ۵۶۰ میل مشرق کے تمام شہروں میں اس رویت کا اعتبار ہوگا۔ لیکن اس مقام سے مغرب کی جانب بلا قید مسافت تمام بلاد میں اس کا مطلقاً اعتبار ہوگا، واللہ اعلم، تمثیل: [۱]

علامہ شیخ محمد بن عبدالوہاب بن عبدالرزاق فرماتے ہیں: ”یہ چیز ضرورت معلوم ہے کہ قمر و شمس کا اجتماع ایک مخصوص زمانہ میں، صرف ایک آن کے لئے واقع ہوتا ہے۔ یہ مختلف شہروں یا مختلف علاقوں کے لئے بار بار، یا ایک سے زیادہ بار، نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ فلک کے اعتبار سے ہوتا ہے، امور نسبیہ، جو طول البلاد کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں، سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ پس اگر فرض کیا جائے کہ مراکش (Morocco) کی نسبت سے دن میں بارہ بجے شمس و قمر کا اجتماع ہوگا، تو ان کے اس اجتماع کا یہی وقت ساری دنیا کے شہروں کے لئے معتبر ہوگا، خواہ وہ مخصوص وقت الجزائر (Algeria) کے اعتبار سے دوپہر میں ۱۲:۳۳ منٹ ہو، یونینیشیا (Tunisia) کے اعتبار سے دوپہر میں ۱۳:۱۱ منٹ ہو، قاہرہ (Cairo) کے اعتبار سے دوپہر میں ۲:۳۷ منٹ ہو، مکہ مکرمہ کے اعتبار سے سہ پہر میں ۳:۱۲ منٹ ہو، ہندستان میں بمبئی (Mumbai) کے اعتبار سے شام میں ۵:۲۳ منٹ ہو، جاپان میں ٹوکیو (Tokyo) کے اعتبار سے رات کا ۹:۵۱ منٹ ہو، جزائر ہوائی (Hawaii) کے اعتبار سے نصف شب کا ۱۲:۱۲ منٹ ہو، یا نیویارک (New York) کے اعتبار سے صبح کا ۷:۳۵ منٹ ہو۔ پس معلوم ہوا کہ وقت اجتماع ایک ہی ہے، لیکن ہماری جگہ کی نسبت کے اعتبار سے یہ زوال کا وقت ہے، مکہ کی نسبت سے عصر کا، بمبئی کی نسبت سے مغرب کا، ٹوکیو کی نسبت سے تقریباً نصف شب کا، جزائر ہوائی کی نسبت سے تقریباً فجر کا اور نیویارک کی نسبت سے شروق کا وقت ہے۔ جو چیز اجتماع کے بارے میں کہی جاتی ہے، عین وہی چیز خسوف قمر (چاند گرہن) کے متعلق بھی کہی جاتی ہے، کہ اس کے وقوع میں کوئی فرق نہیں ہے۔ گرہن کی ابتداء، اس کی درمیانی حالت اور اس کا خاتمہ صرف طول البلاد کے اختلاف سے ہی مختلف ہوتا ہے، انتہی۔“ [۱]

اور علامہ أحمد بن محمد السلاوی التطوانی لکھتے ہیں کہ: ”شمس و قمر کا اجتماع بروج فلک کے ایک مخصوص درجہ میں صرف ایک بار ہی واقع ہوتا ہے۔ متعدد علاقوں اور شہروں کے اعتبار سے یہ بار بار واقع نہیں ہوتا ہے۔ یہ چیز امور نسبیہ میں سے نہیں ہے، کہ جو اختلاف طول البلاد سے مختلف ہوتی ہیں، مثلاً طلوع، غروب اور زوال، الخ۔“ [۲]

[۱]۔ کذا فی بیان الأدلة فی اثبات الأھلة ص ۱۱۲-۱۱۳، نقلًا عن خلاصة العذب الزلال لمحمد بن عبدالوہاب [۲]۔ کذا فی بیان الأدلة فی اثبات الأھلة ص ۱۱۳-۱۱۴

اور علامہ شیخ طحاوی جو ہریٰ اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں: ”جو شہر مغرب کی سمت میں بہت دور واقع ہیں، وہاں رویت ہلال زیادہ بہتر ہوتی ہے۔ خطوط طول البلد میں سے جب کسی خط پر رویت ہلال کی ابتداء ہوتی ہے تو اس خط کے مشرق میں جتنے شہر ہوتے ہیں ان تمام میں ہلال ظاہر نہیں ہوتا، اور اگلی شب کو ہی نظر آتا ہے۔ کیا آپ حدیث کریب کو نہیں دیکھتے کہ انہوں نے کس طرح جمعہ کی شب کو، اور اہل مدینہ نے ہفتہ کی شب کو ہلال دیکھا تھا؟ آپ خود دیکھیں کہ دمشق (Damascus) گرنج سے ۳۵ درجہ مشرقی خط الطول پر، اور مدینہ منورہ ۴۰ درجہ مشرقی خط الطول پر واقع ہے۔ (پھر شہر حلوان کی رصد گاہ کے ڈائریکٹر جنرل کا قول نقل کیا ہے، کہتے ہیں کہ:) اگر ہلال کا مشاہدہ مکہ مکرمہ میں ممکن ہو، تو غالب ہے کہ اس کا مشاہدہ دمشق اور مصر (Egypt) میں بھی ہو، بشرطیکہ آسمان صاف ہو۔ لیکن جو بلاد مکہ مکرمہ کے خط طول البلد پر واقع ہیں ان میں اس کی رویت حتمی اور یقینی ہے، خواہ ان بلاد میں خط عرض البلد کا بہت زیادہ فرق ہی ہو۔“ [۱]

پھر شیخ طحاوی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: ”ہر شہر میں رویت صادقہ سے ہلال کا ظہور ثابت ہوتا ہے۔ پس اس شہر کے مغربی تمام بلاد میں ہلال قطعاً نظر آئے گا، بلکہ زیادہ بہتر طور پر ظاہر ہوگا، اور زیادہ پر نور ہوگا، خواہ لوگ اسے دیکھ پائیں، یا ابرو وغیرہ کی وجہ سے نہ دیکھ سکیں۔ لیکن کسی مغربی شہر کے لوگوں کو ہلال نظر آنے سے یہ لازم نہیں ہے کہ مشرقی شہر والے بھی اسے دیکھیں، جب کہ مغربی شہر کا خط طول مشرقی شہر کے خط طول سے کم ہو۔..... پس اگر اہل کویت (Kuwait) ہلال دیکھیں، جن کا خط طول ۴۸ درجہ ہے، تو ضروری نہیں کہ اہل مسقط (Muscat)، جن کا خط طول ۵۸ درجہ ہے، بھی ہلال دیکھیں، کیونکہ وہ کویت کے مشرق میں واقع ہیں۔ اسی طرح اہل شارجہ (Sharjah)، جس کا خط طول ۵۴ درجہ ہے، اور اہل قطیف (Qatif)، جس کا خط طول ۵۰ درجہ ہے، کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ بھی اسے دیکھ سکیں۔ لیکن اہل بغداد (Baghdad) اسے ضرور دیکھیں گے کیونکہ ان کا خط طول ۴۳ درجہ ہے۔ اسی طرح اہل نجف (Najaf) یا اہل کربلا (Karbala) بھی اسے دیکھیں گے، کیونکہ ان دونوں

شہروں کا خط طول ۴۴ درجہ ہی ہے۔ اسی طرح اہل ساموہ (Samawah) بھی اسے دیکھ پائیں گے کہ ان کا خط طول بھی ۴۵ درجہ ہے۔ اب اسی کے مطابق قیاس کرتے چلے جائیں..... لیکن جو بلدان طول البلد اور عرض البلد میں برابر ہوں، جیسے کہ ایشیائے کوچک میں بروشیاء، سکردار اور رابزان، اور ان میں سب کا خط طول ۳۹ درجہ، اور خط عرض اسی کے آس پاس (یعنی تقریباً ۴۰ درجہ) ہو، تو ہم ان علاقوں میں ہلال کے ایک ساتھ ظہور کا حکم لگاتے ہیں۔ لیکن جو شہر خط طول میں تو مساوی ہوں، لیکن خط عرض کے اعتبار سے مختلف ہوں، مثلاً بلادِ عجم میں تبریز (Tabrez)، جس کا خط طول ۴۶.۵ درجہ ہے، اور بصرہ (Basrah)، جس کا خط طول ۴۷ درجہ ہے، لیکن تبریز کا خط عرض ۳۸ درجہ، اور بصرہ کا خط عرض ۳۰ درجہ ہے، تو یہ موقع محلِ نظر ہے۔ احتمال ہے کہ خط طول کے یکساں اور ایک ہونے کے باعث دونوں جگہ ہلال نظر آئے۔ اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ دونوں جگہ دکھائی نہ دے، کیونکہ دونوں مقامات کے طول و عرض میں اختلاف ہے۔ اگرچہ ایسے اختلاف کی تاثر کم ہوتی ہے، لیکن بعض مقامات پر یہ مؤثر ہوتی ہے۔“ [۱]

ان اقتباسات کے ضمن میں ساتھ شیخ عبداللہ بن محمد بن حمید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”پس اس یا اس جیسی دوسری چیزوں سے اختلافِ مطالعِ ہلال واضح ہوتا ہے۔ یعنی مثلاً اگر مغرب میں رویت ہو، تو مشرق میں دوسری رات سے قبل اس کی رویت ممکن نہیں ہوگی۔ مغرب میں ہلال سورج کی شعاعوں سے بہت کم ہی سہی، لیکن منفصل ہوتا ہے، لہذا دکھائی دے جاتا ہے۔ لیکن چونکہ مشرق میں وہ شعاعوں سے مختلط ہوتا ہے، اس لئے ان شہروں میں اس کی رویت ممکن نہیں ہوتی جو طول و عرض کے اختلاف کے ساتھ مسافتِ طویلہ پر واقع ہیں۔“ [۲]

اور شیخ قلیوبی الشافعی لکھتے ہیں: ”عروض البلاد کے اختلاف، یعنی خطِ استواء سے کسی مقام کے بعد اور طول (یعنی بحر الحیط Atlantic Ocean) کے مغربی ساحل سے اس مقام کی دوری) کے بہ سبب مطالع میں اختلاف واقع ہوتا ہے، جیسا کہ ضمیمہ میں پیش کردہ شکل (۲۸) سے ظاہر ہے: جب طول البلدین، یعنی بحر الحیط کے مغربی ساحل سے دو شہروں کا بعد برابر

[۱]۔ کذا فی تبیان الأدلۃ فی اثبات الأھلۃ ص ۱۱۵۔ ۱۱۷ [۲]۔ تبیان الأدلۃ فی اثبات الأھلۃ ص ۱۱۳

ہو، لیکن خط استواء سے ان کا بعد مختلف ہو، تو ایک بلد کی رویت دوسرے بلد میں بھی لازم ہوگی، اگرچہ ان دونوں شہروں کے عرض آپس میں مختلف ہوں، یا ان کے مابین مہینوں کی مسافت ہو، یا ان میں سے ایک کرۂ ارض کے بالکل جنوب میں ہو، اور دوسرا انتہائی شمال میں، جیسا کہ ضمیمہ میں پیش کردہ شکل (۲۹) سے ظاہر ہے۔ لیکن جب دو شہروں کے طول مختلف ہوں تو وہ رویت میں تساوی نہیں ہوں گے، مثال کے طور پر وہ شہر جو (ج، ب) یا (ج، د) یا (ا، ب) یا (ا، ج) یا (ا، د) اور (د، ب) وغیرہ جیسے مواقع پر ہوں۔“ [۱]

شیخ قلیوبیؒ ”حاشیۃ علی المنہاج“ میں از خود یہ سوال کرتے ہیں کہ مطالع کے مندرجہ بالا فیصلہ کی روشنی میں کیا اہل مصر مکہ مشرفہ کے لوگوں کی رویت پر روزہ رکھیں گے؟ اور پھر اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ”بلا و شرقیہ میں ہونے والی رویت سے بلا و غربیہ میں رویت ہلال لازم ہوتی ہے، اگرچہ دونوں شہر مختلف مطالع کے خطوط پر واقع ہوں۔ لیکن اس کے برعکس نہیں ہوتا ہے، یعنی مغربی شہر میں رویت ہلال سے مشرقی شہر میں رویت ہلال لازم نہیں ہوتی، جیسا کہ مکہ مشرفہ اور مصر کے معاملہ میں واضح ہوا کہ مکہ کی رویت مصر کے لئے لازم ہے، لیکن اس کے برعکس مصر کی رویت مکہ کے لئے لازم نہیں ہے۔ کیونکہ اگر بلا و شرقیہ میں ہلال واضح طور پر ظاہر ہوا ہو، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بلا و غربیہ میں ضرور موجود ہوگا۔“ [۲]

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی اس جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: ”مشرق میں چاند نظر آجائے تو مغرب میں اس کا طلوع ضروری ہے، لیکن اس کے برعکس ضروری نہیں ہے (یعنی مغرب میں اس کے دیکھے جانے سے مشرق میں اس کا دیکھا جانا ضروری نہیں ہے)۔“ [۳]

اس بارے میں علامہ مرتضیٰ زبیدیؒ بھی فرماتے ہیں کہ: ”مطالع مختلف ہوتے ہیں۔ دو شہروں میں سے کسی ایک شہر کی رویت کبھی دوسرے شہروں کے لئے مستلزم ہوتی ہے، اور کبھی نہیں ہوتی، کیونکہ مشرقی شہروں میں رات غربی شہروں کے مقابلہ میں پہلے ہو جاتی ہے۔ جب

[۱] - حاشیۃ علی المنہاج للقلیوبی کذا فی الحاشیۃ علی التحقيق ۸۰/۲ - ۸۱ [۲] - حاشیۃ علی المنہاج للقلیوبی کذا فی الحاشیۃ علی التحقيق ۸۱/۲ [۳] - مجموع فتاویٰ ۱۰۳/۲۵

مطلع متحد ہو تو ان میں سے کسی ایک جگہ کی رویت دوسرے کے لئے مستلزم ہے۔ لیکن جب مطلع مختلف ہو، تو اگر مشرق میں رویت ہوئی تو یہ مغرب میں بھی ہوگی، لیکن اگر مغرب میں رویت ہوئی تو مشرق میں رویت ہونا ضروری نہیں ہے۔“ [۱]

شیخ محمد فارس مصری علم فلکیات کی روشنی میں ابن عباسؓ کی حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”اگر ابن عباسؓ کی حدیث کو اختلاف مطالع کی مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں پرکھا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ ملک شام مصر کے مطلع سے بھی مختلف خط مطالعہ پر واقع ہے، اور مصر کی یہ نسبت مغربی سمت میں ہے۔ چونکہ بلاد شرق میں ہونے والی رویت بلاد غرب کے لئے لازم ہوتی ہے، لیکن اس کے برعکس بلاد غرب میں ہونے والی رویت بلاد شرق کے لئے لازم نہیں ہوتی، اور ملک شام مصر و مدینہ دونوں کے مغرب میں واقع ہے، لہذا شام میں ہونے والی رویت کا مدینہ میں لزوم خلاف علم و مشاہدہ ہے۔“ [۲]

لیکن امریکی ماہر فلکیات جناب سید خالد شوکت صاحب لکھتے ہیں: ”یہ ایک سائنسی حقیقت ہے کہ اگر کرہ ارض پر کسی بھی جگہ ہلال قابل دید ہو، تو اس مقام سے مغرب کی جانب اسے زیادہ آسانی کے ساتھ دیکھا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کے برخلاف ہم مشرق وسطیٰ (Middle East) میں رویت ہلال کی خبر سنتے ہیں، مگر اسی شام کو ۸ سے ۱۱ گھنٹوں بعد بھی شامی امریکہ میں افق صاف ہونے کے باوجود کہیں ہلال نظر نہیں آتا (جیسا کہ متعدد بار، مثلاً ماہ اپریل ۱۹۹۹ء بمطابق یکم ذوالحجہ وغیرہ تاریخوں میں، ہو چکا ہے)، حالانکہ یہ چیز معروف سائنسی حقائق کے خلاف ہے۔ یہ چیز ہم کو بصراحت بتاتی ہے کہ جو چیز مشرق وسطیٰ میں دیکھی گئی تھی، ہو سکتا ہے کہ وہ ہلال نہ ہو، بلکہ بادل کا کوئی باریک ٹکڑا، یا کسی ہوائی جہاز کا دخان (دھواں)، یا زہرہ (Venus) ہو۔ اس تکنیکی دور (Technical Age) میں مسلم ماہرین فلکیات اس قابل ہیں کہ رویت ہلال کی ممکنہ وغیر ممکنہ تاریخ کا حساب لگا سکیں۔ اس کے ذریعہ رویت ہلال کے دعویٰ کی صحت کو بہ آسانی پرکھا جاسکتا ہے۔“ [۳]

جناب سید خالد شوکت صاحب نے اوپر مشرق وسطیٰ میں ہونے والی رویت کے

[۱]۔ شرح احیاء العلوم بحوالہ روزہ۔ احکام و مسائل، ص ۳۵ و تبیان الأدلۃ فی اثبات الہلۃ ص ۱۶

[۲]۔ حاشیہ علی التحقيق ۸۱/۲۔ ۸۲۔ [۳]۔ ماخذ: انٹرنیٹ

بارے میں جس احتمال کا اظہار کیا ہے، اس پر کوئی تبصرہ نہ کرتے ہوئے میں کہتا ہوں کہ یہ اقتباس ہمارے اس قول کی تائید کرتا ہے کہ جن چیزوں کو سائنسی حقائق سمجھا جاتا ہے کبھی کبھی کون میں ان کے خلاف بھی واقعات نمودار ہوتے ہیں۔ اس کی ایک تازہ مثال یہ ہے کہ ۶ مارچ ۲۰۰۱ء کو پاکستان و ہندوستان دونوں ممالک میں رویت ثابت ہونے کی بناء پر عید الاضحیٰ منائی گئی۔ ٹھیک اسی دن (یعنی ۶ مارچ ۲۰۰۱ء کو) رویت ثابت ہونے کی بناء پر امریکہ میں بھی عید الاضحیٰ منائی گئی۔ حالانکہ عموماً امریکہ میں ہندوپاک کے مقابلہ میں کم از کم ایک دن قبل رویت ہوتی ہے۔ کیونکہ پاک و ہند اور امریکہ کے مابین ہزار ہا کلومیٹر کا فاصلہ ہے، لہذا ان کے مطالع میں بہت اختلاف واقع ہے۔ امریکہ بڑے صغیر کے مقابلہ میں انتہائی مغرب میں ہے، جب کہ پاک و ہند نسبتاً مشرق میں واقع ہیں۔ لیکن واقعہ ایسا ہوا ہے کہ بڑے صغیر، یعنی مشرق، میں ہونے والی رویت انتہائی مغرب میں بھی ثابت ہوئی۔ امریکی ماہرین فلکیات نے اسے استثنائی واقعہ (Exceptional Event) قرار دیا ہے، اور اس کی تاویل میں لکھا ہے کہ: ”عام حالات میں تو ایسا ہونا ہی درست ہے کہ امریکہ ہندوستان سے ایک دن پہلے ہلال دیکھتا ہے، لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ اس مرتبہ کی رویت کو استثناء کہنا جاسکتا ہے۔“ [۱]

لہذا میں کہتا ہوں کہ ان سائنسی مشاہدات و تجربات کو قطعاً حتیٰ نہیں سمجھا جاسکتا ہے، جیسا کہ بعض حضرات نے سہواً سمجھ لیا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

اختلاف مطالع کی مزید تفصیلات کے لئے ان کتب کی طرف رجوع کرنا بھی مفید

ہوگا: المغنی لموفق الدین [۲]، شرح المہذب [۳]، العدة شرح العمدة لابن

دقیق العید [۴]، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الكبير [۵]، بدائع الصنائع

للکاسانی [۶]، فتح الباری لابن حجر [۷]، حاشیۃ الشیخ القلیوبی علی

المنہاج [۸]، إعانة الطالبین علی حل ألفاظ فتح المعین للملیاری [۹]،

[۱]۔ ماخذ: انٹرنیٹ [۲]۔ المغنی لموفق الدین ۹۱-۸۷/۳ [۳]۔ شرح المہذب

۲۸۱-۲۸۰/۶ [۴]۔ العدة شرح العمدة لابن دقیق العید ۳۲۹/۳-۳۳۰ [۵]۔

حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الكبير ۵۱۰/۱ [۶]۔ بدائع الصنائع للکاسانی ۸۳/۲

[۷]۔ فتح الباری لابن حجر ۱۱۹-۱۲۹ [۸]۔ حاشیۃ الشیخ القلیوبی علی المنہاج

۵۱-۵۰/۲ [۹]۔ إعانة الطالبین علی حل ألفاظ فتح المعین للملیاری ۲۱۸/۲

حاشية البيجرمى على الإقناع [١]، حاشية الجمل على المنهج [٢]، حاشية الشرقاوى على التحرير [٣]، نهاية المحتاج للشمس الرملى [٤]، نيل الأوطار للشوكانى [٥]، وغيره.

[١]- حاشية البيجرمى على الإقناع ٣٢٣/٢ [٢]- حاشية الجمل على المنهج ٣٠٩-٣٠٨/٢
 [٣]- حاشية الشرقاوى على التحرير ٣١٩/٣ [٤]- نهاية المحتاج للشمس الرملى ١٥٦-١٥٥/٣ [٥]- نيل الأوطار للشوكانى ١٢٠-١٠٤/٣

ماہرینِ فلکیات کے حساب پر اعتماد کرنا عقل و شرع کی مخالفت ہے

اوپر ”اختلافِ مطالع“ کے زیر عنوان جناب خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کا یہ قول گزر چکا ہے کہ: ”..... اختلافِ مطالع کی حدیں متعین کرنے میں ایک ماہ کی مسافت کی قید کی جائے، جدید ماہرینِ فلکیات کے حساب، اور ان کی رائے پر اعتماد کیا جانا زیادہ مناسب ہوگا۔“

[۱]

اسی طرح مشہور اہلِ حدیث عالم شیخ حافظ صلاح الدین یوسف صاحب حفظہ اللہ بھی علومِ فلکیات و رصد کو اس بارے میں ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ”..... یہ ٹھیک ہے کہ چاند کے اثبات کے لئے رویت (دیکھا جانا) ضروری ہے، اس کے بغیر چاند کا تحقیق ممکن ہی نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ رصد اور فلکیات کا جو علم ہے، اور جو صدیوں کے تجربات و مشاہدات پر مبنی ہے، اسے سرے سے کوئی اہمیت ہی نہ دی جائے۔ بلکہ ہم جس طرح طلوع و غروبِ آفتاب، زوال اور طلوعِ فجر وغیرہ میں علمِ رصد پر اعتبار کرتے ہیں، اور اسی علم کی بنیاد پر مذکورہ اوقات کا تعین کرتے، اور انہیں تسلیم کرتے ہیں، اور اس کی بنیاد پر دائمی اوقات نامے بنائے ہوئے ہیں، اسی طرح جب علمِ رصد کی رُو سے غروبِ شمس کے وقت چاند کی ولادت ہی محقق نہ ہو، تو یہ ممکن نہیں ہے کہ اس وقت چاند اُفق پر نظر آ جائے۔“

اللہ تعالیٰ اگرچہ اسباب کا پابند نہیں ہے، لیکن اس کی مشیت و حکمت کے تحت نظام کائنات اسباب کے مطابق ہی چل رہا ہے۔ کائنات کی آفرینش سے لے کر آج تک اس میں تبدیلی نہیں آئی ہے۔ چاند کی ولادت اس کے وجود و ظہور کا سبب ہے، جب تک یہ سبب (ولادت) نہ ہوگا، چاند اُفق پر نظر ہی نہیں آ سکتا۔ اور رصد و فلکیات کا علم اسی سبب کے جاننے کا نام ہے۔ وہ اس علم کی رُو سے چاند کی رفتار کا جائزہ لیتا ہے، اس کی ولادت کا تعین کرتا ہے، اور

بتلاتا ہے کہ وہ افق پر کب ظاہر ہو سکتا ہے؟ اس لئے اس علم کا انکار کیا جاسکتا ہے، نہ اس سے استفادے کو ممنوع قرار دیا جاسکتا ہے۔ بلکہ جس طرح ہم طلوع و غروب آفتاب کے اوقات کے تعیین میں اس علم پر اعتماد کرتے ہیں، ہمیں چاند کی ولادت و عدم ولادت، اور اس کے امکان ظہور و عدم امکان ظہور، میں بھی اس کی معلومات کو تسلیم کرنا چاہئے۔

بناء بریں مسلمہ درایتی قواعد کی رو سے جن دن غروب آفتاب سے پہلے چاند کی ولادت نہ ہوئی ہو، یا چاند اس دن سورج غروب ہونے سے پہلے غروب ہو چکا ہو، تو اس دن یقیناً چاند نظر آنے کا کوئی امکان نہیں ہوگا۔ لیکن اس دن اگر کچھ لوگ دعویٰ کریں کہ انہوں نے چاند دیکھا ہے، تو ان کا یہ دعویٰ سخت محل نظر ہوگا۔ کیونکہ یہ دعویٰ ایسا ہی ہوگا جیسے سورج غروب ہو چکا ہو، لیکن دعویٰ کرنے والے دعویٰ کریں کہ ابھی غروب نہیں ہوا۔ یا سورج نکل چکا ہو، لیکن دعویٰ کرنے والے دعویٰ کریں کہ سورج ابھی نہیں نکلا۔ ایسی صورت میں یقیناً روایت ہلال کا دعویٰ کرنے والوں کی اچھی طرح جانچ پڑتال کرنی چاہئے۔ محض چند لوگوں کی گواہی پر روایت کا فیصلہ کر لینا صحیح نہیں ہوگا، بالخصوص جب کہ زیر بحث معاملے میں مخصوص علاقوں کے لوگوں کی گواہی بھی، تجربات و واقعات کی رو سے مشکوک ہو۔“ [۱]

آگے چل کر شیخ موصوف مزید فرماتے ہیں کہ: ”اہل فلکیات کی رائے کو قرار واقعی اہمیت نہ دینا بھی غلط ہے۔ فلکیات کا یہ علم صدیوں کے مسلسل تجربات و مشاہدات پر مبنی ہے، اس سے استفادہ کرنا اور اس سے وابستہ افراد کی رائے کو اہمیت دینا ضروری ہے۔ نیز اس کا شریعت سے کوئی تضادم بھی نہیں ہے، اس لئے ان کی رائے کو آسانی سے جھٹلانا ناممکن ہے، نہ جھٹلانے کی ضرورت ہی ہے۔ البتہ اگر کبھی (کسی نادرسورت میں) واقعی اہل فلکیات کی رائے مشاہدے کے خلاف ہو تو مرکزی روایت ہلال کمیٹی قرآن و شواہد اور گواہوں، گواہیوں کی حیثیت کا تعیین کر کے اس کے خلاف فیصلہ بنا سکتی ہے۔ یہ نہ کوئی مشکل بات ہے، نہ اس سے فلکیات کی بے اعتباری کا اثبات ہوتا ہے۔“ [۲]

شمالی امریکہ کی معروف اسلامی تنظیموں، مثلاً (Islamic Society)

[۱]۔ ماہنامہ ”محدث“ لاہور ج ۳۱، ش ۳، ص ۵۶، ۶، مجریہ مارچ ۱۹۹۹ء
[۲]۔ ماہنامہ ”محدث“ لاہور ج ۳۱، ش ۳، ص ۷، ۷، مجریہ مارچ ۱۹۹۹ء

Islamic Circle to North America) ICNA، (of North America Fiqh Council of North America) اور شمالی امریکہ کی فقہ کونسل (America Islamic Shoura Council)، شمالی امریکہ کی اسلامی شوریٰ کونسل (of North America)، میں سے ISNA کا رمضان کے آغاز اور شوال کی تعیین کے بارے میں ۱۹۹۳ء سے بااستمرار یہ طریقہ کار رہا ہے کہ متوقعہ تاریخوں میں شام کے وقت ISNA کے ٹیلیفون کی تمام لائنیں رویتِ ہلال کی شہادتیں وصول کرنے کے لئے کھلی رہتی ہیں۔ شہادتیں وصول کرنے کے بعد ISNA ان شہادتوں کو جانچنے اور پرکھنے کی غرض سے اپنے علمِ فلکیات کے مستشار (مشیروں) سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ ان شہادوں سے براہِ راست گفتگو کریں۔ اگر شہادوں کا بیان ناقابلِ تردید سائنسی حقائق اور ثبوت کے خلاف ہوتا ہے، تو ان گواہوں کی شہادتوں کو رد کر دیا جاتا ہے۔ [۱]

لیکن میں کہتا ہوں کہ حساب و کتاب، قیاسات و نظریات، حتیٰ کہ صدیوں کے مشاہدات و تجربات کی بنیاد پر قائم کردہ اصول میں بھی خطا کا امکان ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اس موضوع کا پیش نظر کتاب سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے، اس لئے اس بحث سے یہاں صرف نظر کرتے ہوئے میں یہ کہتا ہوں کہ جدید ماہرینِ فلکیات کے حساب اور ان کی رائے پر کئی اعتماد قطعاً مناسب نہیں ہے۔ راقم نے پچشم خود دیارِ سعودیہ میں اپنے طویل قیام کے دوران اُمّ القریٰ کی ماہرینِ فلکیات کی ٹیم کے حساب و رائے کی روشنی میں تیار کردہ سرکاری تقویم (جنتری) اور بالفعل ہونے والی رویت میں بارہا اختلاف واقع ہوتے دیکھا ہے۔ بعض عالمی واقعات بھی اس پر شاہد ہیں جو ان شاء اللہ آگے بیان کئے جائیں گے۔ خود حافظ صاحب حفظہ اللہ نے بھی اس اختلاف کے امکان کا اقرار ان الفاظ میں کیا ہے: ”اگر کبھی (کسی نا در صورت میں) واقعی اہلِ فلکیات کی رائے مشاہدے کے خلاف ہو تو.....“۔ ان شاء اللہ اس بارے میں علمِ فلکیات کی روشنی میں کچھ تفصیل آگے ”نئے چاند کی ولادت اور اس کے حساب و کتاب میں غلطی کا امکان“ کے زیرِ عنوان پیش کی جائے گی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اصل معیار رویت بالعين ہی ہے، رصد اور فلکیات کا علم ہرگز اس معیار کا بدیل نہیں ہو سکتا ہے۔

صدیوں کے مسلسل تجربات و مشاہدات پر مبنی فلکیات کے علم سے صرف مدد لینا، یا استفادہ کرنا ہی نہیں، بلکہ ”اس سے وابستہ افراد کی رائے کو اہمیت دینا“، اور اسے ”ضروری“ سمجھنا، دراصل رویت کے تقلیدی یا مروجہ طریقہ (Conventional System) پر اسے غم تسلیم کرنا ہے۔ اور علم رصد و فلکیات کو رویت بالعين پر غم بنانے کا مطلب یہ ہوگا کہ رویت اور شہادت وغیرہ کے متعلق تمام ہدایات اور احکامات نبوی، مثلاً ”فان شهد ذوا عدل فصوموا“، ”اذا رایتموه فصوموا، واذا رایتموه فافطروا“، ”صوموا لرؤیتہ، وافطروا لرؤیتہ“ اور ”احصوا ہلال شعبان لرؤیتہ“ وغیرہ، کو عملاً معطل کر دیا جائے۔ پھر نہ ماہ شعبان کے ایام کے احصاء کی کوئی ضرورت رہتی ہے، اور نہ ہی رمضان و شوال اور ذوالحجہ کے ہلال دیکھنے کے اہتمام کی حاجت باقی رہ جاتی ہے۔ کیونکہ ”جب علم رصد کی رو سے غروب شمس کے وقت چاند کی ولادت ہی محقق نہ ہو، تو یہ ممکن نہیں ہے کہ اس وقت چاند افق پر نظر آجائے“۔ لہذا جب علم رصد و فلکیات کی رو سے یقینی طور پر ”چاند کی ولادت و عدم ولادت، اور اس کے امکان ظہور و عدم امکان ظہور“ کی معلومات فراہم ہو جائیں، تو دو چار لوگ اپنی رصد گاہوں سے محض رسمی طور پر اس اطمینان کے ساتھ باہر نکلیں کہ ہلال کا ظہور تو ہو ہی چکا ہے، پھر ”صوموا لرؤیتہ، وافطروا لرؤیتہ“ کی فقط قانونی یا رسمی خانہ پوری کے طور پر ہلال دیکھا جائے، اور قاضی محکمہ کے سامنے اس کی رویت کی گواہی بھی دے دی جائے۔ ایسی صورت نہیں اگر کوئی یہ پوچھ بیٹھے تو بیجا نہ ہوگا کہ جب ہلال کی ولادت اور افق پر اس کا ظہور علمی اور یقینی طور پر محقق ہو ہی چکا ہے، تو محض رسمی طور پر اس کی رویت و شہادت وغیرہ کا ڈھونگ رچانے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے؟ اسی طرح ISNA کے ذمہ داروں کا ٹیلیفون پر رویت ہلال کی شہادتیں وصول کرنا بھی محل نظر ہے (تفصیل کے لئے عنوان ”جدید ذرائع ابلاغ و مواصلات سے موصول ہلال کی خبروں کا حکم“ کا مراجعہ مفید ہوگا)، پھر اس کے مشیروں کا ان گواہوں سے براہ راست گفتگو کر کے ان کی رویت کے بارے میں ان سے چھان بین کرنا بھی عبث معلوم ہوتا ہے، جب

کہ انہوں نے پیشگی ہی اس بات کا قطعی فیصلہ کر لیا ہوتا ہے کہ سائنسی ثبوت اور حقائق (یعنی فلکیاتی علم سے حاصل شدہ) معلومات ہی پر حتمی طور پر اعتماد کیا جائے گا، اور اس قیاسی علم کے خلاف عینی شہادتوں کو رد کر دیا جائے گا۔ حالانکہ عام ماہرین فلکیات ہلال کی رویت و ظہور کے وقت کا یقینی طور پر دعویٰ نہیں کرتے، بلکہ محض اس کے ”امکان“ کے قائل ہیں۔ مگر حافظ صاحب حفظہ اللہ کبھی تو اس کے امکان کے قائل نظر آتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں: ”..... اور بتلاتا ہے کہ وہ افق پر کب ظاہر ہو سکتا ہے“ اور ”..... اور اس کے امکان ظہور و عدم امکان ظہور میں بھی.....“، اور کبھی ”امکان“ کی حد سے تجاوز کر کے اس کے علم یقینی ہونے کا اظہار کرتے ہیں جو کہ ہماری دانست میں غلط ہے۔

جہاں تک اس ”مسلمہ درایتی“ قاعدہ کا تعلق ہے کہ جس ”دن غروب آفتاب سے پہلے چاند کی ولادت نہ ہوئی ہو، یا چاند اس دن سورج غروب ہونے سے پہلے غروب ہو چکا ہو، تو اس دن یقیناً چاند نظر آنے کا کوئی امکان نہیں ہوگا“، مگر اس کے باوجود ”اگر اس دن کچھ لوگ یہ دعویٰ کریں کہ انہوں نے چاند دیکھا ہے“ تو اس بارے میں میں یہ کہتا ہوں کہ غروب آفتاب سے پہلے چاند کی ولادت کا نہ ہونا، یا خود چاند کا سورج غروب ہونے سے پہلے ہی غروب ہو جانا دراصل فلکیاتی ریاضیات، قرائن اور بعض وضعی قوانین وغیرہ کی بنیاد پر معلوم ہوتا ہے، جو فی نفسہ کوئی ”مسلمہ“ یا ”درایتی“ قاعدہ نہیں، بلکہ متعدد مفروضوں اور قیاسات سے عبارت ہے۔ لہذا اس حساب و کتاب میں بہت حد تک خطا کا امکان ہوتا ہے۔ اور جب حساب کتاب ہی میں خطا واقع ہو، یا کم از کم اس میں خطا کا امکان ہو، تو بالفعل ہلال دیکھنے والوں کے دعویٰ کو یہ کہہ کر جھٹلانا یقیناً غلط ہے کہ: ”یہ دعویٰ ایسا ہی ہوگا جیسے سورج غروب ہو چکا ہو، لیکن دعویٰ کرنے والے دعویٰ کریں کہ ابھی غروب نہیں ہوا۔ یا سورج نکل چکا ہو، لیکن دعویٰ کرنے والے دعویٰ کریں کہ سورج ابھی نہیں نکلا۔“ میں کہتا ہوں کہ یہ بات تو اس وقت درست ہو سکتی تھی جب کہ سورج کے طلوع اور غروب کی طرح غروب آفتاب سے قبل ہلال کی عدم ولادت یا غروب آفتاب سے قبل غروب قمر کا تعلق بھی محسوسات تاہم سے ہوتا، اور یہ آسانی ہر خاص و عام کے علم، ادراک اور مشاہدہ میں آ سکتا۔ ہر عقل سلیم کسی مرئی شئی کا غیر مرئی چیز سے، یا کسی حسی چیز کا غیر حسی شئی سے مقابلہ کرنا

اباء کرتی ہے۔

اس بارے میں ساحتہ الشیخ علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ (سابق مفتی اعظم، سعودی عرب) نے آج سے تقریباً اکیس سال قبل اپنے ایک انٹرویو میں حد درجہ درست فرمایا تھا کہ: ”فطری طور پر چاند نظر آنے پر ہی مکمل بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ رصدگاہوں اور دوسرے آلات سے مدد لینے کی ممانعت نہیں ہے، لیکن ان چیزوں پر اعتماد اور ان کو رویت کا معیار قرار دینا، اس طور پر کہ رویت ان مثنی آلات کی شہادت کے بغیر تسلیم ہی نہ کی جائے، قطعاً ممنوع ہے۔ (پھر ساحتہ الشیخ نے اپنے بیان میں ان حسابات کی روشنی میں ہلال کی ولادت ہونے، یا نہ ہونے کا فیصلہ کرنے والوں کے مابین اکثر واقع ہونے والے اختلاف رائے کی طرف اشارہ کیا ہے، جس کی وجہ سے ان مصنوعی وسائل پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے)۔“ [۱]

اور فضیلۃ الشیخ علامہ محمد صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”مہینہ کی ابتداء کے شرعی ثبوت کا طریقہ یہ ہے کہ لوگ ہلال دیکھیں، اور اس بارے میں جو دین اور قوت نظر کے اعتبار سے قابل بھروسہ ہوں ان کی رویت پر اعتماد کرنا چاہئے۔ اگر لوگ ہلال دیکھ لیں، اور یہ ہلال رمضان کا ہلال ہو، تو اس رویت کے مقتضی کے مطابق روزہ رکھنا واجب ہے۔ اسی طرح اگر یہ ہلال شوال کا ہلال ہو، تو روزہ کو موقوف کرنا واجب ہے۔ اگر بصری رویت نہ ہوئی ہو تو مرادِ فلکیہ کے حساب پر اعتماد کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر بصری رویت ہوئی ہو، تو نبی ﷺ کے اس ارشاد کہ: ”اِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَصُومُوا، وَاِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَافْطُرُوا“ کے عموم کی بناء پر یہ معتبر ہے، خواہ مرادِ فلکیہ کے ذریعہ ثابت نہ ہو۔ جہاں تک مجرد حساب کا تعلق ہے، تو نہ اس پر عمل جائز ہے، اور نہ ہی اس پر اعتماد کرنا۔ جہاں تک دوربین، جو کہ رویتِ ہلال کے منظر کو قریب کرنے کا آلہ ہے، کے استعمال کا تعلق ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن واجب بھی نہیں ہے۔ کیونکہ سنت سے جو چیز ظاہر ہے وہ رویتِ معتادہ پر اعتماد کرنا ہے، نہ کہ کسی دوسری چیز پر۔ لیکن اگر کوئی شخص اسے استعمال کرے، اور ہلال دیکھ لے، تو اس رویت پر عمل کیا جائے گا۔ قدیم زمانہ بھی لوگ ۳۰ شعبان اور ۳۰ رمضان کی شب کو مناروں پر چڑھ کر اس کا استعمال کیا کرتے تھے، اور اس آلہ کی

مدد سے ہلال دیکھتے تھے۔ بہر حال جب عینی روایت کسی بھی ذریعہ سے ثابت ہو جائے، تو اس کے حسب مقتضی نبی ﷺ کے اس ارشاد: 'اذا رأیتموہ فصوموا، واذا رأیتموہ فافطروا' کے عموم کی بناء پر عمل واجب ہے۔' [۱]

[۱]۔ کتاب الدعوة ۲/۱۵۰-۱۵۱ وثمانية وأربعون سؤالاً في الصيام أجاب عليه فضيلة الشيخ، ص ۳۰-۳۱

نئے چاند کی ولادت، اور اس کی رویت کے حساب کتاب میں غلطی کے امکانات

رویتِ ہلال کے حساب کتاب میں غلطی اور اختلاف واقع ہونے کے امکانات کا تذکرہ کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”..... یہ امر خفی ہے جسے صرف حساب کی مدد سے جانا جاسکتا ہے، اور اس علم کے جاننے والے بعض منفر د لوگ ہی ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ علم تھکا دینے والا (مخت طلب)، بہت سارے وقت کے ضیاع اور لوگوں کو غیر ضروری کام میں مشغول رکھنے کا باعث ہے۔ کبھی کبھی اس کے حساب میں غلطیاں اور اختلافات بھی واقع ہوتے ہیں۔ اسی طرح سورج کا فلاں یا فلاں برج کے سامنے آنا ایسا امر ہے کہ جس کا بصارت کے ذریعہ ادراک ناممکن ہے۔ اس کا ادراک ایک خاص حساب خفی کے ذریعہ ہوتا ہے جو کہ خاصہ دشوار ہے۔ اس حساب میں غلطیاں بھی ہوتی ہیں۔ (پھر امام رحمہ اللہ خلاصہ کلام کے طور پر فرماتے ہیں: (فظهر أنه ليس للمواقيت حد ظاهر عام المعرفة الا الهلال“ [۱])

اسی طرح بعض ماہرینِ فلکیات کا قول ہے کہ فلکیاتی نیا چاند (Conjunction) وہ لمحہ ہے جب کہ زمین، سورج اور چاند تینوں ایک ہی سطح (Plane) پر آ جاتے ہیں، جیسا کہ ضمیمہ میں پیش کی گئی شکل (۳۰) میں دکھایا گیا ہے۔ جدید علمِ سائنس کی روشنی میں نئے چاند کی ولادت اس وقت ہوتی ہے جب کہ کرۂ ارض چاند اور سورج کے وسط میں ہو، اور زمین سے چاند کا گزرنی یا بے نور طول (Ecliptical Longitude) اتنا ہی ہو جتنا کہ فی الواقع زمین سے سورج کا گزرنی طول ہے۔ اس وقت زمین سے چاند بالکل بے نور یا تاریک دکھائی دیتا ہے۔ اس لئے نئے چاند کو تاریک، یا غیر مرئی، یا بے نور، چاند بھی کہا جاسکتا ہے۔ بعض لوگ چاند اور سورج

کے گزرنی طول کا حساب زمین کے کسی مخصوص مقام سے کرتے ہیں۔ اس کو فلکیاتی مصطلح میں Topcentric Conjunction کہا جاتا ہے۔ فلکیاتی نئے چاند کی ولادت کا حساب لگانے کے لئے متعدد Algorithms موجود ہیں جن کا استعمال مطلوبہ صحت حساب کے اعتبار سے کیا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض Algorithm دوسرے Algorithms سے زیادہ درست یا قریب صحت ہیں۔ نسبتاً کم دیدہ ریز (Less Elaborate) لیکن کافی حد تک صحیح معادلات کی مدد سے نئے چاند کی ولادت کا حساب $(2+)$ یا $(2-)$ منٹ کی غلطی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ پس مختلف Algorithms کے ذریعہ کیا گیا Conjunction کا حساب ایک دوسرے سے قدرے مختلف، اور غیر موافق بھی ہو سکتا ہے۔ [۱]

دورِ حاضر میں چاند ایک سال میں دواغ سے ذرا کم زمین سے دور ہٹ جاتا ہے۔ اگرچہ یہ مقدار بہت کم ہے، لیکن جدید لیزری آلات تحدید فاصلہ (Laser Ranging Devices) کی مدد سے اس دوری کی پیمائش کی جاسکتی ہے۔..... زمین اور چاند کی رفتاروں میں بھی تبدیلی آتی رہتی ہے۔ لہذا مستقبل بعید، مثلاً آئندہ دس ہزار سالوں، میں ان کی رفتاروں میں کس قدر تبدیلی (Variation) آئے گی، اس کی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے ہلال کی رویت بالعين کا مشورہ دیا ہے۔ مستقبل بعید، حتیٰ کہ آئندہ پچاس سالوں، کے بارے میں بھی صحیح طور پر حساب کتاب ممکن نہیں ہے، اور اس میں خطا واقع ہونے کا بہت حد تک امکان ہے۔ [۲]

برطانوی موسوعہ کے مرتب بیان کرتے ہیں کہ: ”زاویائی قوتِ اندفاع (Angular Momentum) میں مسلسل اضافہ کے باعث چاند اپنا مدار بتدریج بدل رہا ہے۔ چاند کی اپنے مدار میں سرعت گھٹنے کے باعث یہ زمین سے مزید دور جاسکتا ہے، اور یہ دوری چند سینٹی میٹر فی سال ہو سکتی ہے۔“ [۳]

میں کہتا ہوں کہ اوپر جس جدید لیزری آلات تحدید فاصلہ یا ”مقیاس التداخل

الضوئی لتحديد طول الموجة ومعامل الانكسار“ (Laser Ranging)

(Devices) کا تذکرہ آیا ہے ان میں سے بکثرت استعمال ہونے والے آلات یا تو Lunar Very Long Baseline Radio (LLR) Laser Ranging ہیں، یا پھر (VLBI) Interferometry۔ یہ آلات چاند کی پوزیشن اور کرہ ارض سے اس کے فاصلہ کی پیمائش کرتے ہیں، لیکن بعض ماہرین کا قول ہے کہ اس پیمائش کی صحت میں چند سینٹی میٹر (Centimeter) کا فرق واقع ہو جانا معمولی بات ہے۔

روایت ہلال کے حساب میں غلطی کے مذکورہ بالا امکانات کے باعث بعض جدید مسلم ماہرین فلکیات، مثلاً محمد عودۃ الاردنی وغیرہ، نے بھی برملا یہ اعتراف کیا ہے کہ ”ہلال کی پیش گوئیاں انفرادی تحقیق و مطالعہ کا حاصل ہوتی ہیں، اور ایک دوسرے سے مختلف بھی ہوتی ہیں۔ اس لئے ماہرین فلکیات کی پیش گوئیوں پر قطعی اعتبار نہ کیا جائے، بلکہ ان کی پیش گوئیوں کو ہمیشہ مشاہدہ سے جانچنا چاہئے“۔ [۱]

اسی طرح وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ: ”ماہرین فلکیات اپنے فیصلوں میں اختلاف کرتے ہیں، حساب کتاب میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے۔ چاند کے موقع (Position) کے بارے میں فلکیاتی حساب تو درست ہوتا ہے، لیکن اس کی رویت کے بارے میں مختلف ماہرین فلکیات کے حسابات اور فیصلوں میں اختلاف ہوتا ہے، جو کہ ان کی ذاتی تحقیق کا نتیجہ ہوتا ہے۔“ [۲]

مزید کہتے ہیں کہ: ”نہ چاند کے بارے میں، اور نہ ہی کسی اور سیارہ کے بارے میں، حساب ۱۰۰ فیصد بروقت اور مکمل طور پر درست ہو سکتا ہے۔ جس چیز کو ہم آج بلا کم و کاست (Precise) سمجھتے ہیں ہو سکتا ہے کہ کل وہ Precisely درست نہ رہے۔ البتہ چاند اور دوسرے سیاروں کے مدار کا حساب ہم معقول حد تک صحت کے ساتھ کر سکتے ہیں۔“ [۳]

”نئے چاند کی ولادت کا حساب کتاب رصد گاہوں کے مشاہدات پر منحصر ہوتا ہے۔ یہ محض علم ریاضی (یعنی $۲+۲=۴$) جیسا حساب کتاب نہیں ہے۔ آج جو Calculations ہم مستقبل کے لئے کرتے ہیں ہو سکتا ہے وہ بعینہ ویسے نہ ہوں، کیونکہ زمین اور چاند کے مدار، اور ان کی رفتاریں آہستہ آہستہ بدلتی رہتی ہیں۔ اور ممکن ہے کہ پانچ سال کے بعد مستقبل میں ان کی رفتاریں اور مدار دونوں اس وقت سے مختلف ہوں۔“ [۴]

بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر جنوب مشرقی ایشیائی ممالک کے ماہرین فلکیات میں سے ایک معروف مسلم محقق ڈاکٹر محمد الیاس صاحب (ساکن Pulau Pinang, Malaysia)، جو اس موضوع پر کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں، کی پیش گوئیوں کو دیکھا جائے تو یہ کئی بار غلط ثابت ہو چکی ہیں۔ ان کے متعدد بار غلط ثابت ہونے کے بارے میں بعض امریکی ماہرین لکھتے ہیں: ”ان کا معیار (Criteria) حد درجہ تخمینہ پر قائم ہے، لہذا ۱۹۹۶ء سے ان کا یہ معیار بہت بار ناکام ہو چکا ہے۔..... نا قابل دید ہلال کے بارے میں یہ معیار نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا ہے۔“ [۱]

خلاصہ یہ کہ نئے چاند کی ولادت اور اس کی رویت کے حساب کتاب میں بہت حد تک غلطی کے امکانات موجود ہیں۔ ان اخطاء کے متعدد اسباب ہیں، جن میں سے بعض کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے۔ اگر غلطیوں کے ان اسباب، اور فی الواقع ثابت ہونے والی غلطیوں پر غور کیا جائے، تو ان حساب کتاب کی حقیقت قیاس اور تخمینہ سے زیادہ کچھ نظر نہیں آتی ہے۔ لہذا رویت ہلال کے حتمی فیصلہ کے لئے اس قیاس و تخمین کو بنیاد بنانا کسی طرح معقول و مناسب نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علم نجوم کی مدد سے رویت ہلال کے حساب کتاب کی حقیقت کے متعلق شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی تحقیق بھی پیش کی جائے۔

علوم ہیئت و نجوم کی مدد سے ہلال کا حساب کتاب -- شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی نظر میں

اس بارے میں ”نئے چاند کی ولادت، اور اس کی رویت کے حساب کتاب میں غلطی کے امکانات“ کے زیر عنوان شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ایک نہایت پُر حقائق اور معنی خیز اقتباس اور پر گزر چکا ہے۔ لیکن چونکہ آپ کے بعض دوسرے اقتباسات بھی کچھ کم اہم نہیں ہیں، نیز اوپر مختلف مقامات پر چند قدماء کے متعلق علوم فلکیات و ہیئت و نجوم کی روشنی میں طلوع یا رویت ہلال کا حساب کتاب کیا جانا بھی منقول ہوا ہے، لہذا ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اس ضمن میں مزید کچھ گفتگو کی جائے۔ پہلی بات تو یہ کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے نہ صرف یہ کہ ان صالحین کی طرف ان اقوال کی نسبت کو مشتبہ قرار دیا ہے، بلکہ ان پر نہایت وقیع تبصرہ بھی فرمایا ہے جو کہ اوپر ”فاقدروا لہ“ کے معنی کی تعیین“ کے زیر عنوان گزر چکا ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اس بارے میں اپنے متعدد فتاویٰ میں کافی مفید بحث فرمائی ہے، چنانچہ ایک مقام پر یوم شک میں روزہ رکھنے کے متعلق سلف کے مابین اختلاف رائے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”لیکن اگر وہ جان لیتے کہ کسی کو ہلال نظر نہیں آیا ہے، تو امت میں سے کوئی بھی اس دن روزہ رکھنا اس بناء پر جائز نہیں سمجھتا تھا کہ طلوع ہلال پر حساب دلالت کرتا ہے، اگرچہ وہ کسی کو نظر نہیں آسکا ہے“۔ [۱]

آں رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: ”ہمیں بالاضطرار معلوم ہے کہ دین اسلام میں روزہ یا حج یا عتد یا ایلاء وغیرہ کے احکام رویت ہلال کے ساتھ معلق ہیں۔ اس بارے میں کسی حساب کرنے والے کا یہ خبر دینا کہ حساب کے مطابق ہلال نظر آگیا ہے، یا نظر نہیں آیا ہے، جائز نہیں ہے۔ اس بارے میں نبی ﷺ سے بہت ساری نصوص مستفیضہ مروی

ہیں، اور مسلمانوں کا اس پر اجماع بھی ہے۔ اصلاً اس کے خلاف نہ تو زمانہ قدیم میں کوئی چیز معروف ہے، اور نہ عصر جدید میں، سوائے بعض ان متاخرین فقہاء کے جو تیسری صدی ہجری کے بعد وجود میں آئے، اور انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اگر ہلال بادل میں چھپا ہو تو حساب جاننے والے کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے نفس کے لئے حساب لگالے۔ پس اگر اس کا حساب رویت پر دلالت کرے تو وہ روزہ رکھ لے، ورنہ نہ رکھے۔ یہ قول اگرچہ بدلی کے ساتھ مقید، اور حساب لگانے والے کے لئے خاص ہے، مگر بہر طور شاذ ہے، اور اس کے خلاف مسلمانوں کا اجماع مسبوق ہے۔ جہاں تک صاف آسمان ہونے کی صورت میں اس کی اتباع کرنے، یا اس کو ایک عام حکم بنادینے کا تعلق ہے، تو کسی مسلم نے بھی ایسا نہیں کہا ہے۔ یہ قول تو ان اسماعیلیوں کے قول کے قریب تر ہے جو ہلال کی بجائے عدد کے قائل ہیں۔ ان میں سے بعض جعفر صادق سے ایک جدول (یعنی نقشہ یا چارٹ) بھی روایت کرتے، اور ہلال کے فیصلہ کے لئے اسی پر عمل کرتے ہیں، حالانکہ یہ جعفر صادق پر عبد اللہ بن معاویہ کی افتراء تھی۔ یہ تمام اقوال دین اسلام سے خارج ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے جعفر وغیرہ کو ان چیزوں سے بری رکھا تھا۔ بلاشبہ دین اسلام ظاہر ہو جانے کے بعد ان چیزوں کی طرف استناد کرنا ممکن نہیں ہے، الخ۔“ [۱]

آں رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ: ”بلاشبہ سند صحیحہ اور اتفاق صحابہ سے ثابت ہے کہ نجومی حساب پر اعتماد کرنا ناجائز ہے، جیسا کہ ”صحیحین“ میں آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ، لَا نَكْتُبُ، وَلَا نَحْسِبُ، صُومُوا لِرُؤْيَيْهِ وَأَقِطُوا لِرُؤْيَيْهِ“۔ ہلال کے بارے میں حساب پر اعتماد کرنے والا گمراہ شریعت، مبتدع دین اور خطیہ عقل کے مانند ہے۔ علم حساب کے متعلق علمائے بیتِ نبوی واقف ہیں کہ رویت کسی حسابی امر سے منضبط نہیں ہوتی۔ ان کے نزدیک اگر حساب درست ہو، تو اس کی غایت مثال کے طور پر یہ ہے کہ بوقتِ غروب اس سے ہلال اور آفتاب کے مابین واقع درجہ (ڈگری) کو جانا جاسکتا ہے۔ لیکن رویت کسی محدود درجہ کے ساتھ مربوط نہیں ہے، بلکہ یہ حدیثِ نظر، اور دیکھنے والے کی بینائی کے مختلف ہونے سے، یا اسی طرح جس مقام سے ہلال دیکھا جا رہا ہو اس کی بلندی اور پستی

سے، نیز فضاء کے صاف و شفاف یا آلودہ اور مکدر ہونے سے مختلف ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کو یہ آٹھ درجات کی بلندی پر ہی نظر آ جاتا ہے، جب کہ دوسروں کو یہ بارہ درجات کی بلندی پر بھی نظر نہیں آتا۔ اسی لئے قوسِ رؤیت کے متعلق اہلِ حساب کے مابین سخت اختلاف اور اضطراب پایا جاتا ہے۔ ان کے ائمہ، مثلاً مشہور فلکی عالم بطلمیوس (Ptolemy, 2nd Century A.D.)، اس بارے میں ایک حرف (میں اپنا فیصلہ) نہیں بتاتے (کہ رؤیت ہوگی یا نہیں) کیونکہ اس امر پر کوئی حسابی دلیل قائم نہیں ہے۔ البتہ ان کے بعض متاخرین، مثلاً کوشیار دیلمی وغیرہ، نے اس بارے میں کچھ کلام کیا ہے، الخ“۔ [۱]

شیخ الاسلام رحمہ اللہ ایک مقام پر ہونے والی رؤیت کے دوسری جگہوں پر معتبر ہونے، اس کے لئے مسافتِ قصر کی حد مقرر کرنے، ایک مقام کی رؤیت تمام اقالیم کے لئے یکساں مؤثر ہونے، ایک شخص کی گواہی کے مقبول ہونے، دو لوگوں کی گواہی کی مطلق ضرورت، آسمان صاف ہونے کی صورت میں جم غفیر کی گواہی کے مطلوب ہونے، وغیرہ جیسے مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ”یہ مسائل اس جنس سے ہیں کہ جن کے بارے میں اہلِ اجتہاد نے اختلاف کیا ہے۔ مگر ان کے برخلاف جو رؤیتِ ہلال کو حساب کتاب سے اخذ کرنے، یا اس کے لئے کسی کتاب، مثلاً نقشوں اور چارٹ یا تقویمی حساب، یا سورج اور چاند کی سیر سے ماخوذ تعدیل وغیرہ کی مدد سے لینے کے لئے نکلے، کہ جن کی رسول اللہ ﷺ نے بصرِ راحت نفی فرمائی ہے، اور اپنی امت کو ان چیزوں سے روکا ہے، تو ایسے شخص کے بارے میں علماء ہمیشہ یہی کہتے رہے ہیں کہ: جو رؤیت کو ان چیزوں سے اخذ کرنے کے لئے نکلا، تو وہ اسلام میں ایسی چیز کو داخل کرنے کا مرتکب ہوا جس کا کہ اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ ان اقوال کا اہلِ بدعت کے اقوال سے مقابلہ کرتے ہیں، اور ان پر اسی طرح نکارت کرتے ہیں جس طرح کہ وہ اہلِ بدعت کے اقوال پر کیا کرتے ہیں۔ جن لوگوں نے دین میں یہ بدعت شروع کی وہ اہلِ کتاب، اور صابئین میں سے مبتدعین کے مشابہ لوگ ہیں۔ اور ان کا تعلق شیعہ، اور اسماعیلیوں وغیرہ کی طرف منسوب اقوام سے ہے۔ یہ لوگ رؤیت کی بجائے اعداد کا اعتبار کرتے ہیں۔ اس بدعت

کے نکلنے کا مبداء کوفہ ہے۔ ان میں سے بعض اس چارٹ یا نقشہ پر اعتماد کرتے ہیں جس کے بارے میں ان کا زعم ہے کہ اسے جعفر صادق نے انہیں دیا ہے، حالانکہ اس کو لانے والا عبداللہ بن معاویہ ہے۔ شیعہ وغیرہم میں سے اہل معرفت کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ جعفر صادق پر گھڑا ہوا جھوٹ ہے، جسے اس عبداللہ نے گھڑا ہے۔ اس بارے میں جو پسندیدہ چیز جعفر صادق، اور عام ائمہ اہل بیت، سے نقل ثابت ہے وہ وہی ہے جس پر کہ مسلمان ہیں۔ شیعہ کے اکثر عقلاء کا یہی قول ہے۔“ [۱]

آگے چل کر شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے علمِ بیت کی روشنی میں اس بارے میں بہت تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: ”جان لو کہ اہل حساب میں سے تمام محققین اس بات پر متفق ہیں کہ حساب کی مدد سے روایت کا ضبط کرنا ممکن نہیں ہے کہ اس طرح کوئی حکم لگایا جاسکے کہ ہلال الاحالہ نظر ہی آئے گا، یا علی وجہِ مطرد نظر نہیں آئے گا۔ اتفاقاً کبھی ایسا ہو سکتا ہے، اور بعض اوقات ایسا ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ لہذا روم، ہند، ایران اور عرب وغیرہ کی امتوں میں سے اس فن کے پختہ کار ماہرین، مثلاً بطلمیوس جو کہ ان سب میں مقدم ہے، اور جوان کے بعد آئے، اور اسلام سے قبل یا بعد میں گزرے ہیں، ان کی طرف روایت کے فیصلہ کے بارے میں ایک حرف بھی منسوب نہیں ہے کہ (وہ بتاتے ہوں کہ: روایت ہوگی یا نہیں)۔ وہ جس طرح قرصین کے اجتماع کی تحدید کرتے ہیں، اس طرح روایت ہلال کی تحدید نہیں کرتے۔ البتہ ابنائے اسلام میں سے علماء فلکیات کی ایک جماعت، مثلاً کوشیار دہلی، نے اس بارے میں کچھ کلام کیا ہے۔ ان میں سے جن لوگوں نے بھی روایت کے متعلق کلام کیا ہے، انہوں نے کوشیار دہلی، یا اس کے مثل ماہر فلکیات، پر ہی اعتماد کیا ہے۔ لیکن ان کے حذاق، مثلاً ابوالی المروزی القطان وغیرہ، نے اس کا انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کے نزدیک روایت جاننے کی ایک بہ تکلف آرزو ہے، ورنہ درحقیقت اس کا ضبط کرنا ناممکن ہے۔ شاید کہ ان میں سے جو لوگ اس فن میں داخل ہوئے ان کے دلوں میں نفاق کی رمت موجود تھی، کیونکہ نفاق کا ان لوگوں میں موجود ہونا کچھ بعید نہیں ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں سے کسی کو حساب کے بارے میں حسنِ ظن رکھنے والے بعض جاہل

بادشاہوں کا تقرب حاصل ہو گیا ہو، اور اس نے اس فن کو ان کے سامنے اسلام کی طرف انتساب کے ساتھ پیش کیا ہو۔

اس ضبط کے امتناع کا بیان یہ ہے کہ حساب داں سورج اور چاند کی بلندیوں کے ضبط کا اندازہ کرتا ہے، اور اس بات کا بھی کہ وہ دونوں فلاں وقت، فلاں آسمانی برج میں، ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں گے۔ اس وقت زمین کا فلاں علاقہ ان کے محاذ کی ہوگا، خواہ یہ اجتماع دن میں واقع ہو، یا رات میں۔ یہ اجتماع استمرار کے بعد، اور استہلال سے قبل ہوتا ہے۔ کیونکہ چاند اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ اپنی اٹھائیس منازل میں جاری و ساری رہتا ہے، پھر سورج کے قریب آجاتا ہے، چنانچہ ایک یا دو راتیں سورج کے ساتھ اپنی محاذ اذ کے باعث مستور رہتا ہے۔ جب اس کے نیچے سے نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں نور پیدا فرماتا ہے، پھر جیسے جیسے وہ اس سے دور ہوتا جاتا ہے، اس کا نور بھی زیادہ ہوتا جاتا ہے، حتیٰ کہ لیلۃ الابدار (یعنی چودھویں رات) میں وہ اس کے مقابل آجاتا ہے۔ پھر جوں جوں وہ اس کے قریب آتا جاتا ہے، اس میں کمی آتی جاتی ہے، حتیٰ کہ وہ اس کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے۔ اسی لئے علمائے فلکیات اجتماع اور استقبال کے بارے میں تو بات کرتے ہیں، لیکن یہ کہنے پر قادر نہیں ہیں کہ اس مفارقت کے وقت ہلال نظر آئے گا۔ وہ فقط استمرار کے وقت اجتماع، اور ابدار کے وقت استقبال کی بات کرتے ہیں۔

حساب کی معرفت سے وقت استمرار اور وقت ابدار پتہ چل سکتے ہیں، جو کہ اجتماع اور استقبال (یعنی روبرو ہونے) کے باعث وجود میں آتے ہیں۔ پس لوگ امر ظاہر، یعنی مہینہ کے آخر میں ہلالی استمرار، مہینہ کے اوائل میں ہلال کے ظہور، اور مہینہ کے وسط میں اس کے کمال نور سے ابدار کو عبارت بتاتے ہیں۔ جب کہ اہل حساب امر خفی، یعنی قرصین کے اجتماع سے وقت استمرار پر، اور آفتاب و ماہتاب کے استقبال سے وقت ابدار پر دلالت کرتے ہیں، اور ان چیزوں کا ضبط حساب سے ممکن ہے۔ لیکن حساب کی جہت سے ہلال کا ضبط ان کے بس کا کام نہیں ہے، کیونکہ حساب سے اس کا ضبط نہیں ہوتا۔ اور جس طرح حساب کی مدد سے سورج اور چاند گرنہوں کے اوقات معلوم ہو سکتے ہیں، رویت ہلال کا وقت معلوم نہیں ہو سکتا ہے۔..... پس ہم کہتے ہیں کہ حساب کی جو غایت ممکن ہے یہ ہے کہ اگر اس کا حساب درست ہو، تو اس سے یہ

جان لیا جائے کہ فلاں وقت قمر صین جمع ہوں گے، یا یہ کہ غروب شمس کے وقت قمر اس سے کس زاویائی فرق پر واقع ہے، مثلاً دس درجہ پر، یا اس سے کم یا اس سے زیادہ درجات پر۔ یہ درجہ آسمان کے تین سواٹھ اجزاء میں سے ایک جزء ہوتا ہے۔

پھر وہ اسے بارہ حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اور اسے 'الداخل' پکارتے ہیں: یعنی بارہ برجوں میں سے ہر برج مخصوص درجہ کا ہوتا ہے۔ اس کی معرفت کی غایت یہ ہے کہ کسی معین وقت اور کسی معین مقام پر دو برجوں کے مابین کس قدر دوری ہے۔ یہ چیز حساب کی مدد سے ضبط میں آسکتی ہے۔ لیکن ہلال نظر آئے گا یا نہیں، تو یہ امر حسابی اور ریاضی نہیں، بلکہ حسی اور طبیعی ہے۔ اس کی یہ غایت سمجھنا کہ یہ کہا جاسکے کہ: اگر یہ اس اور اس درجہ پر ہو تو قطعاً نظر آئے گا، یا قطعاً نظر نہیں آئے گا، تو یہ سراسر جہل اور غلطی پر مبنی بات ہوگی۔ کیونکہ رویت کسی ایک قانون پر منحصر نہیں ہے کہ اس کی نفی یا اثبات میں کوئی کمی بیشی نہ ہو سکے۔ بلکہ مثال کے طور پر اگر اس کا بعد بیس درجہ ہو تو ہلال نظر آئے گا، بشرطیکہ اس کے ارد گرد کوئی چیز حائل نہ ہو، لیکن اگر ایک درجہ کے بعد پر ہو تو یہ نظر نہیں آئے گا۔ اور اگر یہی بعد دس کے آس پاس کسی درجہ کا ہو تو ایسی صورت میں رویت کے متعدد اسباب کے مختلف ہونے کے باعث یہ امر مختلف ہوتا ہے (پھر شیخ الاسلام رویتِ ہلال میں خصوصی کردار ادا کرنے والے اسباب و عوامل کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں:) پس اگر رویت میں حکماً یہ اسباب مشترک ہوں، کہ جن کا حاسب کے حساب میں کوئی عمل دخل نہیں ہے، تو ایسی صورت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی حساب داں یہ عام خبر دے سکے کہ کسی کے لئے ہلال کا دیکھنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ اس نے اسے سات یا آٹھ یا نو درجات پر پایا ہے؟ اسی طرح اس کا جزا یہ خبر دینا بھی کیسے ممکن ہے کہ ہلال ضرور نظر ہی آئے گا، مثال کے طور پر جب کہ وہ نو یا دس درجات پر ہو؟ لہذا آپ انہیں قوسِ رویت کے بارے میں بھی، یعنی اس کا ارتقاع کس قدر ہے، مختلف پائیں گے۔ ان میں سے کوئی اس کو ساڑھے نو درجات بلند کہے گا، تو کوئی (کچھ اور) بتائے گا۔ پھر وہ گرمیوں اور سردیوں کے موسم میں بھی تفریق کے محتاج ہیں۔ اگر سورج شمالی بروج میں ہو تو مرتفع ہوگا، اور اگر جنوبی بروج میں ہو تو پستی میں ہوگا۔ اس بیان سے ظاہر ہوا کہ رویت کے بارے میں ان کی خبر باعتبار جنس احکام نہایت ضعیف تر ہے، الخ"۔ [۱]

پورے عالم اسلام کی رویت میں وحدت ویگانگت کے امکانات

ایک عرصہ سے نام نہاد دانشوروں اور مصلحین امت کے حلقہ سے یہ تجویز وقفہ وقفہ کے ساتھ پیش کی جاتی رہی ہے کہ پورے عالم اسلام میں ایک ہی دن ماہ رمضان کے آغاز اور عیدین منانے کا اہتمام کیا جانا چاہئے کہ یہ اقدام اتحاد امت کی ایک بہتر مثال ہوگی۔ جہاں تک راقم کے علم میں ہے اس چیز کی پہلی باضابطہ کوشش ماہ اکتوبر ۱۹۷۱ء (بمطابق ماہ شعبان ۱۳۹۱ھ) کے دوران مکہ المکرمہ میں رابطہ العالم الاسلامی (Muslim World League) کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی تیرہویں تاسیسی مجلس میں کی گئی تھی۔ اس مجلس میں چند زیر غور قراردادوں میں سے ایک قرارداد یہ بھی تھی: ”قرار يقضى بتوحيد الأهلة في الأقطار المنتسبة إلى الإسلام“۔ اس قرارداد کا خلاصہ یہ ہے کہ: ”تمام عالم اسلام میں ایک ہی دن رویت ہلال ہونے کا فیصلہ اس طرح پر کیا جائے کہ اگر مراکش، یا ایران وغیرہ، میں ہلال دیکھا جائے تو اسی رویت کی بنیاد پر تمام روئے زمین کے مسلمانوں پر روزہ اور افطار کو لازم قرار دیا جائے۔ اور رابطہ العالم الاسلامی کا سیکریٹریٹ (Secretariate) تمام ممالک اسلامیہ کے بادشاہوں اور صدور (Presidents) کو خطوط لکھ دے کہ وہ اس کے بموجب عمل کریں، اور یہی شریعت کا منشاء اور تقاضہ بھی ہے۔“ [۱]

اس باضابطہ عالمی کوشش کے بعد انفرادی طور پر بھی اس ضمن میں متعدد کوششیں ہوتی رہی ہیں، بلکہ گزشتہ چند سالوں سے ہر سال پاکستان میں رمضان اور عیدین کے موقعوں پر یہ مسئلہ گرما گرم بحث و مباحثہ کا موضوع بن جاتا ہے، اور دن پہ دن شدت ہی اختیار کرتا جا رہا ہے۔ انہی انفرادی کوششوں کے ضمن میں ماہنامہ ”الفرقان“ لکھنؤ مجریہ ماہ دسمبر ۱۹۸۱ء میں

جناب ضیاء الدین لاہوری صاحب (ایم۔ اے) کا ایک مضمون بعنوان ”مسئلہ رؤیت ہلال پر مکمل اتفاق“ شائع ہوا تھا۔

پھر اسی سلسلہ میں جناب حافظ ابوالفیض احمد صدیقی صاحب کا ایک رسالہ بعنوان ”توجیہ الأنظار لتوحید المسلمین فی الصوم والإفطار“ بھی نظر سے گزرا، جس میں مؤلف موصوف اس طرف گئے ہیں کہ اختلافِ مطالع معتبر نہیں ہے۔ اگر اقطارِ عالم میں سے کسی قطر کے لوگوں کے نزدیک رؤیت ہلال ثابت ہو جائے تو مختلف اقطار کے تمام مسلمانوں پر روزہ لازم ہو جاتا ہے۔ اس بارے میں انہوں نے بکثرت دلائل و براہین جمع کرنے کی کوشش کی ہے، اور ان سے اپنے مقصود پر احتجاج کیا ہے۔ اُن کے ان دلائل میں سے ایک بُزوردلیل یہ ہے کہ: ”ابن عباسؓ کی حدیث میں اختلافِ مطالع کی اصلاً کوئی دلیل موجود نہیں ہے، بلکہ اس میں تو اس بات کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں ہے کہ: ’لکل بلد رؤیتهم‘۔ یہ تمام چیزیں ان کے نزدیک ’من الثقول علی الحدیث، وتحملہ مالا یحمل‘ ہیں۔

اسی طرح چند سال قبل سعودی عرب کے ایک عالم شیخ محمد بن ابراہیم بن عبد اللہ التویجری حفظہ اللہ کی کتاب ”مختصر الفقہ الاسلامی“ نظر سے گزری۔ اس میں آں موصوف لکھتے ہیں: ”إذا رأى الهلال أهل البلد، لزهم الصوم، وحيث إن مطالع الهلال مختلفة، فلكل إقليم أو قطر حكم يخصه، في بدء الصيام ونهايته، حسب رؤيتهم، وإن صام المسلمون جميعاً في أقطار الأرض برؤية واحدة، فهذا حسن، وهو مظهر يدل على الوحدة والإخاء والاجتماع، وإلى أن يتحقق ذلك إن شاء الله تعالى. فعلى كل مسلم أن يصوم مع دولته، ولا ينقسم أهل البلد على أنفسهم، فيصوم بعضهم معها، وبعضهم مع غيرها، حسماً لمادة الفرقة التي نهى الله عنها“۔ [۱] (ترجمہ: اگر کسی شہر کے لوگ ہلال دیکھ لیں تو ان پر روزہ لازم ہو جاتا ہے۔ چونکہ مطالع ہلال مختلف ہیں، لہذا ہر اقليم یا قطر میں روزہ کی ابتداء و انتہاء کا حکم ان کی حسبِ رؤیت انہیں کے لئے خاص ہے۔ اگر روئے زمین کے تمام مسلمان ایک ہی رؤیت

سے روزہ رکھیں تو بہتر ہے۔ یہ مظہر وحدت، اخوت اور اجتماعیت کی دلیل ہے، اور ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور متحقق ہوگا۔ لہذا ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ تفرقہ، کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، کی بیڑیاں کاٹنے کی غرض سے اپنے ملک کے ساتھ روزہ رکھے، اور اہل بلد اپنے آپ اس طرح تقسیم نہ ہو جائیں کہ بعض تو ان کے ساتھ روزہ رکھیں، اور بعض دوسروں کے ساتھ (ساتھ)

یہ چند اقتباسات اس ضمن میں کی جانے والی اجتماعی و انفرادی کوششوں کی نمائندگی کرنے والی چند جھلکیاں ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ رمضان یا عیدین یا حج، جن کی بنیاد رویت ہلال پر ہے، ان کی حیثیت ملکی تہواروں یا غیر اسلامی جشنوں جیسی نہیں ہے، بلکہ دراصل یہ سب دینی شعائر ہونے کے باعث عبادات میں شامل ہیں۔ اس لئے ان کے آغاز میں عالمی وحدت مطلوب نہیں، بلکہ اخلاص نیت کے ساتھ خشوع و خضوع مقصود ہے۔ اس کے لئے ہر جگہ پر وقار علاقائی اجتماعیت، جو اسلامی تعلیمات نیز مسلمانوں کی شان و شوکت کا مظہر ہو، کافی ہے۔

راقم نے فریق مخالف کے تمام دلائل کو بغور، اور بار بار، پڑھا ہے۔ اس فریق کے تمام دلائل اور ان کے جوابات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے، یعنی اگر مشرق کے کسی خطہ میں ہلال نظر آجائے، تو یہ مغربی خطوں کے باشندوں کے لئے بھی حجت ہوگا، اور یہی رویت ان کے لئے رمضان و عیدین ثابت کرنے کے لئے کافی ہوگی۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا مفصل جواب اوپر ”اختلاف مطالع“ اور ”ایک شہر میں رویت اور دوسرے میں عدم رویت، نیز بیرون شہر سے آنے والی رویت کی خبر کا حکم“ کے عنوانات کے تحت گزر چکا ہے۔

(۲) احادیث: ”فان شهد ذوا عدل فصوموا“، ”إذا رأیتموہ فصوموا، وإذا رأیتموہ فافطروا“ اور ”صوموا لرؤیتہ، وافطروا لرؤیتہ“ وغیرہ میں بظاہر خطاب تمام امت کے لئے بایں طور عام ہے کہ ”صوموا“ اور ”افطروا“ کی ضمیر جمع امت کے لئے ہے۔ پس اگر کسی نے ہلال دیکھ لیا تو یہ رویت پوری امت کے لئے کافی ہوگی [۱]، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس پر بحث بھی اوپر گزر چکی ہے۔

(۳) حدیث ابن عباسؓ (در واقعہ کریمؓ) میں اختلافِ مطالع کی کوئی دلیل نہیں ہے، اور نہ ہی اس میں ”لکل بلد رؤیتهم“ کا تذکرہ ہے۔ لہذا اس حدیث سے استدلال درست نہیں ہے۔ [۱] میں کہتا ہوں کہ محولہ حدیث پر تفصیلی بحث بھی اوپر مناسب مقامات پر گزر چکی ہے۔

(۴) فقہائے امت کی کثرت یعنی امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام لیث بن سعدؒ اور بعض شوافع اسی بات کے قائل ہیں کہ کسی خطہ کی رؤیت تمام کرہ ارض کے مسلمانوں کے لئے حجت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ شافعیہ کا معتد علیہ مسلک اس کے خلاف ہے، جیسا کہ سابقہ اوراق میں بیان کی گئی تصریحات سے واضح ہوتا ہے۔ البتہ یہ درست ہے کہ حنفیہ میں ظاہر الروایہ کے مطابق اختلافِ مطالع کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اسی لئے بڑے صغیر کے احناف کا ایک گروہ پورے عالم اسلام میں ایک ہی دن رمضان کے آغاز، اور عیدین منانے پر شدت کے ساتھ مصر ہے۔ حالانکہ متاخرین میں سے محقق احناف اختلافِ مطالع کے قائل رہے ہیں، جیسا کہ اوپر ”اختلافِ مطالع“ کے زیر عنوان گزر چکا ہے۔ اور یہ طے شدہ امر ہے کہ جس طرح مختلف مقامات پر نماز کے اوقات مختلف ہوتے ہیں، اسی طرح قمری ماہ کی ابتداء و انتہاء بھی مختلف ہوتی ہے۔ دنیا کے ایسے ایک دوسرے سے بعید دو مقامات کے مابین وقت و تاریخ کا اختلاف واقع ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ان مقامات پر اتحادِ مطلع، یا ایک ہی قمری تاریخ کا نفاذ منطقی اعتبار سے ناممکن ہے۔

جہاں تک رابطہ العالم الاسلامی کی محولہ بالا قرارداد کا تعلق ہے تو جاننا چاہئے کہ اسی تاسیسی اجلاس میں سعودی مجلس القضاء الاعلیٰ کے سابق رئیس ساحتہ الشیخ عبداللہ بن محمد بن حمید رحمہ اللہ بھی شریک تھے، اور انہوں نے نہ صرف یہ کہ اس قرارداد کی سختی کے ساتھ مخالفت کی تھی، بلکہ اس انداز فکر کی رد میں باون صفحات پر محیط ایک مستقل رسالہ بعنوان ”تبیان الأدلۃ فی اثبات الأھلۃ“ بھی مرتب فرمایا تھا، جو المملکۃ العربیۃ السعودیۃ کی وزارت العدل کے زیر اہتمام متعدد بار طبع ہو کر علماء اور محققین سے دائر تحسین حاصل کر چکا ہے۔ اس رسالہ کو والد محترم شیخ محمد

امین الاثری الرحمانی المبارکفوری رحمہ اللہ نے ۱۹۸۴ء میں اردو قالب میں ڈھالا تھا۔ یہ رسالہ ادارہ توحید، علی گڑھ کے زیر اہتمام اسی سال شائع ہو چکا ہے۔ اس فکر انگیز رسالہ کا مقصد تالیف بیان کرتے ہوئے مؤلف رحمہ اللہ ”مقدمہ“ میں لکھتے ہیں: ”میں بھی اس اختتامی اجلاس میں شریک تھا۔ جب یہ قرار داد پڑھی گئی تو میں (یعنی شیخ عبداللہ بن محمد بن حمیدؒ) نے پر زور انداز میں اس کی مخالفت کی، اور کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث، نیز علمائے محققین، حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور علمِ ہیئت جدیدہ اور جغرافیہ جدیدہ کے خلاف ہے۔ مجلس کے بعض ارکان کی یہ رائے کسی بھی ملک کی رویت تمام دنیا والوں کے لئے روزہ و افطار کو واجب کر دیتی ہے، گوکہ قدماء میں بعض علماء اس کے قائل رہے ہیں، لیکن ان کی رائے عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ صفحات سے اس کا غلط ہونا آپ پر واضح ہو جائے گا۔ اس لئے میں نے مناسب جانا کہ اس موضوع پر ایک رسالہ لکھوں جس سے حق واضح ہو جائے، اور یہ بھی روشن ہو جائے کہ مطالع کے اختلاف میں واقف کار حضرات متفق ہیں، اور ہر اہل بلد کے لئے انہی کی رویت معتبر ہے۔ جو مالک اپنے آپ کو اسلامی کہتے ہیں اور اپنی نسبت اسلام کی طرف کرتے ہیں، وہ کتاب و سنت سے کتنی دور جا پڑے ہیں، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے ہر شخص واقف ہے۔ اس رسالہ کا نام میں نے ”بیان الأدلة فی اثبات الأہلۃ“ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا، اور وہی راہِ مستقیم کی ہدایت بخشنے والا ہے۔“ [۱]

جہاں تک جناب ضیاء الدین لاہوری اور حافظ ابو الفیض احمد صدیقی صاحبان کے دلائل کا تعلق ہے، تو ان کے بیشتر جوابات اوپر اس کتاب میں مختلف مقامات پر گزر چکے ہیں۔ اور شیخ تو بھری نے تو سرے سے کوئی دلیل ہی پیش نہیں کی ہے کہ اس کا جائزہ لیا جاسکے۔ جہاں تک پاکستان میں علمی اور غیر علمی حلقوں کی طرف سے بار بار اس مطالبہ کے سر اٹھانے کا معاملہ ہے تو ۱۹۹۹ء میں اس کا تفصیلی جواب اور نہایت معقول جناب شیخ حافظ صلاح الدین یوسف صاحب حفظہ اللہ نے دیا ہے، جو افادہ قارئین کے پیش نظر یہاں بعض معمولی وضاحتی نوٹس کے ساتھ بعینہ نقل کیا جاتا ہے:

”کیا پورے عالم اسلام میں عید ایک ہی دن منائی جاسکتی ہے؟ چند دن گزرے، ایک استفتاء دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک سے علماء کرام کے نام موصول ہوا ہے، جس کا تعلق اس امر سے ہے کہ پورے عالم اسلام میں ایک ہی دن عید ہو، اور ایک ہی دن روزے کا آغاز و اختتام ہو۔ فاضل مستفتی نے، جو ایک عالم دین، محقق اور مفتی ہیں، اپنے دلائل میں یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ احناف، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اختلافِ مطالع کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس لئے عالم اسلام کے کسی ایک خطہ میں اگر رویتِ ہلال ثابت ہو جائے، تو اسے پورے عالم اسلام کے لئے تسلیم کر کے تمام مسلمان عالم ایک ہی دن عید الفطر و عید الاضحیٰ منائیں، اور ایک ہی دن روزوں کا آغاز و اختتام کریں۔

لیکن ہمارے فہم شریعت کی رو سے ایسا کرنا صحیح نہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ عیدین اگرچہ مسلمانوں کے ملی تہوار ہیں، لیکن یہ دوسرے مذاہب کے سے ملی تہوار نہیں، جن میں وہ لوگ تہوار کی سرستی میں ہر چیز کو فراموش کر دیتے ہیں، حتیٰ کہ تمام اخلاقی قدروں اور ضابطوں، اور تمام بندھنوں سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ اسلام میں ایسا نہیں ہے۔ اسلام میں عیدین کا آغاز بھی اللہ کی تکبیر و تحمید، اور اس کی بارگاہ میں دو گنا ادا کر کے اس کے سامنے عجز و نیاز کے اظہار سے ہوتا ہے۔ اور پھر کسی بھی مرحلے میں اس آزاد روی کی اجازت نہیں ہے، جس کا مظاہرہ عیدین کے موقعوں پر دوسرے لوگوں کی دیکھا دیکھی اور نقالی میں جاہل مسلمانوں اور شریعت سے نا آشنا لوگوں کی طرف سے کیا جاتا ہے، کہ وہ بھی خدا فراموش اور اخلاقی حدود سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔

اسلام میں عیدین کی حیثیت ملی تہوار کے علاوہ عبادت کی بھی ہے۔ اور رمضان المبارک تو ہے ہی عبادت کا خصوصی مہینہ۔ اس لئے ان میں وحدت کا اہتمام غیر ضروری ہے۔ جس طرح عالم اسلام میں، بلکہ ایک ملک میں بھی نمازوں کے اوقات میں فرق و تفاوت ہوتا ہے، اور اسے وحدت کے منافی نہیں سمجھا جاتا، تو عالم اسلام میں رویتِ ہلال کے حساب سے الگ الگ دن عیدین اور رمضان کے آغاز کو عالم اسلام کی وحدت کے منافی کیوں سمجھا جائے؟ اپنے حساب سے ہر ملک میں الگ الگ دن عید منائی جاسکتی ہے، اور رمضان کے روزے رکھے

جاسکتے ہیں۔ شریعت نے ایسا کوئی حکم دیا ہے، اور نہ اس کا کوئی اہتمام ہی کیا ہے کہ مسلمان زیادہ سے زیادہ ایک ہی دن عید منائیں، اور ایک ہی دن روزے رکھیں۔ بلکہ اس کے برعکس یہ حکم دیا گیا ہے 'صوموا لرؤیتہ، وافطروا لرؤیتہ' [صحیح مسلم، کتاب الصیام] 'چاند دیکھ کر روزہ رکھو، اور چاند دیکھ کر روزے بند کرو۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جب تک ہر ملک میں اس کے حساب سے رؤیتِ ہلال کا اثبات نہ ہو جائے نہ رمضان کا آغاز کرنا صحیح ہے، اور نہ روزے ختم کر کے عید کا اہتمام کرنا مناسب ہے۔

جیسے ہر ملک اور علاقے میں جب تک صبح صادق نہ ہو جائے فجر کی نماز نہیں پڑھی جاسکتی، اور جب تک سورج غروب نہ ہو جائے مغرب کی نماز نہیں پڑھی جاسکتی، اسی طرح رؤیتِ ہلال کا مسئلہ بھی ہے۔ یہ بھی طلوع و غروبِ شمس کی طرح اختلافِ مطالع کے اعتبار سے مختلف ہو سکتا ہے، اور ہوتا ہے۔ اس میں نہ یکسانیت و وحدت پیدا کی جاسکتی ہے، اور نہ اس کا ہمیں کوئی حکم دیا گیا ہے۔ چودہ صدیوں سے عالمِ اسلام میں اپنے اپنے حساب سے عیدین اور رمضان کا اہتمام ہوتا چلا آ رہا ہے، اسے کبھی بھی وحدت و یک جہتی کے منافی نہیں سمجھا گیا۔ اب ایسا کرنا کیوں کروحدت کے منافی ہو جائے گا؟

بعض جلیل القدر علمائے احناف نے تو صرف پاکستان کی حد تک بھی ایک ہی دن عید منانے کو شرعی لحاظ سے غیر ضروری قرار دیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: 'اگرچہ شرعی حیثیت سے اس کی کوئی اہمیت نہیں کہ پورے ملک میں عید ایک ہی دن منانے کا کوئی اہتمام نہیں ہوا، اور ملک کے وسیع و عریض ہونے کی صورت میں شدید اختلافِ مطالع کی مشکلات بھی اس میں پیش آ سکتی ہیں۔ لیکن پاکستان کے عوام اور حکومت کی اگر یہی خواہش ہے کہ عید پورے پاکستان میں ایک ہی دن ہو، تو شرعی اعتبار سے اس کی بھی گنجائش ہے۔ شرط یہ ہے کہ عید کا اعلان پوری طرح شرعی ضابطہ شہادت کے تابع ہو۔' [۱]

اس تحریر پر مولانا مفتی محمد شفیع کے علاوہ مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا محمد یوسف بنوری اور مولانا مفتی رشید احمد صاحب کے بھی دستخط ہیں، اور یہ تحریر ۱۳۸۶ھ (آج سے ۳۲ سال پہلے)

کی ہے۔ اس میں مذکورہ عبارت کے بعد شہادت کا وہ ضابطہ بیان کیا گیا ہے جس کے مطابق مرکزی رویت ہلال کمیٹی چاند کے ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کرتی ہے۔ ہم نے یہ اقتباس صرف اس لئے پیش کیا ہے کہ اس میں صرف ایک ملک کے اندر بھی عید کی وحدت کو غیر ضروری قرار دیا گیا ہے، چہ جائیکہ عالم اسلام میں ایک ہی دن عید کا اہتمام ضروری قرار دیا جائے۔ دوسرے، اختلاف مطالع میں بہت زیادہ فرق کی صورت میں رویت ہلال میں جو مشکلات ہیں، اس کا بھی اعتراف ہے۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اختلاف مطالع میں بہت زیادہ فرق کو نظر انداز کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کسی ایک ملک کی حد تک تو عیدین و رمضان میں وحدت کا اہتمام ممکن ہے، اور صحیح بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ اس کے مختلف علاقوں میں مطالع کا اختلاف زیادہ نہیں ہوتا۔ تھوڑا بہت جو اختلاف ہے اسے قابل اعتبار قرار دیا جاسکتا ہے۔ [۱] لیکن جن ملکوں کے درمیان مطالع کا بہت زیادہ اختلاف اور فرق ہے، اسے کیوں کر ناقابل اعتبار قرار دیا جاسکتا ہے؟ اس کے لئے جب تک کوئی معقول شرعی دلیل نہیں ہوگی اسے تسلیم کرنا مشکل ہے۔

عہد صحابہؓ کی ایک نظیر: علاوہ ازیں اس کی ایک دوسری وجہ عہد صحابہؓ کی ایک نظیر ہے، جس سے اسی موقف کی تائید ہوتی ہے جو مذکورہ سطور میں پیش کیا گیا ہے۔ وہ واقعہ حسب ذیل ہے: "حضرت کریمؐ (تابعی) بیان کرتے ہیں کہ مجھے ام الفضلؓ نے حضرت معاویہؓ کے پاس شام بھیجا..... الخ (پھر حدیث ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں)۔" [صحیح مسلم، کتاب الصیام:

[۱] لیکن میں کہتا ہوں کہ ملکی یا سیاسی یا جغرافیائی لحاظ سے زمین کی حد بندی کا رویت ہلال سے کوئی تعلق نہیں ہے جس کی بناء پر یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ ایک ملک کی رویت دوسرے ملک کے لئے، یا ایک ہی ملک میں ایک شہر کی رویت اس ملک کے دوسرے تمام شہروں کے لئے معتبر ہوگی یا نہیں۔ البتہ زمین کا جو حصہ طلوع اور ظہور ہلال کے وقت اس کے سامنے ہوگا اس تمام حصہ میں رویت ہلال کا تصور ہوگا، خواہ اس مخصوص خطہ ارض میں صرف ایک ہی ملک شامل ہو، یا ایک سے زائد ملک، یا اس مخصوص ملک کے صرف چند بلد ہوں یا تمام بلاد۔ کیونکہ کبھی ایک ملک کی حدود میں بھی عیدین و رمضان میں وحدت کا اہتمام ناممکن اور غیر صحیح ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض ممالک کے مختلف علاقوں میں بھی مطلع کا خاصہ اختلاف ہوتا ہے۔ اس کی ایک مثال اوپر "اختلاف مطالع" کے زیر عنوان شیخ محمد عطاء اللہ حلیف صاحبؒ کے قول میں گزر چکی ہے کہ ہندوستان ایک ہی ملک ہے، لیکن دارجلنگ اور سکی گوڑی، مدراس و میسور، شملہ و ڈاونٹ آباد اور کلکتہ و چنایوچی وغیرہ میں صرف طول البلد کا اختلاف ہی نہیں، بلکہ سطح کی پبندی کا فرق بھی ہے، جو بقول آل رحمہ اللہ واضح طور پر مطلع کے اختلاف پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر یہ بات درست ہو تو ایسی صورت میں ملک گیر پیمانہ پر آغاز روزہ، یا عیدین کے اہتمام کا امکان خلاف عقل و نقل ہوگا، واللہ اعلم بالصواب۔

باب بیان ان لكل بلد رؤيتهم، وأنهم إذا رأوا الهلال ببلد، لا يثبت حكمه
لما بعد عنهم]

”صحیح مسلم“ میں اس واقعہ پر باب کا جو عنوان دیا گیا ہے، اس کا ترجمہ ہی یہ ہے:
’اس بات کا بیان کہ ہر علاقہ کے لئے ان کی اپنی رویت ہے، نیز یہ کہ جب کسی علاقہ کے
لوگ چاند دیکھ لیں تو یہ رویت ان لوگوں کے حق میں ثابت نہیں ہوگی جو ان سے دور ہوں
گئے۔

اور امام نوویؒ بھی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: ’وانما رأوه، لان الرؤية
لا يثبت حكمها في حق البعيد‘۔ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت کریبؓ کی رویت کو
اس لئے تسلیم نہیں کیا کہ رویت کا حکم دور والے لوگوں کے حق میں ثابت نہیں ہوتا۔
امام ترمذیؒ نے بھی یہ واقعہ اپنی ”سنن ترمذی“ کے ابواب الصوم میں نقل کیا
ہے، اور انہوں نے بھی اس پر یہ عنوان قائم کیا ہے: ’باب ماجاء لكل اهل بلد
رؤيتهم‘۔ اس بات کا بیان کہ ہر علاقہ کے لئے ان کی اپنی رویت ہے۔

بہر حال اس میں واضح طور پر موجود ہے کہ صحابی رسول ﷺ حضرت ابن عباسؓ
نے مدینہ والوں کے لئے شام کی رویت کا اعتبار نہیں کیا، جس سے اسی موقف کا اثبات ہوتا
ہے کہ پورے عالم اسلام کے لئے کسی ایک ہی علاقہ کی رویت کافی نہیں ہے۔ اور احادیث
سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ’لا تصوموا حتى
تروا الهلال، ولا تفطروا حتى تروه، فإن اغنى عليكم، فاقذروا له‘ [صحیح
مسلم، کتاب الصیام: باب وجوب صوم رمضان] اور اس وقت تک روزہ
نہ رکھو جب تک چاند نہ دیکھ لو، اور اس وقت تک روزہ رکھنا بند نہ کرو جب تک چاند دیکھ نہ لو۔
اگر بادل چھا جائے تو پھر (تیس دن کا) اندازہ پورا کرو۔

بہر حال اس تفصیل سے مقصود اس نکتہ کی وضاحت ہے کہ رویت ہلال کے
اثبات میں اس حد تک توسعت اختیار کرنے کی گنجائش موجود ہے جس کی تائید میں علم
ہیئت و جغرافیہ دانوں کے صدیوں کے تجربات ہیں۔ لیکن محض یہ جذبہ کہ پورے عالم اسلام

میں ایک ہی دن عید اور رمضان کا آغاز ہو، اس کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ [۱] اس لئے یہ جذبہ اچھا اور مخلصانہ ہونے کے باوجود ناقابل عمل ہے، کیونکہ یہ شرعی دلیل سے محروم ہے، لہذا ما عندی، واللہ أعلم بالصواب!۔ [۲]

اگر بفرض محال پورے عالم اسلام کی وحدت کے پیش نظر تمام عالم اسلام میں ایک ہی دن رمضان کے آغاز اور ایک ہی دن عیدین منانے پر اتفاق ہو جائے، تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ کس مقام اور ملک کی رویت کو تمام دنیا کے لئے معیار بنایا جائے گا؟ ساتھ الشیخ عبداللہ بن محمد بن حمید رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں درپیش متعدد دشواریوں کا تذکرہ کرتے ہوئے بالخصوص عصر حاضر میں اس تجویز کو قطعاً ناقابل عمل قرار دیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: ”ان اخیر ادوار میں عالم اسلام کے موجودہ حالات پر جس کسی کی نظر ہو، اور جسے کھلے طور پر یہ حقیقت اپنی نگاہوں کے سامنے نظر آتی ہو کہ وہ بے شمار چھوٹی چھوٹی مملکتوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات سے انہیں کم ہی واسطہ رہ گیا ہے۔ شریعت کے بے شمار احکام ہیں جن پر عمل درآمد سے انہوں نے کنارہ کشی اختیار کر رکھی ہے۔..... ان کی زندگی اور ان کے مقاصد میں سراسر دنیوی اغراض اور سیاسی مفادات کی کارفرمائی ہے، اور حال یہ ہو گیا ہے کہ یہ بڑی طاقتوں کے ہاتھوں کٹھ پتلی کی طرح ناچ رہے ہیں، تو وہ اس حقیقت کا اندازہ اچھی طرح کر سکتا ہے کہ اگر صحیح بات یہی ہوتی کہ ایک شہر کی رویت بقیہ تمام عالم اسلام کی رویت تصور کی جائے گی، جب بھی عملی طور پر اسے کر دکھانے میں کافی مشکل پیش آتی۔

آج کے حالات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ہم اس حقیقت کو اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں کہ ہلال اگر ایک ایسے ملک میں نظر آئے جس کے تعلقات دوسرے ملک سے کافی اچھے ہوں، تو اس کا عین امکان موجود ہے کہ دوسرے ملک کا مفتی جس میں اگرچہ ہلال نہیں دیکھا جاسکا، وہ محض اس دوست ملک کی رویت پر عمل کا فتویٰ صادر کر دے۔ جس کا مقصد سیاسی طور پر اپنی وفاداری کا اظہار کرنے کے سوا دوسرا نہ ہو۔ البتہ ایسے ہی دو ملک، اگر ان کے درمیان دوستی

[۱] میں کہتا ہوں کہ علم ہیئت و جغرافیہ دانوں کے صدیوں کے تجربات سے جس چیز کی تائید ہوتی ہو، اس حد تک رویت ہلال کے اثبات میں وسعت اختیار کرنے کی گنجائش کی بھی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے۔ [۲]۔

کا تعلق نہ ہو، اور ایک ملک میں ہلال نظر آگیا، تو (دوسرے ملک کا) مفتی بڑی آسانی کے ساتھ حکومت کے رجحان کو بھانپتے اور اس کے دباؤ کو قبول کرتے ہوئے یہ فتویٰ جاری کر دے گا کہ دوسرے ملک کی رویت کا اس ملک میں کچھ اعتبار نہ ہوگا، اس لئے کہ ہر ملک کی رویت الگ الگ ہوتی ہے۔

اس طرح اسلام کا جیسا کچھ مذاق اور احکام شریعت کی جیسی کچھ توہین ہوگی اس کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے۔ کیا ہم اسلام کو سیاسی تقاضوں کا تابع، اور سیاست دانوں کے ہاتھوں میں کھلونا بننے کے لئے چھوڑ دیں کہ وہ جس طرح چاہیں اسے ادھر سے ادھر گھماتے رہیں؟ حق کا کچھ لحاظ ہو، نہ حق کی تلاش کرنے کی کوشش کی جائے، اور نہ ہی راہِ صواب کو پانے کا کوئی قصد و ارادہ ہمیں نظر آتا ہو؟

کہنے کا منشا صرف یہ ہے کہ آج عالم اسلام مختلف ٹکڑیوں اور چھوٹی چھوٹی بے شمار حکومتوں کی صورت میں بنا ہوا ہے، جس میں ہر حکومت کا رُخ الگ ہے، اور ہر ایک کی وفاداریاں دوسرے سے مختلف ہیں۔ کسی کا رُخ مغرب کی طرف ہے، اور اسے وہ تمام لوگ جان سے زیادہ عزیز ہیں جن کا رُخ بھی اسی سمت میں ہو۔ دوسرا مشرق کا حاشیہ بردار ہے، اور وہ ان تمام لوگوں پر دل و جان سے فدا ہے جو اسی طرح اس کی حاشیہ برداری کرنے والے ہوں۔ یہی نہیں، بلکہ یہ معاملہ تو اس سے بھی آگے ہے۔ ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ آج ان حکمرانوں نے شریعت کے احکام کو اپنے سیاسی مفادات اور دنیوی اغراض و مقاصد کے تابع بنا رکھا ہے۔ چنانچہ یہ روزہ اسی وقت رکھیں گے جب کہ ہلال کسی دوست ملک میں نظر آجائے، اور اسی صورت میں وہ عید بھی منائیں گے۔ اس کے برعکس اگر ہلال کسی غیر دوست ملک میں نظر آتا ہے، تو اپنے ہاں نہ یہ روزہ رکھیں گے، اور نہ اس رویت کی بنیاد پر عید ہی منانے کے لئے تیار ہوں گے۔

دو لفظوں میں یہ کہ اگر یہی بات درست ہو کہ ایک شہر کی رویت عالم اسلام کے تمام شہروں کی رویت متصور ہوگی، جب بھی آج کے حالات میں اس پر عمل درآمد ممکن نہیں ہے، چاہے رابطہ عالم اسلامی یا اس طرح کی کوئی بھی دوسری اسلامی تنظیم اس مقصد کے لئے قراردادوں پر قراردادیں منظور کرتی رہے، اور مختلف ذرائع اپنا کراس قسم کے اعلانات کرتی

رہے۔“ [۱]

اس کے بعد سادۃ الشیخ عبداللہ بن حمید رحمہ اللہ اپنے اسی بصیرت افروز رسالہ کے ”تعمۃ“ میں بطور ”خلاصہ“ لکھتے ہیں: ”الحق والله الحمد واضح جلی: ان لكل بلد رؤیتهم، كما وضحناه توضیحات شافیا - معتمدین فی ذلك علی کتاب الله العزیز، وما صح من هدی خیر المرسلین، وما قرره العلماء الاجلاء من كل مذهب، والله أعلم“۔ [۲]

مذکورہ بالا دشواریوں کے حل کے لئے حکومت پاکستان کے ایک ذمہ دار حلقہ کی طرف سے یہ تجویز سامنے آئی ہے کہ: ”سعودی عرب کو حرمین مقدسین کی وجہ سے پورے عالم اسلام میں عزت و احترام کا ایک خاص مقام حاصل ہے۔ پاکستان میں اس کی رویت اور فیصلہ کو بنیاد بنالیا جائے، اور اس کے مطابق ہی یہاں رمضان کے آغاز کا، اور عیدین منانے کا اہتمام کیا جائے۔ یہ اتحاد اُمت کی اچھی مثال بن سکتی ہے۔“ [۳]

لیکن اس تجویز کو رد کرتے ہوئے شیخ حافظ صلاح الدین یوسف صاحب حفظہ اللہ فرماتے ہیں: ”سعودی عرب بلاشبہ حرمین شریفین کے خادم ہونے، اور دیگر بہت سی امتیازی خصوصیات کا حامل ہونے کی وجہ سے نہایت قابل احترام ہے، لیکن پاکستان اور سعودی عرب کے مطلع میں بہت زیادہ فرق ہے۔ اس لئے سعودی عرب کی رویت کو پاکستان کے لئے بھی قابل اعتبار گردانا شرعی لحاظ سے بھی صحیح نہیں ہوگا۔ شرعی نصوص کا تقاضا اور اکثر علماء کا فیصلہ یہی ہے کہ ایک علاقے کی رویت دوسرے علاقوں کے لئے کافی نہیں ہے، الا یہ کہ مطلع کا زیادہ فرق نہ ہو۔ اس اعتبار سے سعودی عرب کے فیصلے کو پاکستان کے لئے بھی لازمی قرار دینا شرعی نصوص کے خلاف ہوگا۔ نیز پاکستان سعودی عرب کے انتظامی کنٹرول میں نہیں ہے۔ سعودی فیصلہ کا دائرہ کار صرف سعودی عرب کی حدود ہیں۔ کیا عیدین کے علاوہ محرم الحرام اور عید میلاد النبی ﷺ کے بارے میں بھی عوام سعودی حکومت کے فیصلے پر مطمئن ہو جائیں گے؟..... گویا یہ تجویز بھی

[۱]۔ تبیان الأدلة فی اثبات الأهلة، مترجم الشیخ محمد امین الاثری الرحمانی، ص ۱۱۸-۱۲۰ [۲]۔ تبیان الأدلة فی اثبات الأهلة ص ۱۲۰ [۳]۔ ماہنامہ ”محدث“ لاہور، ج ۳۱، ص ۶، ۳، ۲، ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳

دن سے نیا مہینہ شروع ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھ ایک دشواری یہ ہے کہ اگر مکہ کی توقيت کے مطابق نئے چاند کی ولادت پیر کی رات میں بارہ بج کر ایک منٹ پر ہو، تو اسی لمحہ جزائر ہوائی میں اتوار کے دن کا گیارہ بج کر ایک منٹ ہو رہا ہوگا۔ اگر جزائر ہوائی کے باشندگان مہینہ کی ابتداء پیر سے کریں تو کیا سعودی عرب کے باشندگان منگل سے کریں گے؟ اب دوسری صورت پر غور کریں کہ اتوار کو مکہ میں رات کے ۱۱ بج کر ۵۹ منٹ پر نئے چاند کی ولادت ہو، تو اسی لمحہ ٹوکیو میں پیر کے دن صبح ۵ بج کر ۵۹ منٹ کا وقت ہو رہا ہوگا۔ تو کیا جاپانی لوگ مہینہ کی ابتداء منگل سے، اور سعودی عرب کے لوگ پیر سے شروع کریں گے؟ (اگر جواب اثبات میں ہو تو ایک ہی دن رمضان کا آغاز، یا ایک ہی دن عیدین منانا کس طرح ممکن ہوگا؟)۔ [۱]

اسی طرح تمام علم فلکیات و جغرافیہ کے ماہرین بتاتے ہیں کہ جب زمین کے کسی مقام پر ہلال کی رویت ہوتی ہے، تو عین اُسی لمحہ پورے کرۂ ارض پر دو مختلف دن اور دو مختلف تاریخیں چل رہی ہوتی ہیں۔ کچھ مقامات پر اگلا دن پہلے ہی شروع ہو چکا ہوتا ہے، چنانچہ ان مقامات کے لوگ اپنے قمری ماہ کی ابتداء ٹھیک اس وقت سے نہیں کر سکتے ہیں، بلکہ مہینہ شروع کرنے کے لئے انہیں اگلے غروب آفتاب تک انتظار کرنا پڑے گا۔ لہذا ان کا مہینہ ٹھیک اس دن سے شروع نہیں ہوگا جس دن کہ پہلی بار ہونے والی رویت ہلال والے مقام کا شروع ہوگا۔ بالفرض اگر ۱۹ اکتوبر کو کرۂ ارض کے انتہائی مغربی خطہ یعنی صرف جزائر ہوائی میں رویت ہلال ممکن ہو، اور دنیا میں کسی دوسری جگہ رویت نہ ہو، اور علم فلکیات کے حساب سے ہمیں پہلے سے یہ علم ہو کہ جزائر ہوائی میں رویت ہلال ہوگی، اور واقعۃً ایسا ہو بھی جائے، تو ہوائی میں اسلامی مہینہ کی ابتداء غروب آفتاب، یعنی تقریباً چھ بجے شام سے ہو جائے گی۔ ٹھیک اس وقت جاپانی شہر ٹوکیو میں اگلے دن (یعنی ۲۰ اکتوبر) کی دوپہر کا ایک (اور نیوزی لینڈ New Zealand میں اگلے دن یعنی ۲۰ اکتوبر کی شام کا چار) بج رہا ہوگا۔ اگر حسب رویت اسے رمضان کا مہینہ تصور کیا جائے تو ظاہر ہے کہ ٹوکیو (اور نیوزی لینڈ) میں خور کا وقت تو بہت پہلے ہی گزر چکا ہوگا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اہل ٹوکیو (یا اہل نیوزی لینڈ) دنیا میں کسی بھی جگہ

(جو کہ اس مفروضہ میں جزائر ہوائی ہے) ماہ رمضان شروع ہونے (یعنی رویت) سے ۹ (یا نیوزی لینڈ میں ۱۲) گھنٹے قبل تو روزہ شروع نہیں کر سکتے تھے۔ [۱]

لہذا علمِ فلکیات کی روشنی میں یہ بھی ثابت ہوا کہ اختلافِ مطالع کی بناء پر تمام مسلمان ایک مخصوص فاصلے تک ہی ایک رویت کی پابندی کر سکتے ہیں۔ لہذا یہ خواہش شرعی لحاظ سے کوئی درجہ استناد نہیں رکھتی ہے کہ دنیا بھر کے تمام مسلمان ایک ہی دن روزہ رکھیں، اور ایک ہی دن عید منائیں۔ جہاں تک امتِ مسلمہ کے درمیان وحدت اور یگانگت قائم کرنے کا مسئلہ ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ صرف ایک پُرکشش نعرہ ہی نہیں، بلکہ درحقیقت امتِ مسلمہ کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ لیکن علم و دانش کی روشنی میں جائز اور صحیح طریقہ سے مستقل اور پائیدار اتحادِ امت کا حصول میری نگاہ میں زیادہ اہمیت کا حامل ہے، بہ نسبت اس بات کے کہ علم و دانش سے بے پرواہ ہو کر، غلط اور ناجائز طریقوں سے کسی عارضی اور وقتی اتحاد کے حصول کی کوشش کی جائے۔ جس طرح دنیا بھر میں نمازوں کا وقت ایک نہیں ہو سکتا ہے، بلکہ سورج کے طلوع و غروب کے اوقات کے اختلاف کی وجہ ہر علاقے کے لوگوں کے اوقاتِ نماز قدرے مختلف ہوتے ہیں، اسی طرح چاند کے طلوع و غروب میں واقعاتی فرق کی بناء پر رمضان، عید الفطر اور عید الاضحیٰ وغیرہ میں بھی فرق لابدی امر ہے۔ جب اوقاتِ نماز میں اختلاف کو اتحادِ امت کو پارہ کرنے کے مترادف نہیں سمجھا جاتا، تو رمضان اور عیدین کے لابدی اختلاف کو اتحاد، اخوت اور اجتماعیت کے خلاف کیوں سمجھا جاتا ہے؟ وحدتِ امت کی آڑ میں دراصل ایک مخصوص مکتب فکر کو عالمگیر پیمانہ پر رائج کرنے کے خواہاں حضرات کے لئے یہ لمحہ فکر یہ ہے کہ امت کی وحدت صرف انہیں تین دنوں کے لئے مطلوب نہیں، بلکہ پورے سال امت کو باہمی وادائی اتحاد کی ضرورت ہے۔

راقم کی ذاتی رائے یہ ہے کہ روزہ ایک ہی دن شروع کرنے، یا عیدین ایک ہی دن منانے سے زیادہ اتحادِ امت کی ضرورت بنیادی نوعیت کے دوسرے دینی مسائل میں ہے، مثلاً نماز تمام فقہی، گروہی اور مسلکی اختلافات کو بھلا کر ایک ہی طریقہ (یعنی طریقہ نبوی) کے مطابق پڑھی جائے، پوری امت کو عقائد اور دیگر معاملات میں متحد کیا جائے، اتباعِ سنت، شرکیہ امور

سے اجتناب اور ترکِ بدعات وغیرہ کے لئے متحد ہو کر کوشش کی جائے وغیرہ۔ ان امور میں امت کی وحدت زیادہ ضروری ہے، بہ نسبت سال میں ایک بار روزہ کے آغاز یا سال میں دوبار آنے والی عیدین کے مواقع کے۔ کیونکہ نماز سے ہر امتی کوتاہیات ہر روز پانچ بار سابقہ پڑتا ہے، عقیدہ میں ذرا سی لغزش یا کوتاہی انسان کے ابدی خسارہ کا باعث ہو سکتی ہے، سنت سے بُعد ہی نہیں بلکہ اِلُرْجی (Allergy)، شرکیہ امور کا رواج اور بدعات کا چال چلن آج چہار سو عام ہے، لیکن کوئی ان چیزوں پر متحد ہو کر قدغن لگانے کی سعی نہیں کرتا، حالانکہ یہ چیزیں زیادہ اہمیت کی حامل ہیں۔ اگر کبھی کسی حلقہ سے ان امور کے متعلق کوئی آواز اٹھتی بھی ہے تو گروہی، مسلکی، فردی یا فقہی اختلاف کا عنوان دے کر عوام کے نزدیک اسے غیر اہم بنا دیا جاتا ہے۔ میراد عویٰ ہے کہ امت کی وحدت ان گروہی، مسلکی اور فقہی اختلافات کی موجودگی میں ہرگز پروان نہیں چڑھ سکتی ہے۔ لہذا امت کے ان باہمت افراد سے، جو وحدتِ امت کے خواہاں ہی نہیں بلکہ اس کے لئے مخلصانہ طور پر کوشاں بھی ہیں، میری اپیل ہے کہ وہ پوری امت کو فقہی عصبیت کے شلجھ سے چھڑا کر صرف ثقلین (کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ) پر متحد کرنے کی کوشش کریں۔ ان شاء اللہ یہ اتحاد دیر پا، بلکہ مستقل و پائیدار اور حقیقی و معنی خیز ہوگا۔

رؤیت ہلال کے سلسلہ میں بعض اہم تجاویز

جن ممالک یا علاقوں میں سرکاری یا غیر سرکاری طور پر رؤیت ہلال کی باقاعدہ کوئی کمیٹی یا ادارہ موجود نہیں ہے وہاں کے باشعور طبقہ کو چاہئے کہ اجتماعیت، مرکزیت اور اتحاد امت کے پیش نظر ایسے کسی منظم ادارہ کے قیام کے لئے کوشش کریں۔ لیکن جن ممالک یا علاقوں میں ایسی سرکاری یا غیر سرکاری کمیٹیاں موجود ہوں اور وہ واسطہ یا بلا واسطہ ہر حکومتی، جماعتی، مسلکی، گروہی، قبائلی اور شخصی مداخلت اور اثر و نفوذ سے پاک ہوں، اور آزادانہ طور پر کام کرنے کے اختیارات کے ساتھ وسائل اور صلاحیات بھی رکھتی ہوں تو وہاں نئی کمیٹیوں کے قیام سے قطعاً گریز کیا جائے، ورنہ اس سے مسلمانوں کی جماعت میں خواہ مخواہ انتشار و محاذ آرائی کی فضاء پیدا ہوگی۔

اگرچہ عہد صحابہ و تابعین اس طرح کی کمیٹیوں کے وجود سے قطعاً خالی نظر آتا ہے، لیکن موجودہ دور میں یہ معاملہ ایک انتظامی اور اجتماعی ضرورت بن چکا ہے۔ اور جب حالات شدت سے کسی چیز کے متقاضی ہوں، اور اس سے کسی شرعی نص کی مخالفت بھی نہ ہوتی ہو، تو میں نہیں سمجھتا کہ اسے مصالح مرسلہ سے خارج یا بدعت قرار دیا جاسکتا ہے۔ ہندوستان کے موجودہ حالات کے تناظر میں جو کہ انتہائی بد نظمی، سخت اضطراب اور بدترین انتشار کے شکار ہیں ان کمیٹیوں کے قیام کی ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ ان کمیٹیوں سے متعلق راقم کے پیش نظر تجاویز کا جو خاکہ ہے وہ حسب ذیل ہے:

۱۔ ہر ضلع میں ذمہ دار علماء پر مشتمل ضلعی کمیٹیاں قائم کی جائیں، جو صوبائی کمیٹیوں کے تابع ہوں، اور ان کا دائرہ کار یہ ہو کہ وہ شہادتِ مصطلحہ کی شرائط و قیود و حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے دستیاب شدہ شہادتوں کی چھان بین کے بعد ماحصل سے اپنی صوبائی کمیٹی کو مطلع کر دیں۔ ان کمیٹیوں کو اپنے طور پر کوئی قطعی فیصلہ یا اعلان کرنے کا اختیار نہ ہو۔ انتظامی سہولتوں کے پیش نظر ہر ضلع کے قصبوں اور شہروں میں ذیلی کمیٹیاں بھی تشکیل دی جاسکتی ہیں، جو اپنی ضلعی کمیٹیوں کے

تابع ہوں، اور ان تک موصولہ شہادتوں کو بہم پہنچائیں۔ ضلعی سطح پر متقی اور متورع اساتذہ، علماء، خطباء اور ائمہ مساجد کو ان ذیلی رویت ہلال کمیٹیوں کا عضو بنایا جاسکتا ہے۔

۲۔ ہر صوبہ میں صوبائی کمیٹیاں قائم کی جائیں جو مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے تابع ہوں، اور ان کا دائرہ کار یہ ہو کہ وہ اپنے صوبہ کے مختلف اضلاع سے آنے والی شہادتوں کی خبروں کو جمع کریں، اور پھر مرکزی کمیٹی کو باضابطہ اس سے آگاہ کر دیں۔ صوبائی کمیٹیوں کو بھی اپنے طور پر کوئی قطعی فیصلہ یا اعلان کرنے کا اختیار نہ ہو۔

۳۔ ایک مرکزی رویت ہلال کمیٹی قائم کی جائے جس میں مسلمانوں کے ہر ملک فکر سے تعلق رکھنے والے نامور، جید، مستند اور عوام کے معتمد علماء منتخب ہوں۔ یہ علماء صرف علوم شریعت کے حذاق ہی نہیں، بلکہ علوم عصریہ، بالخصوص علم نجوم، ہیئت، جغرافیہ، ریاضی اور جدید سائنس وغیرہ، پر بھی گہری بصیرت رکھتے ہوں۔ رویت کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ صادر کرنا اور اس کا باضابطہ اعلان کرنا مرکزی رویت ہلال کمیٹی کا دائرہ اختیار ہو۔ اس کمیٹی کے تمام نمائندہ علماء اپنی خصوصی نشست میں تمام صوبوں سے آنے والی اطلاعات کی بنیاد پر حتمی فیصلہ کریں کہ کن کن صوبوں میں، یا ملک کے کن علاقوں تک ہلال دیکھا گیا ہے۔ مثال کے طور پر اگر راجستھان، پنجاب، دہلی، اتر پردیش اور بہار کے مختلف اضلاع میں ہلال نظر آیا ہو، مگر بہار کے بعد بنگال، آسام، بھوٹان اور سلکم وغیرہ جیسے مشرقی صوبوں میں سے کسی جگہ سے بھی رویت کی خبر نہ آئے تو ظاہر ہے کہ اسے مطالع کے اختلاف پر محمول کرتے ہوئے ان مشرقی علاقوں میں رویت کے عدم اثبات کا اعلان کیا جائے گا۔

۴۔ ان تمام کمیٹیوں کو زیادہ مربوط، قابل اعتماد اور مؤثر بنانے کی کوشش کی جائے، اور اس کے لئے تمام دینی جماعتوں اور حلقوں کے با اثر افراد، مثلاً امیر شریعت، قاضی، مفتی، امیر جماعت اور محکمت شریعہ کے ذمہ داروں وغیرہ، سے رابطہ قائم کیا جائے۔

۵۔ رویت ہلال کی خبروں کی سرعت ترسیل و اشغال اور اعلان کے لئے تمام جدید مواصلاتی اور اشاعتی وسائل کو استعمال کیا جائے۔

۶۔ عوام کو رویت ہلال کی اہمیت و ضرورت، ماہ شعبان کے ہلال کے احصاء کی

تاکید، ہلال دیکھنے کے استجاب، شہادت کے نصاب، اس کے تزکیہ و تعدیل کے اصول، جدید سائنسی اور فنی امور وغیرہ سے آگاہ کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ ان میں آگہی کے ساتھ احساسِ ذمہ داری بھی پیدا ہو۔

۷۔ رویتِ ہلال کمیٹی کا اپنا ایک اطلاعاتی مرکز ہو جس میں تمام جدید سائنسی آلات، ضروری مراجع اور ماہرینِ فن پر مشتمل ایک مشاورتی ٹیم جیسی سہولتیں موجود ہوں۔

خلاصہ مباحث

مذکورہ بالا تمام بحثوں کا خلاصہ بالترتیب حسب ذیل ہے:

۱۔ بعض کو اکب اپے ہیں جو کہ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔ قرآن کریم میں سورج اور چاند کو گردش کرنے والے سیاروں میں شمار کیا گیا ہے۔

۲۔ ہلال اس چیز کا اسم ہے جس کے لئے آواز بلند کی جائے، یعنی جس کا اعلان کیا جائے، اور بلند آواز سے پکارا جائے۔ اگر آسمان میں طلوع ہو، مگر لوگ اسے نہ جان پائیں، اور نہ ہی اس کا اعلان کریں، تو یہ ہلال نہیں ہوگا۔

۳۔ چاند کی اٹھائیس منزلیں ہوتی ہیں، جن میں سے ہر رات چاند اپنی ایک منزل پوری کرتا ہے، اور ایک یا دو راتیں غائب رہتا ہے۔

۴۔ چاند کی یہ منازل لوگوں کے لئے اوقات اور تاریخیں جاننے نیز حج کے موسم کی تعیین کا ذریعہ ہیں۔ لہذا تمام عدد السنین اور حساب چاند کی منازل کی تقدیر کے تابع ہیں۔

۵۔ اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے، اور یہ اسی دن سے جب سے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔

۶۔ سورج کے سفر سے حساب کرنے کے مقابلہ میں ہلالی مہینوں سے اعداد و شمار کرنا زیادہ ظاہر، آسان اور عام ہے۔

۷۔ سالوں کے شمار کے لئے کوئی آسمانی حد موجود نہیں ہے جس سے اس کی تعداد معلوم ہو سکے، لہذا مہینوں کی تعداد وروج کی تعداد کے مطابق مقرر ہوئی ہے۔

۸۔ مہینوں اور سال کے حساب کو ہلال کے ساتھ وابستہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قمری مہینے طبعی اور فطری ہیں، اور ان کی ابتداء و انتہاء روئے بہت ہلال پر موقوف ہے۔ اس کے برخلاف سورج ایک غیر حسی علامت ہے، چنانچہ اس سے تاریخوں، مہینوں اور سال کا حساب لگانا قدرے دشوار ہے۔

۹۔ قمری مہینوں کو ابتدائے آفرینش سے ہی تقویم کی بنیاد بتایا گیا ہے۔ پہلے کی تمام شریعتوں کے

احکام بھی ہلال کے ساتھ ہی وابستہ تھے۔ بعد میں ان کے متعین نے اپنی شریعتوں میں تحریف کے ساتھ اس کو بھی بدل ڈالا۔

۱۰۔ ہلال دنیا میں پہلی بار نظر آنے کے عموماً ۲۴ گھنٹوں بعد ماسواء قطبین کے پوری دنیا میں نظر آ جاتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی یہ وقفہ دو کی بجائے تین مختلف دنوں تک بھی بڑھ جاتا ہے۔

۱۱۔ بعض لوگ چاند کی عمر سے ہلال کی رویت پر قیاس کرتے ہیں، لیکن اس سے کوئی قطعی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا ہے، کیونکہ مختلف مہینوں میں مختلف عمر پر ہلال کی رویت ممکن ہوتی ہے۔

۱۲۔ جب چاند اپنے مدار میں کرۂ ارض سے قریب ہوتا ہے تو تیزی کے ساتھ چلتا ہے، اور جب یہ کرۂ ارض سے دور ہوتا ہے تو سست رفتاری سے چلتا ہے۔ جب چاند تیز رفتاری سے گامزن ہو تو کم عمر میں مرئی ہوتا ہے، لیکن جب سست رفتار ہو تو اس کے قابل دید ہونے کے لئے زیادہ عمر درکار ہوتی ہے۔

۱۳۔ سورج اور چاند کے اوقات غروب کے درمیانی فرق، اور افق پر اس کی موجودگی کے وقفہ سے ہلال کی رویت پر قیاس کرنے سے کوئی قطعی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا ہے۔

۱۴۔ ہلال کا نظر آنا سورج سے چاند کے زاویائی فرق پر منحصر ہے۔ صرف افق پر اس کی موجودگی، یا اس کی عمر اُسے دیکھے جانے کے لئے کافی نہیں ہے۔

۱۵۔ جب یہ زاویہ تقریباً ۹ درجہ ہو تو ہلال نظر آنا شروع ہوتا ہے۔ یہ زاویہ قائم ہونے کے لئے کتنا وقت درکار ہوتا ہے، اس کا انحصار چاند کی اپنے مدار میں رفتار پر ہوتا ہے۔

۱۶۔ مغرب کی جانب شہری روشنی نہ ہونا، مناسب تناسب رطوبت، مناسب درجہ حرارت، مناسب ہوا کا دباؤ، چاند کی سطحی تصویر، آسمان کے پس منظر میں تصویر، فضاء میں معلق ذرات کی کثافت، چاند سے منعکس ہونے والی شعاعوں کی مسافت، چاند اور زمین نیز سورج و زمین کے مابین فاصلے، بادل اور دھندلاہٹ وغیرہ عوامل ہیں جو رویت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

۱۷۔ حدتِ نظر، ہلال دیکھنے والوں کی قلت و کثرت، ہلال دیکھنے کی جگہ، ہلال دیکھنے کا وقت، فضاء کا بادل یا غبار یا دھوئیں اور بخارات سے صاف یا مکدر ہونا، درست طریقہ پر مطلع ہلال کے سامنے کھڑا ہونا، ٹھیک طرح سے اس کے مطلع کی معرفت اور اچھی طرح سے اسے تلاش کرنا

وغیرہ بھی ایسے اسباب ہیں جو رویت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

۱۸۔ اسلامی احکام کا چاند کے مہینوں کے ساتھ تعلق رکھنے میں بڑی عظیم مصلحت اور حکمت ہے۔

۱۹۔ روزہ شروع کرنے اور موقوف کرنے کا انحصار کسی حساب، قرینہ اور قیاس پر نہیں ہے، بلکہ صرف رویت ہلال پر ہے۔ ہلال دیکھے بغیر نہ روزہ رکھا جائے گا، اور نہ ہی ہلال دیکھے بغیر افطار کیا جائے گا۔

۲۰۔ ہلال طلوع ہونے کی معرفت کا تنہاء ذریعہ اس کی رویت ہے۔ اس کے سواء اس کا کوئی دوسرا سمعی اور عقلی ذریعہ نہیں ہے۔

۲۱۔ چونکہ حکم صوم رویت کے ساتھ معلق ہے، لہذا جو ایک یا دو دن کی تقدیم کرتا ہے تو گویا وہ اس حکم پر طعن کرتا ہے۔

۲۲۔ جمہور فقہاء نے ”فاقد روا لہ“ سے ۳۰ دن کی مدت کا اکمال مراد لیا ہے۔ یہ مفہوم دوسری حدیث میں مفسر بھی ہے۔ علم نجوم وغیرہ سے اس کا حساب لگانا درست نہیں ہے۔

۲۳۔ اگر ۳۰ شعبان کو مطلع صاف ہونے کے باوجود ہلال نظر نہ آئے تو اجماع امت کے مطابق اس دن کا روزہ واجب نہیں ہے۔ اکثر صحابہ اور تابعین سے اس دن کے روزہ کی کراہت منقول ہے۔

۲۴۔ جن کو ہلال نظر آجائے، یا جن کو نظر تو نہ آئے مگر ان تک شہادت کے اثبات کی خبر پہنچ جائے، ان سب پر روزہ اور افطار لازم ہو جاتا ہے۔

۲۵۔ اگر مطلع ابر آلود ہو، یا غبار کی وجہ سے ہلال نظر نہ آئے، اور نہ ہی کوئی شہادت پہنچے، تو پھر شعبان کے، اور اسی طرح رمضان کے بھی تیس دن پورے کرنے ضروری ہیں۔

۲۶۔ حدیثوں اور جمہور محدثین و فقہاء کی آراء کی رو سے ماہ رمضان کے دخول کے لئے ایک عادل مسلمان کی شہادت کافی ہے۔ اس بارے میں حم غفیر کی شرط غیر مناسب ہے۔

۲۷۔ تمام احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ دو عادل گواہوں کی شہادت کے بغیر روزہ موقوف نہیں کیا جائے گا، اور یہی حق ہے۔

۲۸۔ شعبان کی تیسویں رات کو غبار کی وجہ سے مطلع صاف نہ ہو، اور چاند دکھائی نہ دے، اور نہ

دوسرے مقام سے چاند دیکھے جانے کی معتبر اطلاع آئے، تو وہ رات شعبان کی ہوگی، اور اس سے اگلادین شعبان کا سمجھا جائے گا، اور اس دن روزہ رکھنا جائز نہیں ہوگا۔

۲۹۔ غریباہر کی وجہ سے چاند نہ دیکھنے کی صورت میں یہ خیال کر کے روزہ رکھنا کہ اگر کہیں نے چاند کی خبر آخر آگئی تو یہ روزہ رمضان کا ہوگا، ورنہ نفل ہوگا، باطل ہے۔

۳۰۔ مطلع کا اختلاف ایک ایسی شاہد اور ثابت شدہ چیز ہے جس کا انکار صحیح نہیں ہے۔ اس کو کتب بیت میں مدلل بیان کیا گیا ہے۔

۳۱۔ جن بلاد کے مطالع میں اختلاف ہے وہ ایک دوسرے سے دور شمار ہوں گے، جب کہ تقارب سے مطلع مختلف نہیں ہوتا۔

۳۲۔ اگر ہر دو بلاد کا مطلع ایک ہو تو ایک بلد کی رویت دوسرے اہل بلد کے لئے معتبر ہے۔ لیکن اگر ہر دو بلد کے مطالع مختلف ہوں تو ان میں سے ایک بلد کی رویت دوسرے کے لئے کافی نہیں ہوگی۔

۳۳۔ صوم و افطار صوم وغیرہ دینی معاملات میں جدید مواعلاتی ذرائع سے موصولہ خبروں کے اعتبار کے لئے چند مہینہ قیود و حدود کا اعتبار دلچسپ ضروری ہے۔

۳۴۔ جو فرد تنہا ہلال دیکھے، اور اسے اپنی رویت کا یقین بھی ہو، تو اس پر روزہ رکھنا لازم ہے۔ اگر وہ محکمہ میں گواہی دے، مگر قاضی اس کی شہادت رد کر دے، تو وہ اس حال میں خفیہ طور پر روزہ رکھے گا تا کہ اعلانیہ لوگوں کی مخالفت نہ ہو۔ لیکن جس شخص نے تنہا شوال کا ہلال دیکھا ہو تو وہ روزہ نہیں کھولے گا۔

۳۵۔ اگر اس حساب سے ۳۰ روزے پورے ہو جانے پر بھی عید کا چاند نظر نہ آئے، تو وہ شخص تنہا عید نہیں کر سکتا۔ اسے چاہئے کہ لوگوں کے ساتھ ایک روزہ اور رکھے، اور سب مسلمانوں کے ساتھ ہی عید کرے۔

۳۶۔ کوئی خبر دینے والا کسی شخص کو رویت ہلال کی خبر دے، اور وہ اس کے قول کو ثقہ جانے، تو اس پر روزہ رکھنا لازم ہے، اگرچہ حاکم کے نزدیک اس خبر کی شہادت ثابت نہ ہوئی ہو۔

۳۷۔ اگر دو شخص ہلال شوال دیکھیں، مگر حاکم کے پاس اس کی گواہی نہ دیں، تو جو ان کی شہادت

سنے، اور ان کی عدالت سے واقف ہو، اس کے لئے روزہ فطر کرنا جائز ہے۔

۳۸۔ اگر وہ دونوں شخص حاکم کے پاس گواہی دیں، مگر حاکم ان کی شہادت رد کر دے، تو جس کو ان کی عدالت کا علم ہو اس کے لئے ان دونوں کے قول کے مطابق فطر کرنا جائز ہے۔

۳۹۔ روزہ اور فطر مسلمانوں کی جماعت اور لوگوں کی اکثریت یعنی سواۃ اعظم کے ساتھ ہے۔

۴۰۔ وقتِ رویت کے سلسلہ میں بعض علماء کا قول ہے کہ اگر ہلالِ زوالِ آفتاب کے بعد نظر آئے تو نئے مہینہ کی ابتداء دوسرے دن سے ہوگی، اور جو چاند قبل از زوال نظر آئے تو بعض کے نزدیک اس کا حکم بھی اگلے دن کا ہے۔ لیکن بعض اسے گزشتہ رات کا ہلال بتاتے ہیں، اور زوال کے بعد نظر آنے والے ہلال کو آنے والی شب کا ہلال قرار دیتے ہیں۔

۴۱۔ اگر عید کی نماز کا وقت نکل جانے کے بعد دو گواہ رویتِ ہلال کی شہادت دیتے تو آپ ﷺ روزہ افطار دیتے، لوگوں کو بھی روزہ افطار کرنے کا حکم دیتے، اور اگلے دن عید کی نماز اس کے وقت پر ادا فرماتے تھے۔

۴۲۔ اگر دن کے دوران ہلالِ رمضان کی رویت پر دلیل قائم ہو جائے، تو باقی دن کا امساک کرنا لازم ہے۔

۴۳۔ ماہِ رمضان کی ابتداء کو بالضرط جاننے کے لئے ہلالِ شعبان کی نگرانی اور اس کا تحفظ ضروری ہے۔

۴۴۔ شعبان کی تیسویں شب کو ہلال دیکھنا، اور اسے تلاش کرنا مستحب ہے۔

۴۵۔ ہلال دیکھنا، خواہ وہ رمضان کا ہلال ہو یا شوال کا، عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایک جانا پہچانا امر تھا۔

۴۶۔ اگر کسی قیدی کو ماہِ رمضان کے بارے میں اشتباہ ہو جائے، تو اس کے لئے اجتہاد سے پورے ماہ روزے رکھنا جائز ہے۔ اگر بعد میں اس پر یہ واضح ہو کہ اس سے خطا تاخیر ہو گئی ہے تو بھی اس کا روزہ صحیح ہوگا۔ لیکن اگر اس سے خطا پہل ہو گئی ہو تو اس پر قضاء واجب ہے۔

۴۷۔ اسی طرح جو دار الکفر میں اسلام قبول کرے، اور اسے ماہِ رمضان کے روزوں کے وجوب کا علم تو ہو، مگر ماہِ رمضان معلوم نہ ہو، لہذا وہ اپنی کوشش اور اجتہاد سے اپنے غالب ظن کے مطابق

روزہ رکھ لے، تو اس کا روزہ جائز ہے۔

۳۸۔ بعض کافر ملکوں میں اگر تحقیق رویت ممکن نہ ہو، تو وہاں کے مسلمان اپنے سے قریب تر اسلامی ملک کی رویت کا اعتبار کریں۔

۳۹۔ اگر کسی جگہ لوگوں کو ۲۹ تاریخ کو ہلال شوال نظر نہ آئے، لہذا وہ تیس دن کی مدت پوری کریں، پھر یہ ثابت ہو جا کہ وہ مہینہ ۲۹ دن کا تھا، تو ان پر نہ کوئی گناہ ہے، اور نہ کوئی عیب۔

۵۰۔ اگر ہلال رمضان کی رویت میں خطا ہو جائے، اور لوگ ماہ شعبان کے ۳۰ دن پورے کرنے کے بعد روزے شروع کریں، پھر یہ ثابت ہو کہ ماہ شعبان ۲۹ دن کا تھا، تو ان پر اس پہلے دن کی قضاء واجب ہوگی۔

۵۱۔ ”استكمال العدة“ کی شرط پوری ہونے پر لوگوں کا فطر کرنا جائز و درست ہے، خواہ انہوں نے ایک شہادت کی بناء پر روزے شروع کئے ہوں، یا دو شہادتوں کی بنیاد پر۔

۵۲۔ اگر ہلال خلاف معمول بڑا نظر آئے، یا افق پر دیر تک موجود رہے، تو وہم میں پڑنا مناسب نہیں ہے۔ عین ممکن ہے کہ وہ افق پر مختلف مقامات پر مختلف وقفوں تک باقی رہے۔

۵۳۔ پہلے دن کا ہلال بعض مقامات پر بہت باریک، اور بعض مقامات پر اختلاف وقت کے اعتبار سے ضخیم و عریض بھی ہو سکتا ہے۔

۵۴۔ جو شخص ہلال دیکھے، خواہ رمضان کا ہو یا شوال یا مہینوں میں سے کسی اور ماہ کا، اس کے لئے اسے دیکھ کر رویت ہلال کی دعاء پڑھنا مستحب ہے۔

۵۵۔ اکثریت و اعلیٰیت کے اعتبار سے شوال اور ذوالحجہ کے مہینے ایک ساتھ ایک ہی سال میں ناقص نہیں ہوتے، لیکن اس کا وقوع ناممکن نہیں، بلکہ نادر ہے، اور ان مہینوں میں مرتب ہونے والے اجر و ثواب میں کمی واقع نہیں ہوتی ہے۔

۵۶۔ رویت ہلال کی شہادت کے لئے گواہ کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

۵۷۔ رویت ہلال کے لئے گواہ کا صرف خبر دینا ہی کافی نہیں ہے۔

۵۸۔ جب خبر مبلغ تو اتر تک پہنچ جائے تو شہادت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

۵۹۔ رویت ہلال کے اثبات میں حاکم بطریقہ اخبار فیصلہ نہ کرے کہ اس نے محض کسی سے

روایت کی خبر سنی، اور بلا تحقیق اس پر فیصلہ صادر کر دیا۔

۶۰۔ شاہد روایت کے لئے اسلام کے ساتھ عادل، عاقل، بالغ، قوی البصر، نیک خصال اور صادق اللسان ہونا بھی ضروری ہے۔

۶۱۔ بعض کے نزدیک غلام اور عورت کی گواہی بھی جائز، لیکن بعض کے نزدیک ناجائز ہے۔

۶۲۔ جن خطوں میں شب و روز کا نظم دنیا کے معتدل علاقوں سے جدا ہے وہاں ۲۴ گھنٹوں کے حساب سے یا قریب تر معتدل علاقہ پر قیاس کر کے نماز و روزہ کی ادائیگی کی جائے گی۔

۶۳۔ مملکت سعودی عرب میں روایت ہلال کا فیصلہ اور اعلان چشم سر سے چاند دیکھنے والوں کی شہادت کی بناء پر ہوتا ہے۔

۶۴۔ یہ مفروضہ اپنی جگہ پر قطعاً صحیح نہیں ہے کہ سعودی عرب میں اب، یا کبھی بھی، روایت کا اعلان حساب واعداد کی روشنی میں مشینی (کمپیوٹر) یا غیر مشینی ذریعہ سے کیا گیا ہے۔

۶۵۔ زمانہ قدیم ہی سے اختلاف مطالع محدثین اور فقہاء کے نزدیک ایک معرکہ الاراء مسئلہ رہا ہے۔

۶۶۔ اگر کسی مقام پر روایت ہلال ثابت ہو جائے تو یہ علم ہیئت کے مسلمات میں سے ہے کہ اس شہر سے مغرب میں واقع تمام شہروں میں اس کی روایت ہو، لیکن اس کے برعکس ضروری نہیں ہے۔

۶۷۔ قمر و شمس کا اجتماع ایک مخصوص زمانہ میں، صرف ایک آن کے لئے واقع ہوتا ہے۔ امور نسبیہ، جو طول البلاد کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں، سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

۶۸۔ جن چیزوں کو سائنسی حقائق سمجھا جاتا ہے کبھی کبھی کون میں ان کے خلاف واقعات بھی نمودار ہوتے ہیں، چنانچہ واقعہ ایسا ہوا ہے کہ مشرق، میں ہونے والی روایت انتہائی مغرب میں بھی ثابت ہوئی۔

۶۹۔ سائنسی مشاہدات و تجربات کو قطعاً حتمی نہیں سمجھا جاسکتا ہے، جیسا کہ بعض حضرات نے سہواً سمجھ لیا ہے۔

۷۰۔ اگرچہ رصدگاہوں اور دوسرے آلات سے مدد لینے کی ممانعت نہیں ہے، لیکن ان چیزوں پر

اعتماد اور ان کو رویت کا معیار قرار دینا، اس طور پر کہ رویت ان مشینی آلات کی شہادت کے بغیر تسلیم ہی نہ کی جائے، قطعاً ممنوع ہے۔

۷۱۔ اگر بصری رویت نہ ہوئی ہو تو مرصداً فلکیہ کے حساب پر اعتماد کرنا جائز نہیں ہے۔
 ۷۲۔ نئے چاند کی ولادت، اس کی رویت اور قوس رویت کے متعلق حساب کتاب میں بہت حد تک غلطی کے امکانات موجود ہیں۔ چنانچہ اہل حساب کے مابین سخت اختلاف اور اضطراب پایا جاتا ہے۔ رویت ہلال کے حساب میں غلطی کے ان امکانات کا بعض جدید مسلم ماہرین فلکیات نے بھی برملا یہ اعتراف کیا ہے۔

۷۳۔ چاند کے موقع کے بارے میں فلکیاتی حساب تو درست ہوتا ہے، لیکن رویت کے بارے میں مختلف ماہرین فلکیات کے حسابات اور فیصلوں میں اختلاف ہوتا ہے۔

۷۴۔ بعض متاخرین فقہاء نے یہ دعویٰ کیا کہ اگر ہلال بادل میں چھپا ہو تو حساب جاننے والے کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے نفس کے لئے حساب لگا لے۔ یہ قول بہر طور شاذ ہے، اور اس کے خلاف مسلمانوں کا اجماع مسبق ہے۔

۷۵۔ جو رویت ہلال کو حساب کتاب سے اخذ کرنے، یا اس کے لئے کسی کتاب، نقشوں، تقویمی حساب اور سورج اور چاند کی سیر وغیرہ سے ماخوذ تعدیل سے اخذ کرنے تو وہ اسلام میں ایسی چیز کو داخل کرنے کا مرتکب ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۷۶۔ علماء ان لوگوں کا اہل بدعت سے مقابلہ کرتے ہیں، اور ان پر اسی طرح نکارت کرتے ہیں جس طرح کہ وہ اہل بدعت کے اقوال پر کیا کرتے ہیں۔

۷۷۔ علماء کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے نزدیک رویت جاننے کی یہ ایک بہ تکلف آرزو ہے، ورنہ درحقیقت اس کا ضبط ناممکن ہے۔ جو لوگ اس فن میں داخل ہوئے شاید ان کے دلوں میں نفاق کی ریش موجود تھی۔

۷۸۔ علمائے فلکیات اجتماع اور استقبال کے بارے میں تو باتیں کرتے ہیں، لیکن یہ کہنے پر قادر نہیں ہیں کہ کس مفارقت کے وقت ہلال نظر آئے گا؟

۷۹۔ جس طرح حساب کی مدد سے سورج اور چاند گرہنوں کے اوقات معلوم ہو سکتے ہیں، رویت

ہلال کا وقت معلوم نہیں ہو سکتا ہے۔

۸۰۔ رویت کے بارے میں ان کی خبر باعتبار جنس احکام نہایت ضعیف تر ہے۔

۸۱۔ رمضان یا عیدین یا حج، جن کی بنیاد رویت ہلال پر ہے۔ ان کے آغاز میں عالمی وحدت مطلوب نہیں، بلکہ اخلاص نیت کے ساتھ خشوع و خضوع مقصود ہے۔

۸۲۔ رویت میں عالمی وحدت رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث، نیز علمائے محققین، حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور علم ہدیت جدیدہ اور جغرافیہ جدیدہ کے خلاف ہے۔

۸۳۔ جب عالم اسلام میں نمازوں کے اوقات میں فرق و تفاوت کو وحدت کے منافی نہیں سمجھا جاتا ہے، تو رویت ہلال کے حساب سے الگ الگ دن عیدین اور رمضان کے آغاز کو عالم اسلام کی وحدت کے منافی کیوں سمجھا جاتا ہے؟

۸۴۔ جب تک صبح صادق نہ ہو فجر کی نماز نہیں پڑھی جاسکتی، اور جب تک سورج غروب نہ ہو مغرب کی نماز نہیں پڑھی جاسکتی، اسی طرح رویت ہلال بھی اختلاف مطالع کے اعتبار سے مختلف ہو سکتا ہے، اور ہوتا ہے۔ اس میں نہ یکسانیت و وحدت پیدا کی جاسکتی ہے، اور نہ اس کا ہمیں کوئی حکم ہی دیا گیا ہے۔

۸۵۔ چودہ صدیوں سے عالم اسلام میں اپنے اپنے حساب سے عیدین اور رمضان کا اہتمام ہوتا چلا آیا ہے، لیکن کبھی بھی اسے وحدت و یک جہتی کے منافی نہیں سمجھا گیا۔

۸۶۔ علماء پاکستان صرف ایک ملک کے اندر بھی عید کی وحدت کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں، چہ جائیکہ عالم اسلام میں ایک ہی دن عید کا اہتمام ضروری قرار دیا جائے۔

۸۷۔ ملکی یا سیاسی یا جغرافیائی لحاظ سے زمین کی حد بندی کا رویت ہلال سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کبھی ایک ملک کی حدود میں بھی عیدین و رمضان میں وحدت کا اہتمام ناممکن اور غیر صحیح ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض ممالک کے مختلف علاقوں میں بھی مطلع کا خاصہ اختلاف ہوتا ہے۔

۸۸۔ یہ نظریہ سرے ہی سے غلط ہے کہ سعودی عرب کے ساتھ دیگر اسلامی ممالک روزہ رکھیں، اور عید اور دیگر مناسک ادا کریں۔

۸۹۔ اگر یہ بات درست ہو کہ ایک شہر کی رویت عالم اسلام کے تمام شہروں کی رویت متصور

ہوگی، تب بھی آج کے حالات میں اس پر عمل درآمد ممکن نہیں ہے، چاہے رابطہ عالم اسلامی یا اس طرح کی کوئی بھی دوسری اسلامی تنظیم اس مقصد کے لئے قراردادوں پر قراردادیں منظور کرتی رہے۔

۹۰۔ علمِ ہیئت و فلکیات کی روزے بھی ایسا کرنا ناقابلِ عمل ہے۔

۹۱۔ علمِ فلکیات کی روشنی میں یہ بھی ثابت ہوا کہ اختلافِ مطالع کی بناء پر تمام مسلمان ایک مخصوص فاصلے تک ہی ایک رویت کی پابندی کر سکتے ہیں۔ لہذا یہ خواہش شرعی لحاظ سے کوئی درجہ استناد نہیں رکھتی ہے کہ دنیا بھر کے تمام مسلمان ایک ہی دن روزہ رکھیں، اور ایک ہی دن عید منائیں۔

۹۲۔ روزہ ایک ہی دن شروع کرنے، یا عیدین ایک ہی دن منانے سے زیادہ اتحادِ امت کی ضرورت بنیادی نوعیت کے دوسرے دینی مسائل میں ہے، مثلاً نماز تمام فقہی، گروہی اور مسلکی اختلافات کو بھلا کر طریقہ نبوی ہی کے مطابق پڑھی جائے، پوری امت کو عقائد اور دیگر معاملات میں متحد کیا جائے، اجابہ سنت، شریک امور سے اجتناب اور ترکِ بدعات وغیرہ کے لئے متحد ہو کر کوشش کی جائے وغیرہ۔

۹۳۔ صرف ایک پُرکشش نعرہ ہی نہیں، بلکہ درحقیقت امتِ مسلمہ کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ لیکن علم و دانش کی روشنی میں جائز اور صحیح طریقہ سے مستقل اور پائیدار اتحادِ امت کا حصول میری نگاہ میں زیادہ اہمیت کا حامل ہے، بہ نسبت اس بات کے کہ کسی عارضی اور وقتی اتحاد کے حصول کی کوشش کی جائے۔

۹۴۔ وحدتِ امت کی آڑ میں ایک مخصوص کتبِ فکر کو عالمگیر پیمانہ پر رائج کرنے کے خواہاں حضرات کے لئے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ امت کی وحدت صرف انہیں تین دنوں کے لئے مطلوب نہیں، بلکہ پورے سال امت کو باہمی ودائی اتحاد کی ضرورت ہے۔

۹۵۔ جن ممالک یا علاقوں میں سرکاری یا غیر سرکاری طور پر رویتِ ہلال کی باقاعدہ کوئی کمیٹی یا ادارہ موجود نہیں ہے وہاں کے باشعور طبقہ کو چاہئے کہ اجتماعیت، مرکزیت اور اتحادِ امت کے پیش نظر ایسے کسی منظم ادارہ کے قیام کے لئے کوشش کریں۔ لیکن جن ممالک یا علاقوں میں ایسی سرکاری یا غیر سرکاری کمیٹیاں موجود ہوں تو وہاں نئی کمیٹیوں کے قیام سے قطعاً گریز کیا جائے۔

۹۶۔ اس طرح کی کمیٹیوں کے وجود موجودہ دور میں ایک انتظامی اور اجتماعی ضرورت بن چکا ہے۔ اور جب حالات شدت سے کسی چیز کے متقاضی ہوں، اور اس سے کسی شرعی نص کی مخالفت بھی نہ ہوتی ہو، تو اسے مصلحِ مرسلہ سے خارج یا بدعت قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔

رؤیتِ ہلال، اختلافِ مطالع اور رؤیت میں عالمگیر وحدانیت کے متعلق بعض مطبوعہ رسائل و مقالات کا تعارف

رسائل: اس موضوع پر مستقل لکھے جانے والے چند رسائل کا مختصر تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے:

۱۔ ”اطلاع ارباب الکمال علی ما فی رسالۃ الجلال فی الهلال من الاختلال“، للشوکانی [۱]،

۲۔ ”ارشاد أهل الملة إلى اثبات الأهلة“، للشيخ بنخيت المطيعی،

۳۔ ”خلاصة العذب الزلال فی مباحث رؤية الهلال“، للشيخ محمد بن عبد الوهاب بن عبد الرزاق،

۴۔ ”العلم المنشور فی اثبات الشهور“، للشيخ علی بن عبد الکافی السبکی،

۵۔ ”تنبيه الغافل والوسنان علی احکام هلال رمضان“، لابن عابدین،

۶۔ ”تبیان الأدلة فی اثبات الأهلة“، للشيخ عبد الله بن محمد بن

حمید،

۷۔ ”توجیه الأنظار لتوحید المسلمین فی الصوم والإفطار“، للشيخ

أبو الفیض أحمد صدیقی، وغیره۔

منعقدہ علمی مجالس: ذیل میں ان میں سے بعض کوششوں کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے:

۱۔ ندوة العلماء لکھنؤ کے زیر اہتمام مجلس تحقیقات شرعیہ منعقدہ ۳-۴ مئی ۱۹۶۷ء

میں رؤیتِ ہلال اور اختلافِ مطالع کا مسئلہ زیر بحث آیا۔ اس مجلس میں مختلف مکاتب فکر کے

[۱]۔ کما فی نیل الأوطار ۱۱۰/۳

نمائندگان نے شرکت کی تھی جنہوں نے متفقہ طور پر اختلافِ مطالع کو معتبر قرار دیا تھا۔ [ملاحظہ ہو ”جدید فقہی مسائل“، مرتبہ جناب خالد سیف اللہ رحمانی ج ۱ ص ۹۳]۔ اس قرارداد کا تذکرہ بھی اللہ سابقہ اوراق میں گزر چکا ہے۔

۲۔ ماہ شعبان ۱۳۹۱ھ (برمطابق ماہ ستمبر ۱۹۷۱ء) میں رابطہ العالم الاسلامی، مکہ المکرمہ کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والی تیرہویں تاسیسی مجلس میں رؤیتِ ہلال کا مسئلہ زیرِ غور آیا تھا، اور اس ضمن میں کچھ قراردادیں بھی منظور کی گئی تھیں، جن کا تذکرہ بھی بعون اللہ تعالیٰ سابقہ اوراق میں گزر چکا ہے۔

۳۔ جمعیت اہل حدیث، کورٹ روڈ، کراچی (پاکستان) کے زیرِ اہتمام مجلس مذاکرہ منعقدہ ۱۷-۲۰ نومبر ۱۹۸۶ء میں شیخ ابوالسلام محمد صدیق صاحب رحمہ اللہ (رئیس، الجامعۃ العلمیۃ، سرگودھا، پاکستان) نے ایک وقیع مقالہ بعنوان ”رؤیتِ ہلال اور مطالع کا اختلاف“ پیش کیا تھا، جو بعد میں مجلس التحقیق الاسلامی کے ترجمان ماہنامہ ”محدث“ لاہور کے متعدد شماروں میں شائع ہوا تھا۔

۴۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے زیرِ اہتمام پاکوڑ نامی مقام پر ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ مارچ ۲۰۰۳ء میں منعقد ہونے والی اٹھائیسویں کل ہند سالانہ کانفرنس نیز فقہی سیمینار میں یہ موضوع زیرِ بحث آیا، اور مقتدر علماء نے اس موضوع پر اپنے وقیع مقالات پیش کئے۔

جرائد و مجلات: راقم کے علم کے مطابق جن دینی جرائد اور مجلات میں اس خاص موضوع پر مقالات شائع ہوتے رہے ہیں، ان میں سے چند بلا حصر حسب ذیل ہیں:

۱۔ ماہنامہ ”محدث“ لاہور ج ۴ رش ۹ ص ۱۸-۲۶ (”رؤیتِ ہلال کمیٹی کی ضرورت، شہری حیثیت اور طریقہ کار“۔ شیخ عزیز زبیدی، حفظہ اللہ تعالیٰ)۔

۲۔ ماہنامہ ”محدث“ لاہور ج ۴ رش ۹ ص ۲۷-۲۸ (”رؤیتِ ہلال کے متعلق حکمران یا کمیٹی کے فیصلہ کی شرعی حقیقت“۔ شیخ عزیز زبیدی، حفظہ اللہ تعالیٰ)۔

۳۔ ماہنامہ ”محدث“ لاہور ج ۵ رش ۱ ص ۲۷-۴۸ (”رؤیتِ ہلال کا مسئلہ، اولہ شرعیہ کی روشنی میں“۔ شیخ عبداللہ بن حمید، رحمہ اللہ تعالیٰ۔ مترجم)

۴۔ ماہنامہ ”محدث“ لاہور ج ۷، رش ۱۰، ص ۲۶-۳۱ (”رؤیتِ ہلالِ عید (عید کا چاند) کے متعلق چند غلط فہمیاں“ - شیخ عزیز زبیدی، حفظہ اللہ تعالیٰ)

۵۔ ماہنامہ ”محدث“ لاہور ج ۷، رش ۱۰، ص ۲۶-۳۱ (”رؤیتِ ہلال اور مطالع کا اختلاف“ - شیخ ابوالسلام محمد صدیق، رحمہ اللہ تعالیٰ)

۶۔ مجلہ ”صوت الحق“ مالگاؤں ج ۹، رش ۲-۶، مجریہ ماہ فروری تا جون ۱۹۹۶ء (”مسئلہ رؤیتِ ہلال“ - شیخ محمد منیر قمریہ لکھنؤ، حفظہ اللہ تعالیٰ)

۷۔ ماہنامہ ”محدث“ لاہور ج ۳۱، رش ۱۷-۲۱، مجریہ ماہ اپریل ۱۹۹۹ء (”رؤیتِ ہلال میں اختلافِ مطالع کا اعتبار ہے - علمائے اہل سنت ہند کا متفقہ موقف“)

۸۔ ماہنامہ ”محدث“ لاہور ج ۳۱، رش ۲-۵، مجریہ ماہ جون ۱۹۹۹ء (”مسئلہ رؤیتِ ہلال اور رؤیتِ ہلال کمیٹی - وزارت مذہبی امور کی نئی تجاویز کا ایک جائزہ“ - شیخ حافظ صلاح الدین یوسف، حفظہ اللہ تعالیٰ)

۹۔ ماہنامہ ”محدث“ لاہور ج ۳۱، رش ۲-۱۰، مجریہ ماہ مارچ ۱۹۹۹ء (”رؤیتِ ہلال کا مسئلہ، شکوک و شبہات کا ازالہ“ - شیخ حافظ صلاح الدین یوسف، حفظہ اللہ تعالیٰ)

۱۰۔ مجلہ ”تدبر“ لاہور ج ۷، ص ۱۹-۲۴، مجریہ ماہ دسمبر ۲۰۰۰ء (”رؤیتِ ہلال کا مسئلہ“ - جناب امین احسن اصلاحی صاحب، ترتیب: احسان الحق صاحب)

۱۱۔ ماہنامہ ”الفرقان“ لکھنؤ مجریہ ماہ اکتوبر ۱۹۸۱ء (”مسئلہ رؤیتِ ہلال جدید سائنسی تحقیق کی روشنی میں“ - جناب ضیاء الدین لاہوری صاحب)

۱۲۔ ماہنامہ ”الفرقان“ لکھنؤ مجریہ ماہ دسمبر ۱۹۸۱ء (”عالمِ اسلام میں رؤیتِ ہلال پر مکمل اتفاق کا مسئلہ“ - جناب ضیاء الدین لاہوری صاحب)

۱۳۔ ماہنامہ ”الفرقان“ لکھنؤ مجریہ ماہ جنوری ۱۹۸۳ء (”رؤیتِ ہلال اور سعودی عرب“ - جناب ضیاء الدین لاہوری صاحب)

۱۴۔ ماہنامہ ”بینات“ کراچی ج ۴، رش ۳، مجریہ ماہ جنوری ۱۹۸۳ء (”سعودی

عرب میں روایت ہلال۔“ ڈاکٹر عبداللہ عباس الہندی، حفظہ اللہ تعالیٰ، وغیرہ۔
 ان کے علاوہ دیگر جرائد و مجلات میں بھی اس موضوع پر مستقل مضامین یا ضمنی طور پر یا،
 فقہ و فتاویٰ کے تحت مباحث شائع ہوتے رہے ہیں جن کا حصر اس کتاب میں ممکن نہیں ہے۔

مسک الختام

اسی تفصیل کے ساتھ میں اس کو ختم کرتا ہوں۔ اس ضمن میں اگرچہ کچھ مباحث اور بھی ہیں، لیکن نسبتاً غیر اہم ہونے کی بناء پر انہیں یہاں پیش کرنے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ جو کچھ اس میں پیش کیا گیا ہے طالبین حق کے لئے وہی بہت کافی ہے، اور راقم یہ سمجھتا ہے کہ الحمد للہ دل کی بات پورے طور پر واضح ہو کر سامنے آچکی ہے۔ توفیق دینا تو بہر حال اللہ عزوجل کے ہاتھ ہی میں ہے، اور وہی صراطِ مستقیم تک لوگوں کی رہنمائی کر سکتا ہے۔

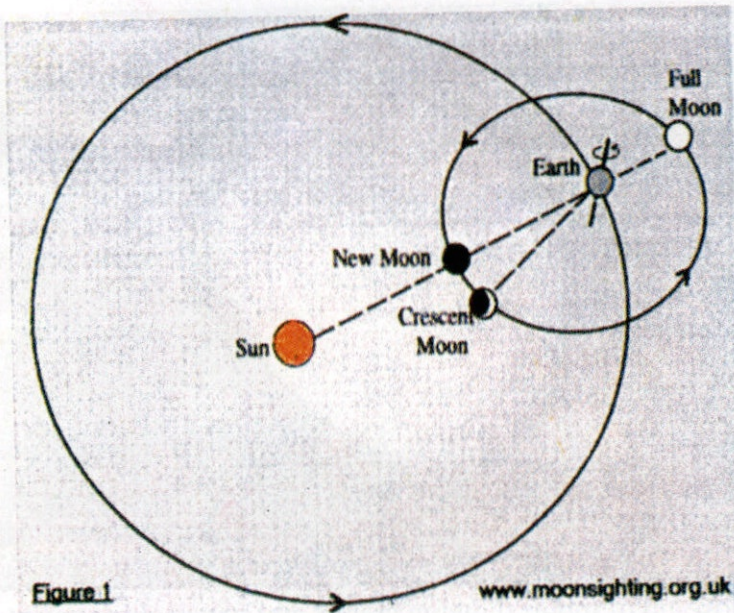
وَأَسْأَلُ اللَّهَ أَنْ يَصْلَحَ لَنَا النِّيَّاتِ وَالْأَعْمَالِ، وَأَنْ يَحْفَظَنَا، وَيُثَبِّتَنَا
بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ، وَأَنْ يَأْخُذَ بِأَيْدِيهِ إِلَى مَا يَحِبُّهُ
وَيَرْضَاهُ، وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى
أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ، نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ، وَعَلَى آلِهِ، وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ۔

وکتبہ: غازی عزیر

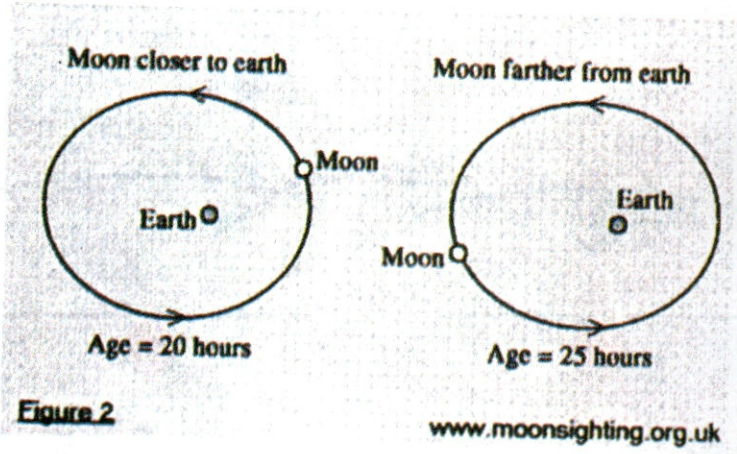
بتاریخ: ۲۰ جمادی الثانی ۱۴۲۵ھ (بمطابق ۶ اگست ۲۰۰۴ء)



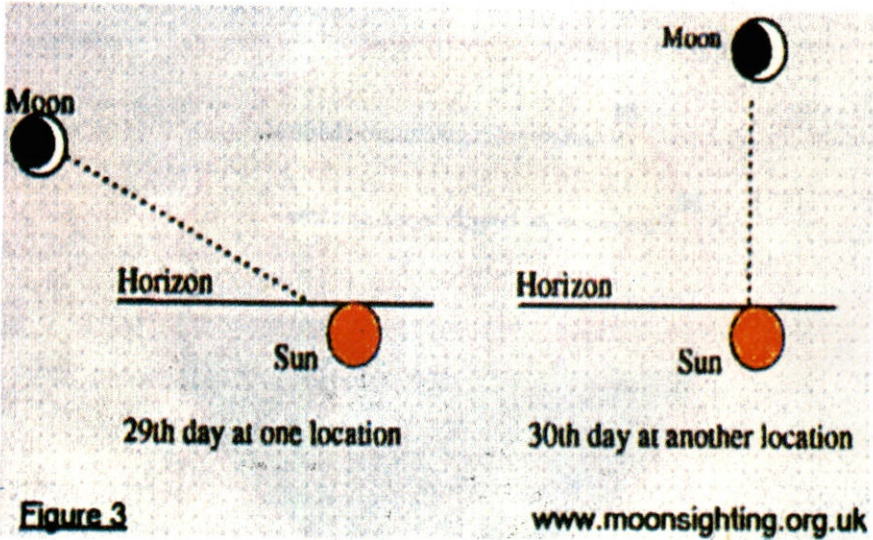
شکل نمبر (۳)



شکل نمبر (۴)



شکل نمبر (۵)



شکل نمبر (۶)

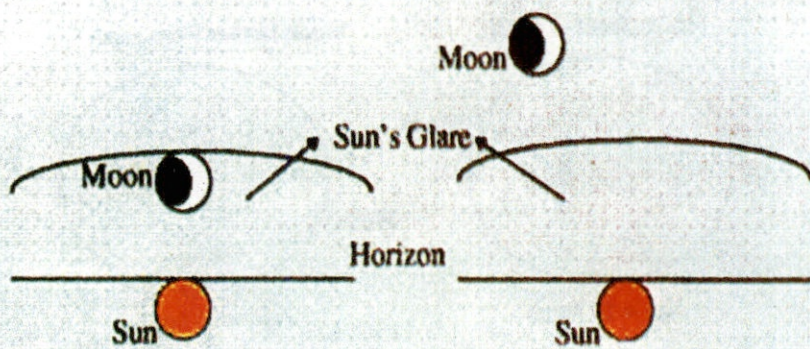
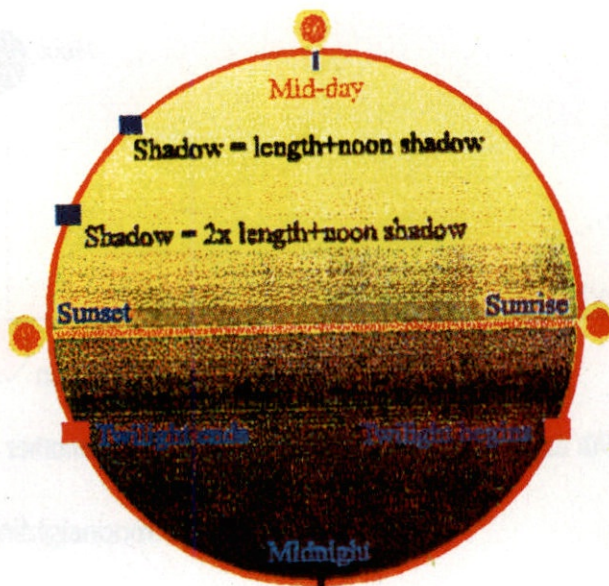


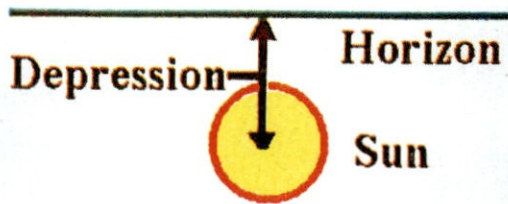
Figure 4

www.moonsighting.org.uk

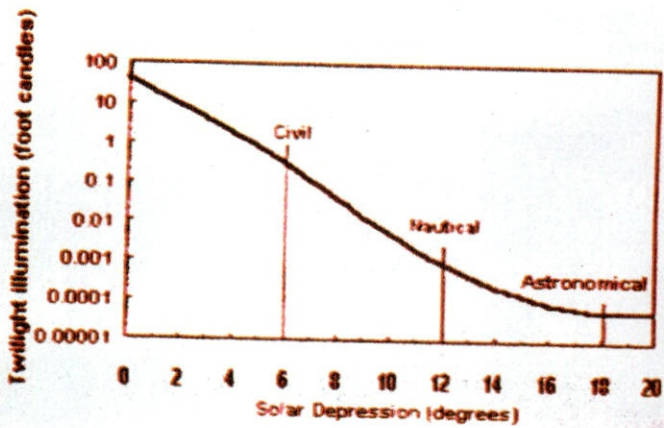
شکل نمبر (۷)



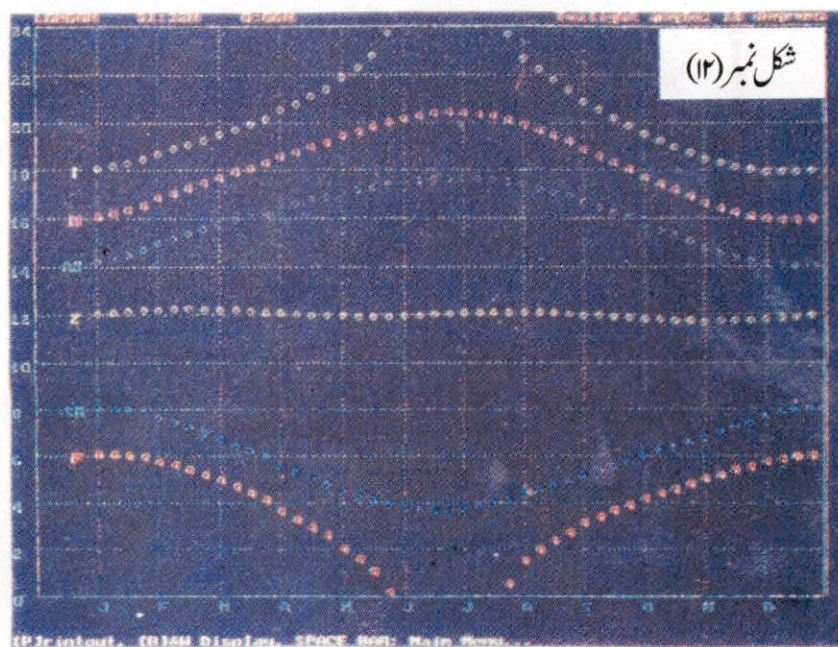
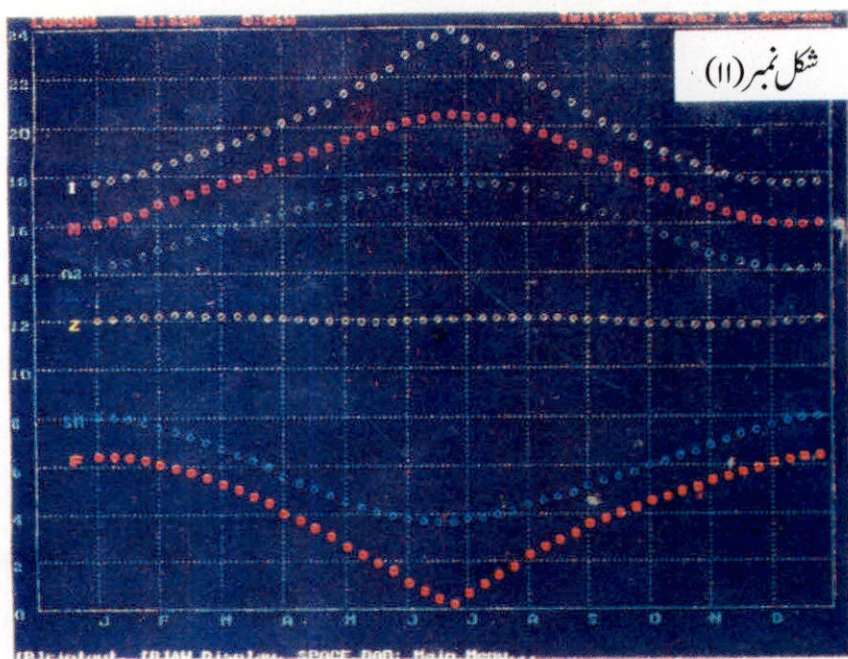
شکل نمبر (۸)



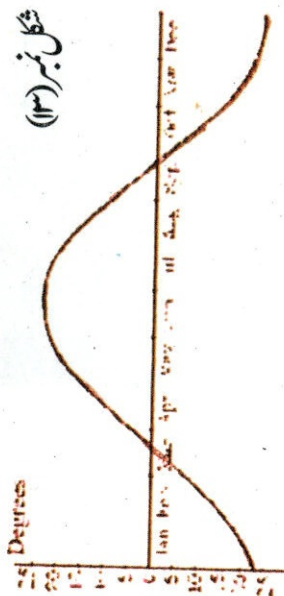
شکل نمبر (۹)



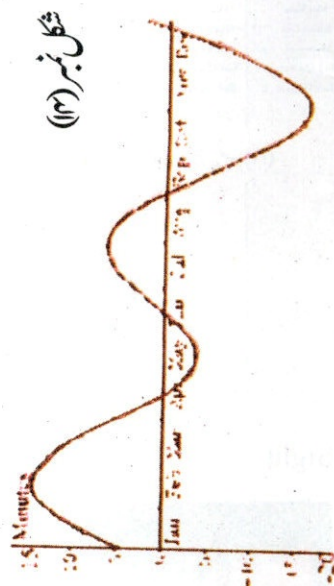
شکل نمبر (۱۰)



Graph of Declination angle (D) versus Month



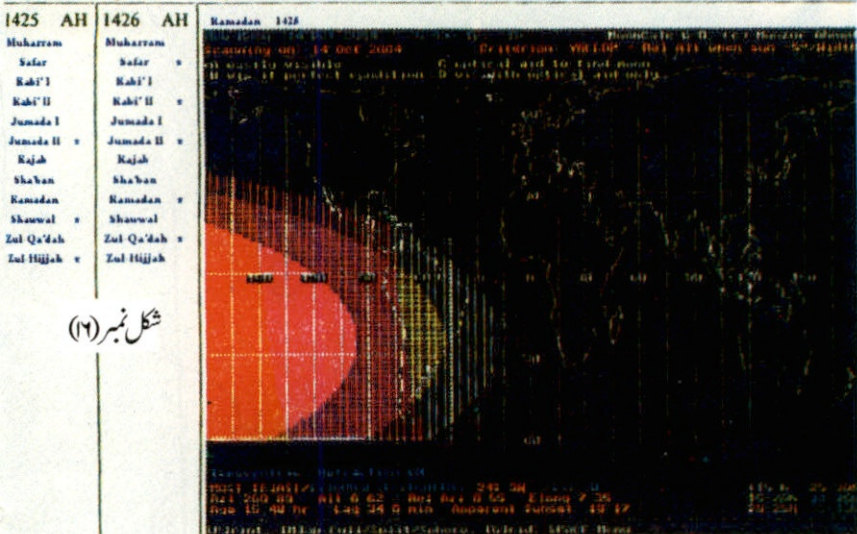
Graph of Equation of Time (T) versus Month



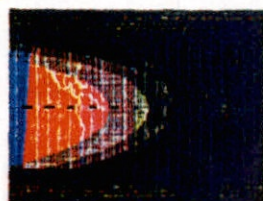
BIRMINGHAM 52:30N 1:55W 17:0.0 Ht:236m JU:2451082.5									
Mag Dec:	-4.472	-4d	28m 19s	Date:	Sat 26 Sep 1998	Topo	Refrac	ON	
Delta T (TD-UT):	0h	01m 04s		Time:	17h 17m 37s*LT				
Apparent Sunrise:	6h	56m 31s*LT		Apparent Sunset:	19h 00m 32s*LT				
1 of 4									
Moon Alt:	20.055	20d	03m 18s	Moon Azi:	180.073	180d	04m 22s		
Moon Dec:	-17.488	-17d	29m 18s	Moon RA:	16.512	16h	30m 44s		
Sun Alt:	14.059	14d	03m 33s	Sun Azi:	248.621	248d	37m 15s		
Sun Dec:	-1.343	-1d	20m 36s	Sun RA:	12.206	12h	12m 23s		
Rel Alt:	5.996	5d	59m 45s	Rel Azi:	-60.548	-68d	32m 53s		
Elongation:	65.405	65d	24m 17s	Moon Age:	143.25h	5D	23H 15M		
Phase:0.2922	Mag:-9.06	Width:0.72m	Semi-Diam:0.249	Distance:	402358.96km				
Moon Rise:	12h	34m 44s*LT	Azimuth:	116d 45m 44s					
Moon Set:	21h	55m 09s*LT	Azimuth:	241d 53m 03s					
Sunrise-Moonrise:	5h	38m 13s	Sunset-Moonset:	2h	54m 37s				
New Moon:	20 Sep 1998	JDE: 2451077.2101	17h	02m 29s	TD				
Full Moon:	5 Oct 1998	JDE: 2451092.3422	20h	12m 49s	TD				
Perigee:	6 Oct 1998	JDE: 2451093.0443	13h	03m 49s	TD				
Apogee:	21 Oct 1998	JDE: 2451107.7209	5h	18m 10s	TD				

ENTER:More [Info] +/-:Month OIL/INS:Day END/HOME:1hr ON/UP:Main SPACE:Menu

To see Visibility Curve for any month, click on the month in the Table



Sightings of Extremely Thin Crescents



Jumadat-Thani 1420: On September 10, moon was seen in a telescope after a special preparation by Jordan Astronomical Society on a mountain in Jordan.

Telescope only: Mohammad Odeh and his team's Sighting

Date of Sighting	Place of Sighting	Loc.	Elongation	Altitude of sunset
Sep 10, 1999	Al-Shoubak, Jordan	17° 24' N	9.8 Degrees	6.4 Degrees

With special preparation, I (Khalid Shaukat) and my 16 year old son saw it with the binocular in Washington DC on September 10, 1999. We could barely see it with the naked for a few moments. In Utah, Texas, Arizona and California, it was seen with the naked eye. It was just as shown by visibility curves.

Binocular used to find: Khalid Shaukat's Own Sighting

Date of Sighting	Place of Sighting	Loc.	Elongation	Altitude of sunset
Sep 10, 1999	Washington DC	38° 54' N	11.4 Degrees	7.3 Degrees



Muharram 1421: Authentic sightings were reported from Terengganu Malaysia (telescope/Binocular), and with naked eye at Durban South Africa, and at Ghardaia Algeria on Wednesday, April 5, 2000.

Seen by Binoculars only - Not by naked eye

Date of Sighting	Place of Sighting	Loc.	Elongation	Altitude of sunset
Apr 5, 2000	Terengganu, Malaysia	5° 18' N	10.3 Degrees	8.3 Degrees

Naked Eye sighting

Date of Sighting	Place of Sighting	Loc.	Elongation	Altitude of sunset
Apr 5, 2000	Durban, South Africa	30° 58' S	12.7 Degrees	9.3 Degrees

شکل نمبر (۷)

You can click on any map to see the full size map.

Zul-Hijjah 1420: The crescent moon was not seen anywhere in the continental USA on March 6. My calculations were saying that naked eye sighting was not possible in the continental USA. It was just as shown by visibility curves.

Nonsighting Date	Place of Non-Sighting	Age	Elongation/Altitude @ sunset
Mar 6, 2000	San Francisco, CA	20.9 hrs	11.3 Degrees / 7.2 Degrees

Ramadan 1421: On Nov 26, 2000 the moon was not seen in Australia, Asia, Europe, and Africa. At Cape Town, South Africa, it was 18.5 hours old and was not seen on clear horizon.

Nonsighting Date	Place of Non-Sighting	Age	Elongation/Altitude @ sunset
Nov 26, 2000	Cape Town, S. Africa	18.5 hrs	9.2 Degrees / 4.7 Degrees

In Guyana it was seen on Nov 26, 2000 as expected by visibility curve.

Zul-Hijjah 1422: On Feb 12, 2002 the moon was not seen anywhere in contiguous USA, with special report of non-sighting by naked eye from San Jose and by binoculars from Richmond UT. This was the month of Eid-al-Adha, so hundreds of Muslims tried to see the moon.

It was just as calculated shown by visibility curves.

Nonsighting Date	Place of Non-Sighting	Age	Elongation/Altitude @ sunset
February 12, 2002	San Jose, CA	18.1 hrs	9.5 Degrees / 4.4 Degrees

Non-sighting with Binoculars at 17.4 hours age

Nonsighting Date	Place of Non-Sighting	Age	Elongation/Altitude @ sunset
February 12, 2002	Richmond, UT	17.3 hrs	9.1 Degrees / 3.5 Degrees

شكل نمبر (١٨)

Rabi'at-Thani 1421: Rabi-al-Thani moon was seen in Malaysia and Jordan by telescope on Sunday, July 2. On the same date it was seen in Cape Town, South Africa, Guyana, and California, USA. It was just as predicted by calculations.

Telescope only: Malaysia's Sighting			
Date of Sighting	Place of Sighting	Age	Elongation/Altitude @ sunset
Jul 2, 2000	Kuala Lumpur, Malaysia	16.1 hrs.	9.5 Degrees / 7.4 Degrees

Ramadan 1421: On Nov 26, 2000 the moon was seen in Georgetown, Guyana by naked eye, when it was 22.5 hours old as expected by visibility curve.

Naked eye sighting at Lowest Elongation & Altitude			
Date of Sighting	Place of Sighting	Age	Elongation/Altitude @ sunset
Nov 26, 2000	Georgetown, Guyana	22.5 hrs.	10.9 Degrees / 9.0 Degrees

See
Photo

Muharram 1423: On Mar 14, 2002 the moon was seen in San Francisco CA by binocular then later by naked eye, when it was 24.7 hours old as expected by visibility curve to be spotted by binocular only, then later can be seen by naked eye.

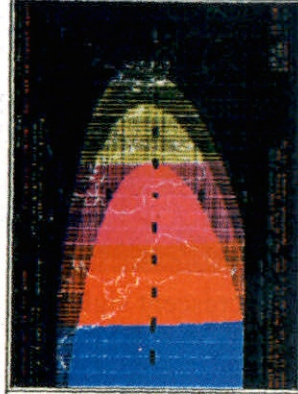
Spotted by Binocular and later seen by naked eye			
Date of Sighting	Place of Sighting	Age	Elongation/Altitude @ sunset
Mar 14, 2002	San Francisco, CA	24.7 hrs.	12.0 Degrees / 7.5 Degrees

See
Photo

Rabi-at-Thani 1424: On May 31, 2003 the moon was seen in Logan UT and Mojave desert CA by binoculars only as expected by visibility curve to be seen by binoculars only.

Binocular Record on my web site for least Elongation/Altitude			
Date of Sighting	Place of Sighting	Age	Elongation/Altitude @ sunset
May 31, 2003	Logan, UT	22.7 hrs.	10.6 Degrees / 7.5 Degrees

Non-Sighting Proven when moon is 13-20 hours old



Rajab 1421: On September 27, 2000 the moon was, of course, not seen anywhere in the world. On September 28 it was still not seen in Bangladesh, India, Pakistan, or any east-ward country. However, on September 28 it was seen in South Africa, and many places all across USA. It was just as shown by visibility curves.

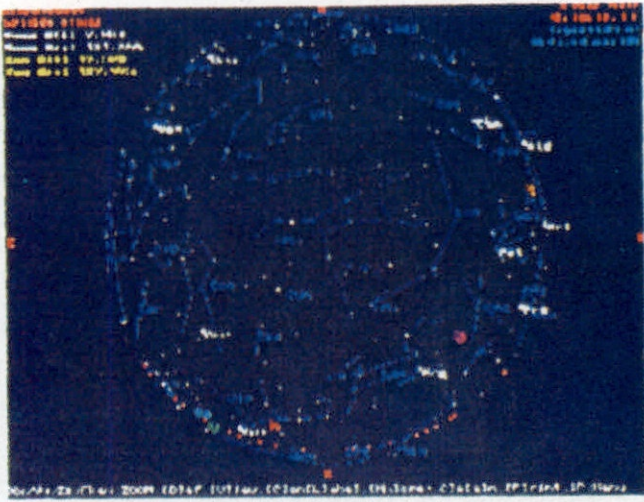
Nonsighting Date	Place of Non-Sighting	Age	Elongation/Altitude @ sunset
Sep 28, 2000	Karachi, Pakistan	17.5 hrs	10.7 Degrees / 8.1 Degrees



Sha'ban 1421: On October 27, 2000 the moon was not seen in North America. We have report by an astronomer from Trinidad that despite using observatory telescope and preparation ahead of time, it was still not seen on October 27. On October 28 it was seen in most countries around the world, all the way to USA. It was exactly as shown by the visibility map.

Nonsighting Date	Place of Non-Sighting	Age	Elongation/Altitude @ sunset
Oct 27, 2000	Port of Spain, Trinidad	13.8 hrs	8.4 Degrees / 6.4 Degrees

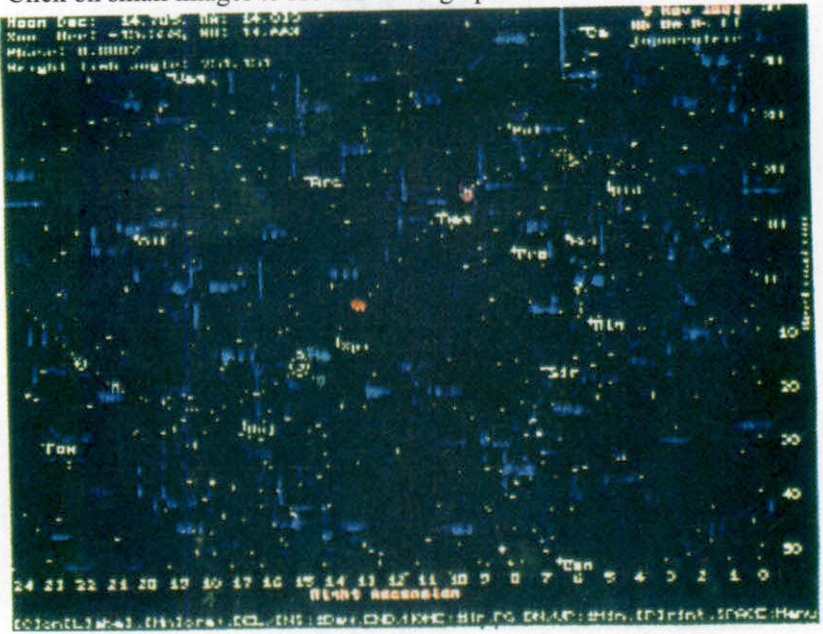
شکل نمبر (۲۰)



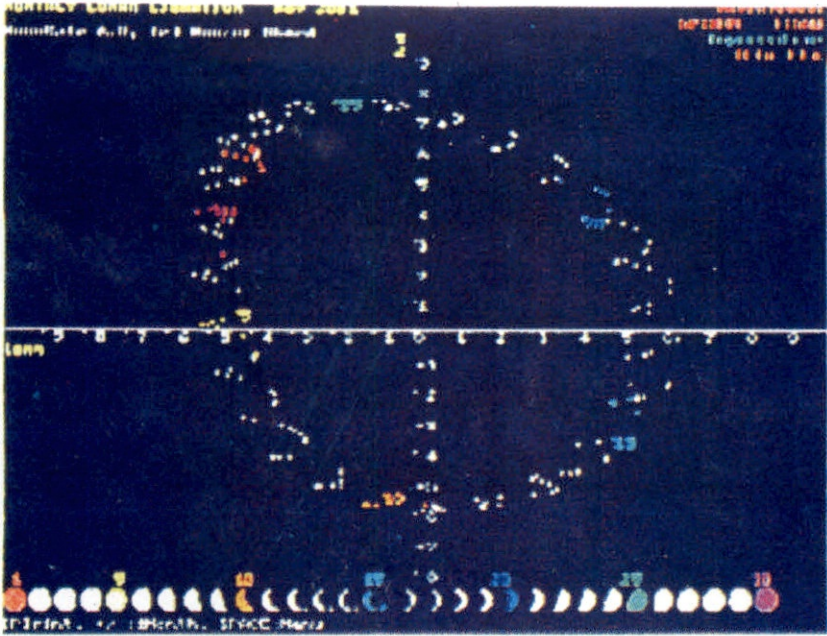
Local sky (Alt/Azi) - horizon view (left) and traditional circular view (right) شکل نمبر (۲۵)

Extensive graphical data

Click on small images to see full-sized graphics

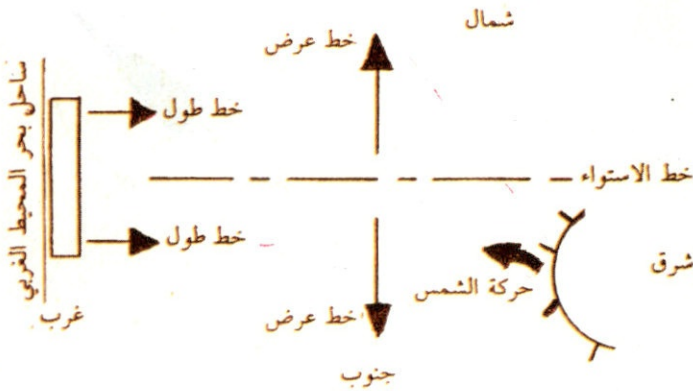


Starchart (Dec vs RA) showing sun & moon positions شکل نمبر (۲۶)

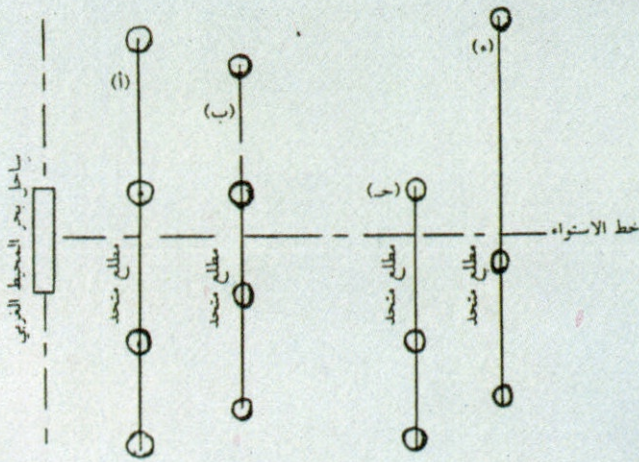


Monthly liberation graph

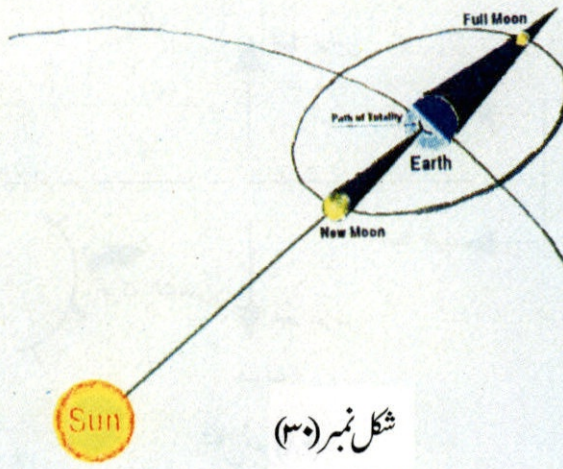
شكل نمبر (٢٤)



شكل نمبر (٢٨)



شكل نمبر (٢٩)



شكل نمبر (٣٠)

شکل نمبر (۳۱) چند اہم معادلات

$$Z = 12 + \frac{(R-L)}{15} + \frac{T}{60} \quad [1]$$

$$U = \frac{1}{15} \arccos \frac{\{\sin(-0.8333 - 0.0347(H)^{0.5}) - \sin D\} \cdot \sin B}{\cos D \cdot \cos B} \quad [2]$$

$$V = \frac{1}{15} \arccos \frac{-\sin G - \sin D \cdot \sin B}{\cos D \cdot \cos B} \quad [3]$$

$$W = \frac{1}{15} \arccos \frac{\sin\{\operatorname{arccot}(1 + \tan(B-D)) - \sin D\} \cdot \sin B}{\cos D \cdot \cos B} \quad [4]$$

$$X = \frac{1}{15} \arccos \frac{\sin\{\operatorname{arccot}(2 + \tan(B-D)) - \sin D\} \cdot \sin B}{\cos D \cdot \cos B} \quad [5]$$

Where,

B= latitude of place,

L= longitude of place,

R= reference longitude (i.e. TIME BAND x 15),

H=height above sea level in metres,

D= declination angle of sun from celestial equator (-ve in southern hemisphere),

T= equation of time,

G= twilight angle.

$$\text{Fajr} = Z - V,$$

$$\text{Sunrise} = Z - U,$$

$$\text{Zuhr} = Z,$$

$$\text{Asr1 (Shafi)} = Z + W,$$

$$\text{Asr2 (Hanafi)} = Z + X,$$

$$\text{Maghrib/Sunset} = Z + U,$$

$$\text{Isha} = Z + V.$$

مراجع ومصادر

عربي مراجع:

- ١- القرآن الكريم، مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، المدينة المنورة، ١٤١٤ هـ
- ٢- اسرار الصوم، أبو حامد الغزالي، بتحقيق د. محمد بن لطفى الصباغ، دار مكتبة الوراق، الرياض، ١٤١١ هـ
- ٣- ارواء الغليل فى تخريج أحاديث منار السبيل، محمد ناصر الدين الألبانى، المكتب الإسلامى، بيروت
- ٤- ارشاد أهل الملة إلى اثبات الأهلة، بنخيت المطيعى، ط. بيروت
- ٥- الأم، الامام محمد بن ادريس الشافعى، بتحقيق محمد زهرى النجار، مكتبة الكليات الأزهرية، القاهرة
- ٦- اسباب النزول، جلال الدين السيوطى، على هامش تفسير الجلالين، دار المعرفة، بيروت
- ٧- الأسئلة والأجوبة الفقهية المقرونة بالأدلة الشرعية، عبدالعزيز المحمد السلطان، شركة الراجحى، ١٤٠١ هـ
- ٨- بداية المجتهد ونهاية المقتصد، محمد بن أحمد بن محمد ابن رشد القرطبى، دار المعرفة، بيروت، ١٤٠٥ هـ
- ٩- بدائع الصنائع، للكاسانى، ط. اللكنؤ
- ١٠- بلوغ المرام من أدلة الأحكام، أحمد بن على بن حجر العسقلانى، (مترجم عبد التواب ملتانى)، فاروقى كتب خانه، ملتان، ١٩٩٢ م
- ١١- التعليق المغنى، أبى الطيب شمس الحق العظيم آبادى، مطبوع على هامش سنن الدارقطنى، دار المحاسن، بمصر
- ١٢- تنبيه الغافل والوسنان على احكام هلال رمضان، لابن عابدين، ط. القاهرة
- ١٣- توجيه الأنظار لتوحيد المسلمين فى الصوم والإفطار، أبو الفيض أحمد صديقى، ط. بيروت

١٢- تلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير، أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، ط. السيد عبدالله الهاشم اليماني، المدينة المنورة، ١٣٨٢ هـ

١٥- التمهيد، أبو عمر ابن عبد البر، نشر وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية بالمملكة المغربية

١٦- تاريخ بغداد، أحمد بن علي بن ثابت الخطيب البغدادي، دار الكتاب العربي، بيروت

١٧- تبيان الأدلة في اثبات الأهلة، عبدالله بن محمد بن حميد، وزارة العدل، المملكة العربية السعودية، ١٤٠٠ هـ

١٨- تلخيص المستدرک، الامام محمد بن أحمد الذهبي، مطبوع على هامش المستدرک، دار الفكر، بيروت، ١٣٩٨ هـ

١٩- تنقيح التحقيق، ابن عبد الهادي، مطبوع على هامش التحقيق لابن الجوزي، مطبعة مقهوى، القاهرة

٢٠- التحقيق في أحاديث الخلاف، الامام أبي الفرج ابن الجوزي، بتحقيق محمد مسعد عبد الحميد وآخرون، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤١٥ هـ

٢١- تحفة الأحوذى شرح جامع الترمذى، ابو العلى محمد عبد الرحمن المباركفوري، نشر السنة، ملتان

٢٢- تاريخ دمشق، أبو القاسم علي بن الحسن ابن عساكر، مكتبة الدار، المدينة المنورة

٢٣- تفسير جامع البيان، ابو جعفر الطبري، مصور عن الطبعة المصرية

٢٤- تسهيل الوصول الى معرفة أسباب النزول، خالد بن عبد الرحمن العك، دار المعرفة، ١٣٢٠ هـ

٢٥- تفسير القرآن العظيم، أبي الفداء ابن الكثير، دار الأندلس، بيروت، ١٩٦٦ م

٢٦- تفسير الجامع لأحكام القرآن، للقرطبي، دار الكاتب العربي، القاهرة، ط. الثانية

٢٧- تقريب التهذيب، أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، بتحقيق عبد الوهاب عبد اللطيف، دار المعرفة، بيروت

٢٨- ثمانية وأربعون سؤالاً في الصيام أجاب عليه فضيلة الشيخ محمد بن صالح العثيمين، بترتيب سالم بن محمد الجهني، مؤسسة آسام، الرياض

١٢١٣هـ

- ٢٩- الجامع الصغير، جلال الدين السيوطي، دارالفكر، بيروت
- ٣٠- جامع الترمذى مع تحفة الأخوذى، الامام أبى عيسى محمد بن عيسى الترمذى، نشر السنة، ملتان
- ٣١- حاشية على المنهاج، للقليوبى الشافعى، ط. القاهرة
- ٣٢- حاشية على المغنى، محمد حامد الفقى، مطبوع على هامش المغنى لابن قدامة، مكتبة الرياض الحديثة، الرياض
- ٣٣- حاشية الشرقاوى على التحرير، ط. بيروت
- ٣٤- حاشية على شرح السنة، شعيب الأرناؤوط وآخرون، مطبوع على هامش شرح السنة للبخارى، المكتب الاسلامى، بيروت، ١٢٠٣هـ
- ٣٥- حاشية البيجرمى على الإقناع، ط. القاهرة
- ٣٦- حاشية على التحقيق، محمد فارس، مطبوع على هامش التحقيق لابن الجوزى، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٢١٥هـ
- ٣٧- حاشية الدسوقي على الشرح الكبير، ط. الرياض
- ٣٨- خلاصة العذب الزلال فى مباحث رؤية الهلال، محمد بن عبد الوهاب بن عبد الرزاق، ط. الرياض
- ٣٩- الخلاصة، محى الدين النووى، ط. بيروت
- ٤٠- الدعوة (الفتاوى)، عبدالعزيز بن عبدالله بن باز، مطابع العبيكان، الرياض، ١٢٠٨هـ
- ٤١- زاد المعاد فى هدى خير العباد، الامام أبى عبدالله ابن القيم، بتحقيق شعيب الأرناؤوط وآخرون، مؤسسة الرسالة، ١٢٢١هـ
- ٤٢- سنن الدارمى، الامام أبو محمد عبدالله الدارمى، بتحقيق د. مصطفى ديب البغا، دار القلم، دمشق، ١٢١٢هـ
- ٤٣- سنن ابن ماجه، الامام أبو عبدالله محمد بن يزيد القزوينى، بترقيم فؤاد عبد الباقي، دار الفكر، بيروت
- ٤٤- السنن الكبرى، الامام أبوبكر أحمد بن حسين البيهقى، دائرة المعارف، الهند، ١٣٢٢هـ
- ٤٥- سنن الدارقطنى مع التعليق المغنى، الامام على بن عمر الدارقطنى، بتحقيق شمس الحق العظيم آبادى، دار المحاسن بمصر

- ٣٦- سنن أبي داود مع عون المعبود، الامام سليمان بن أشعث أبي داود
السجستاني، نشر السنة، ملتان، ١٣٩٩ هـ
- ٣٧- سنن النسائي، الامام أبي عبد الرحمن أحمد بن شعيب النسائي، دار
احياء التراث العربي، بيروت
- ٣٨- الشرح الممتع على زاد المستقنع، محمد صالح العثيمين، بترتيب د.
سليمان بن عبد الله بن حمود أبا الخيل وآخرون، مؤسسة آسام، الرياض،
١٤١٦ هـ
- ٣٩- شرح الزرقاني على موطا الامام مالك، محمد الزرقاني، دار المعرفة،
بيروت، ١٤٠٩ هـ
- ٥٠- شرح النووي على صحيح مسلم، محي الدين النووي، دار الفكر،
بيروت، ١٣٩٨ هـ
- ٥١- شرح احياء علوم الدين، المرتضى الزبيدي، الميمنية، ١٣١١ هـ
- ٥٢- شرح الوجيز مختصر من شرح ابن علان، مطبوع على هامش الأذكار
للنوي، دار الكتاب العربي، بيروت، ١٣٩٩ هـ
- ٥٣- شرح السنة، الامام حسين بن مسعود البغوي، بتحقيق شعيب الأرناؤوط
وآخرون، المكتب الاسلامي، بيروت، ١٤٠٣ هـ
- ٥٤- صحيح البخاري مع فتح الباري، الامام محمد بن اسماعيل البخاري،
دار المعرفة، بيروت
- ٥٥- صحيح الكلم الطيب، شيخ الاسلام ابن تيمية، بتصحيح محمد ناصر
الدين الألباني، مكتبة المعارف، الرياض، ١٤٠٤ هـ
- ٥٦- صحيح الجامع الصغير وزيادته، محمد ناصر الدين الألباني، المكتب
الاسلامي، بيروت، ١٤٠٦ هـ
- ٥٧- صحيح مسلم بشرح النووي، الامام مسلم القشيري، بترقيم فزاد
عبد الباقي، دار الفكر، بيروت، ١٣٩٢ هـ
- ٥٨- صحيح، الامام ابن حبان، بتحقيق كمال يوسف الحوت، دار الكتب
العلمية، بيروت، ط. الأولى
- ٥٩- صحيح ابن خزيمة، الامام أبو بكر محمد بن اسحاق الخزيمة، بتحقيق
د. مصطفى الأعظمي، بمراجعة محمد ناصر الدين الألباني، المكتب الاسلامي
- ٦٠- ضعيف سنن الترمذي، محمد ناصر الدين الألباني، المكتب الاسلامي،
١٤١١ هـ

- ٦١- ضعيف سنن أبي داود، محمد ناصر الدين الألباني، المكتب الاسلامي، ١٤١٢ هـ
- ٦٢- ضعيف سنن النسائي، محمد ناصر الدين الألباني، المكتب الاسلامي
- ٦٣- ضعيف سنن ابن ماجه، محمد ناصر الدين الألباني، المكتب الاسلامي، ١٤٠٨ هـ
- ٦٤- طرح الشريب، زين الدين وأبي زرعة العراقيين، دار احياء التراث العربي، بيروت
- ٦٥- العدة شرح العمدة، ابن دقيق العيد، ط. الرياض
- ٦٦- عون المعبود لحل مشكلات سنن أبي داود، أبي الطيب شمس الحق العظيم آبادي، نشر السنة، ملتان، ١٣٩٩ هـ
- ٦٧- العلم المنشور في اثبات الشهور، علي بن عبد الكافي السبكي، ط. بيروت
- ٦٨- فتح الباري شرح صحيح البخاري، محمد علي بن حجر العسقلاني، بتحقيق محب الدين خطيب، دار المعرفة، بيروت
- ٦٩- فقه العبادات، محمد صالح العثيمين، دار الوطن، الرياض، ١٤١٦ هـ
- ٧٠- فتاوى الصيام، جمع وترتيب محمد المسند، الرياض، ١٤١٩ هـ
- ٧١- فقه السنة، سيد السابق، طبع بيروت
- ٧٢- الفروق الفقهية، للقرافي، دار احياء الكتب العربية، ١٣٣٦ هـ
- ٧٣- قوت المغتذي، جلال الدين السيوطي، ط. بيروت
- ٧٤- الكامل في ضعفاء الرجال، ابن عدي، المكتبة الأثرية، سانكله هل
- ٧٥- كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، علاء الدين علي المتقي الهندي، مؤسسة الرسالة، ١٣٩٩ هـ
- ٧٦- المجموع شرح المذهب، محي الدين النووي، مطبعة التضامن الأخوي، ١٣٣٣ هـ
- ٧٧- مصنف، الامام ابن أبي شيبة، حيدرآباد دكن، ١٣٣٣ هـ
- ٧٨- موضوعات الصغاني، حسن بن محمد بن الحسن الصغاني، بتحقيق نجم عبد الرحمن خلف، طبع دار المأمون للتراث، دمشق، ١٤٠٥ هـ
- ٧٩- مسند البزار مع كشف الأستار، أبو بكر أحمد بن عمرو البزار، مصورة الجامعة الإسلامية، المدينة المنورة

٨٠- المسند، الامام محمد بن ادريس الشافعي، بترتيب السندی، دارالكتب العلمية، بيروت

٨١- المحلى، ابن حزم الاندلسي، دار الآفاق الجديد، بيروت

٨٢- مرقاة المفاتيح، شرح مشكاة المصابيح، على القاري، الميمنية، ١٣٠٩ هـ

٨٣- مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ابو الحسن عبيد الله الرحمانى المباركفوري، الجامعة السلفية، بنارس

٨٤- مجمع الزوائد ومنيع الفوائد، نورالدين على بن أبى بكر الهيثمي، دارالكتاب العربي، بيروت، ١٣٠٢ هـ

٨٥- مشكل الآثار، الامام أبو جعفر أحمد بن محمد الطحاوي، دائرة المعارف النظامية، حيدرآباد دكن، ١٣٣٣ هـ

٨٦- المستدرک على الصحيحين، الامام أبو عبد الله الحاكم، دارالفكر، بيروت، ١٣٩٨ هـ

٨٧- مجموع فتاوى، شيخ الاسلام أحمد بن تيمية، بترتيب عبد الرحمن بن محمد بن قاسم، مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، المدينة المنورة، ١٤١٦ هـ

٨٨- المسند، الامام أحمد بن حنبل الشيباني، بتحقيق أحمد محمد شاكر، المكتب الاسلامي، بيروت، ١٣٩٨ هـ

٨٩- المسند، الامام أبى داود الطيالسي، دارالمعرفة، بيروت

٩٠- المؤطا مع شرح الزرقاني، الامام مالك بن أنس، دارالمعرفة، بيروت، ١٣٠٩ هـ

٩١- منهاج المسلم، أبو بكر الجزائري، مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة، ١٤١٤ هـ

٩٢- مختصر الفقه الإسلامي، محمد بن ابراهيم التويجري، دارالمعارج الدولية، الرياض، ١٣٢١ هـ

٩٣- مختصر السنن أبى داود، الامام المنذرى، المكتبة الأثرية، سانكله هل

٩٤- مصنف، الامام عبد الرزاق ابن الهمام الصنعاني، بتحقيق حبيب الرحمن الأعظمي، المكتب الاسلامي

٩٥- مشكاة المصابيح، الامام خطيب التبريزي، بتحقيق محمد ناصر الدين الألباني، المكتب الاسلامي، دمشق، ١٣٨٠ هـ

- ۹۶۔ المنفی، اُبی محمد بن عبد اللہ ابن قدامة المقدسی، باختصار اُبی القاسم الخرقی، مكتبة الرياض الحديثة، الرياض
- ۹۷۔ مجموعة الفتاوى، ابي الحسنات عبد الحئی اللکنوی، مطبوع علی ۵۱۱-۱۱
- ۹۸۔ الملخص الفقہی، صالح بن فوزان آل فوزان، دار ابن الجوزی، الدمام، ۱۴۲۱ھ
- ۹۹۔ نیل الأوطار من أسرار منتقى الأخبار، محمد بن علی الشوکانی، بتحقیق محب الدین دیب مستو وآخرون، دار الکلم الطیب، دمشق، ۱۴۱۹ھ
- ۱۰۰۔ نصب الرایة لأحادیث الهدایة، جمال الدین اُبی محمد الزیلعی، دار الحديث، القاهرة
- ۱۰۱۔ نهاية المحتاج، الشمس الرملى، ط. القاهرة

اردو مراجع:

- ۱۰۲۔ جدید فقہی مسائل، خالد سیف اللہ رحمانی (فاضل دیوبند)، طبع ہند
- ۱۰۳۔ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع، طبع کراچی
- ۱۰۴۔ روزہ احکام و مسائل، شیخ محمد امین اثری رحمانی مبارکپوری، ادارہ توحید، علی گڑھ، ۱۹۹۳ء
- ۱۰۵۔ عصر حاضر کے فقہی مسائل، بدر الحسن قاسمی، مرکز دعوت و تحقیق اسلامی، حیدر آباد دکن، ۱۹۸۸ء
- ۱۰۶۔ فتاویٰ علمائے حدیث، شیخ علی محمد سعیدی، طبع پاکستان

جرائد و مجلات:

- ۱۰۷۔ ہفت روزہ ”الاعتصام“، لاہور، ۱۹۷۷ء
- ۱۰۸۔ ماہنامہ ”بینات“، کراچی، ۱۹۸۴ء
- ۱۰۹۔ مجلہ ”تدبر“، لاہور، ۲۰۰۰ء
- ۱۱۰۔ مجلہ ”صوت الحق“، مالنگاؤں، ۱۹۹۹ء
- ۱۱۱۔ ماہنامہ ”الفرقان“، لکھنؤ، ۱۹۸۱ء، ۱۹۸۳ء
- ۱۱۲۔ ماہنامہ ”محدث“، لاہور، ۱۹۷۳ء، ۱۹۷۴ء، ۱۹۷۶ء، ۱۹۸۶ء، ۱۹۸۷ء، ۱۹۹۹ء، ۲۰۰۱ء
- ۱۱۳۔ جریڈہ ”المدينة“، المدينة المنورة، ۱۴۰۳ھ

الیکٹرانک مراسلات (ای۔میل):

- ۱۱۴۔ مراسلہ از ماہر فلکیات جناب خالد شوکت صاحب (امریکہ) بتاریخ ۱۷ مئی ۲۰۰۲ء
 ۱۱۵۔ مراسلہ از ماہر فلکیات جناب ڈاکٹر منظور احمد صاحب (برطانیہ) بتاریخ ۱۶ جون ۲۰۰۲ء

مواقع انٹرنیٹ:

116. <http://www.salam.muslimsonline.com>
 117. <http://www.ummah.net>
 118. <http://www.ummah.org.uk>
 119. <http://www.starlight.demon.co.uk>
 120. <http://www.moonsighting.org.uk>
 121. <http://www.sbia.net>
 122. <http://www.ceri.kacst.edu.sa>

کمپیوٹر پروگرامس:

123. CyberSky (A Computer Software)
 124. Moon Calculator (Version 6.0) (A Computer Software)
 125. Prayer Time Calculator v2.5 (A Computer Software)

انگریزی مراجع:

126. A Method for Predicting the First Sighting of New Moon,
 Yallop B.D., 1998, HM Nautical Almanac Office, Royal
 Greenwich Observatory, Cambridge, UK.
 127. A Modern Guide to Astronomical Calculations of Islamic
 Calendar, Times & Qibla, Mohammad Ilyas, 1984, Berita
 Publish. Sdn Bhd, Kuala Lumpur, Malaysia
 128. Astronomy of Islamic Times for the Twenty-First Century,
 Dr. Mohammad Ilyas, 1989, Mansell, London
 129. Astronomy of Islamic Calendar, Ilyas M., 1997, Noordeen
 Publishers, Kuala Lumpur, Malaysia
 130. Astronomical Algorithms, Jean Meeus, 2nd Edn., 1999,
 Willmann-Bell Inc., Virginia, USA
 131. Astronomical Formulae for Calculators, Jean Meeus, 1988,
 Willmann-Bell Inc., Virginia, USA
 132. Guinness Book of Astronomy, 4th Edn., Guinness
 Publishing, Middlesex, UK

133. Indian Astronomical Ephemeris, 1979, Indian Meteorology Department, New Delhi
134. Limiting Altitude Separation in the Moon's First Visibility Criterion, Ilyas M., 1988, Astron Astrophys
135. Lunar Crescent Visibility & Islamic Calendar, Ilyas M., 1994, Q.J.R. Ast. Soc.
136. New Moon's Visibility & International Islamic Calendar (for Asia-Pacific Regions), Ilyas M., 1994, OIC, RISEAP, Malaysia
137. On the Smallest Visible Phase of the Moon, Maunder W., 1911, J. British Astron. Assoc.
138. Practical Astronomy with your Calculator, Peter D. Smith, 1992, 3rd Edn., Cambridge University Press
139. Prayer Times for United Kingdom & Ireland, Yakub Qasmi & Tariq Muneer, 1989, Islamic Res. Instt. of Britain, Dewsbury, UK.
140. Perpetual Prayer Time Table for the Whole World, Abdul Lateef Bin Abdul Aziz, 1986, Abdul Majeed Qureshi Publish., Karachi, Pakistan
141. Records of Moonsightings, Schaefer B.E., Ahmad A.I. & Doggette, 1993, Q.J. Ast. Assoc.
142. The First Visibility of Lunar Crescent, Bruin F., 1977, Vistas Astron
143. The Star Almanac for Land Surveyors, HMSO, London
144. The New Encyclopedia Britannica, Encyclopedia Britannica Inc., Chicago, 15th Edition, 1988.
145. Visibility of Lunar Crescent, Schaefer B.E., 1988, Q.J.R. Astr. Soc.
146. Young Crescent Visibility Predictions for 1997, Caldwell J. & Lanet D., South African Astronomical Observatory

علمی و فقہی سیمینار

کے

اہم ترین مقالات کا سلسلہ

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے زیر اہتمام ۲۸ ویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس منعقدہ پاکوڑ جھارکھنڈ بتاریخ ۱۳ تا ۱۵ مارچ ۲۰۰۴ء کی مناسبت سے اہم ترین فقہی و علمی موضوعات پر متعدد اہل علم کے تحقیقی مقالات مختلف نشستوں میں پیش ہوئے تھے جنہیں اپنی علمی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر جلد ہی منظر عام پر آنا چاہیے تھا۔ مگر شدید خواہش اور مطالبات کے باوجود مرکزی جمعیت امکانات کی قلت کی بنا پر انہیں شائع کرنے سے قاصر رہی، اور اب مالایدرک کلہ لایترک کلہ کے تحت سلسلہ وار انہیں شائع کرنے جا رہی ہے، یہ کتاب اسی اہم ترین علمی و تحقیقی سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ ان شاء اللہ دیگر مقالات بھی رفتہ رفتہ حسب امکان منظر عام پر لائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہی سے تمام منصوبوں کی تکمیل کا سوال ہے۔